قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

www.urducouncil.nic.in

उर्दू भाषा विकास परिषद्

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان

ational Council for Promotion of Urdu Language

Ministry of Human Resource Development, Department of Higher Education, Government of India

एक भारत श्रेष्ठ भारत

مئی 2019 قیمت 15 ₹

ماہنامہ اردو دنیا نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

عالمی اردو کانفرنس

آج کے عالمی تناظر میں اردو کا تحف

orld Urdu C

The Protection an

in the Gl

18th to 2

عالمی اردو کانفرنس کی تصویری جھلکیاں

مشمولات

اداریہ

ہماری بات — 4

خطوط

آپ کی بات — قارئین کے خطوط — 5

کور اسٹوری

قومی اردو کونسل کی چھٹی عالمی اردو کانفرنس — عبدالرشید اعظمی/مسرت — 7

رپورٹ

اردو آپ کے دروازے پر — شاہد اختر انصاری — 33

زبان اور زمینی صورت حال

تکنالوجی میں اردو کے کامیاب مستقبل کا راز پوشیدہ ہے — سہیل ارشد — 37

نقد و نگاہ

تضمین نگاری — شمیم احمد صدیقی — 42

اشعارِ غالب سے ماخوذ عنوانات — عسکری صفدر — 46

جمیل مظہری کی نظموں میں عظمت آدم اور احترامِ انسانیت — شہاب ظفر اعظمی — 49

شخصیات

بدایوں کا ایک غزل گو: منشی دیبی پرشاد سحر — علیم صبا نویدی — 52

تمل ناڈو کا ایک انمول رتن: کاوش بدری — قاضی حبیب احمد — 54

خراج عقیدت

سید احمد حسین امجد حیدر آبادی: شخصیت اور شاعری — خدیجہ زبیر احمد — 57

کچھ یادیں کچھ باتیں: نقش لائل پوری — صدر عالم گوہر — 60

کمپیوٹر

دستاویز اور ٹیکسٹ کو فارمیٹ کرنا — 63

کتابوں کی دنیا

تعارف و تبصرہ — ادارہ — 64

خبر نامہ

اردو دنیا کی خبریں — ادارہ — 73

ماہنامہ اردو دنیا دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

قومی اردو کونسل کا بین الاقوامی جریدہ

جلد: 21، شمارہ: 05، مئی 2019

مدیر : ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

نائب مدیر : ڈاکٹر عبدالحی

مشیر : حقانی القاسمی

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

وزارتِ ترقی انسانی وسائل، محکمۂ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند

مطبع:

ایس نارائن اینڈ سنز، بی۔88، اوکھلا انڈسٹریل ایریا

فیز-II، نئی دہلی-110020

مقامِ اشاعت: دفتر قومی اردو کونسل

کمپوزنگ: محمد اکرام

ڈیزائننگ: محمد زید

قیمت-/15 روپے سالانہ -/150 روپے

Total Pages:100

- اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل NCPUL اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں
- ڈرافٹ NCPUL,New Delhi کے نام ارسال کریں

صدر دفتر

فروغِ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا جسولہ،.. نئی دہلی-110025

فون:49539000 شعبۂ ادارت:49539009

ویب سائٹ

http://www.urducouncil.nic.in

E-mail: editor@ncpul.in

urduduniyancpul@yahoo.co.in

شعبۂ فروخت

ویسٹ بلاک-8، ونگ-7 آر کے پورم، نئی دہلی۔110066

فون: 26109746، فیکس: 26108159

ای میل: sales@ncpul.in,ncpulsaleunit@gmail.com

شاخ: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس

بلاک نمبر 5-1 پتھر گٹی، حیدر آباد۔500002

فون: 040-24415194

ہماری بات

اردو زبان کے فروغ اور تحفظ کے لیے صرف ہندوستان کے طول وعرض میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں سمینار، کانفرنسیں اور ادبی اجلاس منعقد کیے جاتے رہے ہیں اور ان سمیناروں اور کانفرنسوں کے ذریعے بہت سی تجاویز اور مشورے بھی سامنے آتے رہے ہیں۔ گو کہ ان تجاویز کو عملی جامہ پہنانے کی صورت کم نکل پاتی ہے یا ان پر زیادہ سنجیدگی سے غور نہیں کیا جاتا۔ تاہم یہ خوش آئند بات ہے کہ اردو زبان کے تحفظ کے لیے ایک بڑا طبقہ پابند عہد نظر آتا ہے اور مختلف سطحوں پر اس کے لیے کوشاں بھی ہے۔ اسی وجہ سے اردو کی زمینی صورتِ حال سے ہم مایوس نہیں ہیں لیکن اردو کے فروغ کے لیے اب مزید سنجیدہ اقدامات کی ضرورت ہے۔ ہمیں اردو زبان کے تحفظ کے لیے نئے طور وطرز سے سوچنا ہوگا اور آج کے سائنس اور ٹیکنالوجی کے عہد میں ہمیں نیا لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا کیونکہ اردو زبان کی ترقی اب ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے اور اس سمت میں یقینی طور پر ماضی میں بھی بہت کوششیں ہوتی رہی ہیں لیکن اس میں بھی ہمیں کچھ مزید کوششوں کی ضرورت ہے۔ ٹیکنالوجی جس طرح اپنے دائرۂ کار کو وسیع کر رہی ہے اور نئے نئے طریقہ کار اختیار کر رہی ہے ایسے میں ہمیں بھی ان نئے طریقوں پر غور کرنا ہوگا۔

قارئین! اردو زبان کے مسائل ومتعلقات پر عالمانہ اور دانشورانہ گفتگو ماضی میں بھی ہوتی رہی ہے اور آج بھی جاری ہے۔ مگر زبان کی زمینی صورت حال پر نگاہ ڈالی جائے تو ہمیں ہندوستان میں بہت سے ایسے علاقے نظر آئیں گے جو اردو زبان کے لیے زرخیز زمین کی حیثیت رکھتے ہیں مگر وہاں اردو کی راہ میں بہت سی دشواریاں حائل ہیں۔ خاص طور پر وہاں کے اسکولوں میں اردو کی بنیادی تعلیم کا انتظام نہیں ہے، اساتذہ نہیں ہیں، اور بہت سے اسکولوں سے اردو خارج ہے۔ بچوں کے لیے تدریسی مواد نہیں ہے۔ ایسی صورت میں اردو کی بنیادی تعلیم سے جڑے ہوئے مسائل پر غور وخوض کرنا ہمارے لیے لازمی ہے تاکہ جن علاقوں میں اردو تعلیم وتدریس کے تعلق سے دقتیں ہیں ان کو دور کیا جائے۔

گذشتہ چند ماہ سے اردو دنیا میں اردو زبان کی زمینی صورت حال کے تعلق سے انٹرویوز کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے علاقوں میں اردو کی صورت حال بہتر نہیں ہے۔ خاص کر مسلم اکثریتی علاقوں میں بھی اردو کے حالات زیادہ اچھے نہیں ہیں اور وہاں بہت سی سطحوں پر دشواریاں بھی ہیں اور ان انٹرویوز سے اور بھی بہت ساری باتیں سامنے آرہی ہیں۔ المیہ یہ ہے کہ جن علاقوں میں محبانِ اردو بہت پرجوش اور سرگرم ہیں وہاں ان کے سامنے وسائل کا فقدان ہے۔ وہ چاہنے کے باوجود بھی اردو کی بنیادی تعلیم پر زیادہ توجہ مرکوز نہیں کرپاتے کیونکہ اردو کی بنیادی تعلیم کو مضبوط کرنے کے لیے جن وسائل کی ضرورت ہے وہ انھیں مہیا نہیں ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ان محبان اردو کی نا تو قدر افزائی ہوتی ہے اور نہ ہی انھیں انعامات سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ سے بھی ان کی توجہ ذرا کم ہوجاتی ہے تاہم خوش آئند بات ہے کہ وسائل کی تمام تر کمی کے باوجود بھی کچھ لوگ اردو زبان کے فروغ اور تحفظ کے لیے سرگرم ہیں اور یقینی طور پر یہی جذبہ رہا تو اردو زبان کی تعلیم کی راہ میں جو دقتیں حائل ہیں وہ یقیناً دور ہوں گی اور قومی اردو کونسل اس تعلق سے خصوصی طور پر کوشش بھی کر رہی ہے کہ اردو کی بنیادی تعلیم کو مضبوط کیا جائے اور جن علاقوں میں اردو آبادی کم ہے وہاں بھی اردو کا فروغ کیا جائے۔ چنانچہ قومی اردو کونسل نے گوا، منی پور، جزائر انڈمان نکوبار اور نارتھ ایسٹ کے علاقوں میں ایک رابطہ مہم بھی شروع کر رکھی ہے تاکہ وہاں بھی بنیادی سطح پر اردو کو فروغ دیا جاسکے۔ اس کے علاوہ مختلف ریاستوں میں جہاں اردو اکادمیاں قائم نہیں ہیں وہاں اردو اکادمی کے قیام کی کوشش بھی کی جارہی ہے۔ یقینی طور پر اس کے مفید اور مثبت نتائج برآمد ہوں گے لیکن یہ تبھی ممکن ہے جب تمام محبانِ اردو اس میں تعاون کریں۔

قومی اردو کونسل نے ترجیحی طور پر اردو زبان کی بنیادی تعلیم پر توجہ مرکوز کی ہے کیونکہ جڑوں کو مضبوط کیے بغیر کوئی بھی زبان زندہ نہیں رہ سکتی۔ اس لیے قومی اردو کونسل کا ارتکاز اردو کی بنیادی تعلیم پر ہے۔ قومی اردو کونسل کی طرف سے منعقدہ چھٹی عالمی اردو کانفرنس میں بھی اردو زبان کی بنیادی تعلیم پر خاص طور پر توجہ دی گئی اور ایک سیشن اس کے لیے مختص کیا گیا اور اس سیشن میں زیادہ تر مقررین نے مختلف علاقوں میں اردو زبان کی تعلیمی صورت حال کا جائزہ پیش کیا اور یہ بات سامنے آئی کہ بے توجہی کی وجہ سے زبانیں مرتی ہیں اور اردو کے تعلق سے بھی بہت سی سطحوں پر یہی بے توجہی پائی جاتی ہے۔ مقررین نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ہمیں اپنا محاسبہ کرنا چاہیے اور اپنے گھر سے اردو کی تعلیم کا آغاز کرنا چاہیے۔

عقیل احمد

شیخ عقیل احمد

آپ کی بات

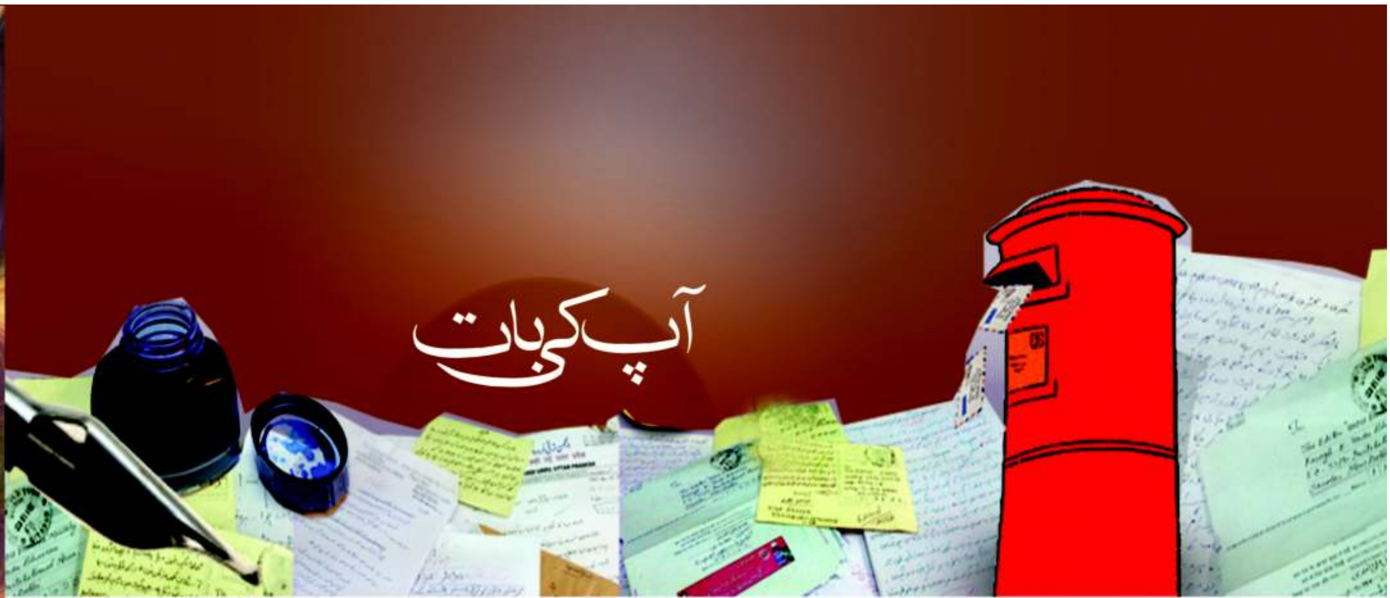

✍ 'اردو دنیا' کا تازہ شمارہ مارچ 2019 موصول ہوا۔ شکریہ۔سب سے پہلے رنگین سرورق پر ساحر لدھیانوی، حامدی کاشمیری اور قاضی عبدالستار صاحب کی تصویریں دیکھ کر دل خوش ہو گیا ۔یوں تو 'اردو دنیا' دنیائے ادب میں اپنی ایک منفرد (Unique) پہچان رکھتا ہے اوراس کی وجہ یہ ہے کہ'اردو دنیا' بڑی پابندی سے شائع ہوتا ہے۔ 'اردو دنیا' کا ایک شمارہ پورا پڑھ نہیں پاتے کہ دوسرا شمارہ ہاتھوں میں ہوتا ہے۔میں نے 'اردو دنیا' کے وہ شمارے بھی دیکھے ہیں جب اس کا سائز چھوٹا تھا،لیکن اب بڑے سائز اور ساتھ ہی تصویروں کے ساتھ تحریریں پڑھنے کا مزا دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس کے لیے میں آپ سبھی کو بہت بہت مبارکباد دینا چاہتی ہوں ۔اس شمارے میں آپ کا اداریہ بہت پسند آیا جو حالاتِ حاضرہ کی عکاسی کرتا ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ آج سماج تبدیل ہو رہا ہے اور اس بڑھتی ترقی کے دور میں ہمیں اپنی سوچ میں بھی بدلاؤ لانے ہوں گے۔ ادب بھی ہماری زندگی میں ایک اہم رول ادا کرتا ہے ۔جیسا بقول مدیر'' اگر ادب نہیں ہوگا تو یہ پورا معاشرہ ایک وحشی سماج میں تبدیل ہو جائے گا۔'' اس بات نے بے حد متاثر کیا اور رہی بات اردو کے فروغ کی تو ہم سبھی کو ہر طرح کی کوشش کرنی ہوگی اور رسائل کو خرید کر پڑھنا ہوگا۔تب ہی اردو زبان زندہ رہ پائے گی ۔محمود شیخ کے سبھی جواب بہت لاجواب ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے بہت بیباکی سے اور حوالے کے ساتھ اپنی بات کہی ہے۔ ابن کنول، شیخ عمران احسن ایوبی، الطاف احمد، پریمی رومانی کے مضامین معیاری ہیں۔ عبدالحی کی وقار مانوی صاحب سے گفتگو معلوماتی ہے۔

❖ **استوتی اگروال**: اگروال جیولرز، سرونج، مدھیہ پردیش

✍ 'فروری' 2019 کا شمارہ 'اردو دنیا' ملا۔ زیرنظر شمارے کے اداریے 'اپنی بات' میں آپ نے اپنی بات یہاں سے شروع کی ہے کہ عہد بدلتا ہے تو معاشرے کی ترجیحات اور تقاضے بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔ معاشرے میں دو سطحوں پر تبدیلیاں آتی ہیں۔ مثبت اور منفی۔آپ نے دونوں پہلوؤں پر اپنی نظروں کا محاسبہ کرتے ہوئے یہ بات بجا طور پر کہی ہے کہ (Globalization) استعماری سازش ہونے کے باوجود بہت سی سطحوں پر

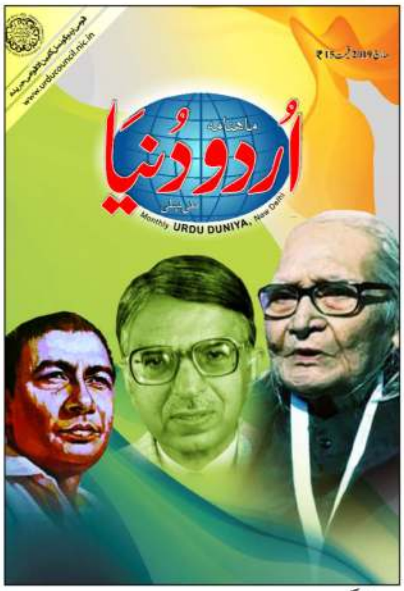

فاصلے کم ہوئے ہیں اور اس میں دو رائے نہیں کہ (Technology) نے ہمارے طرزِ فکر و حیات کو بہت حد تک بدلا ہے بالخصوص انٹرنیٹ نے دنیا کو پوری طرح سے جوڑ دیا ہے اور جس کی وجہ سے علم و آگہی کے نئے راستے کھل گئے ہیں۔علم و آگہی کے تعلق سے جتنا منفی پہلو دیکھے کو ملا وہ یہ ہے کہ آپسی انسانی میل جول اور لسانی رابطے بالخصوص اردو زبان اور اردو کے مطالعہ کی رسائی قلم و کتاب و قرطاس سے ہٹ کر صرف (Click) کرنے اور پھر (Delete) کرنے کی جنبشوں تک محدود ہو کر رہ گئی، جہاں ہم کتابوں کے ذریعے مدیر و مصنف و قارئین سے بآسانی جڑ جاتے ہیں وہاں ایک ناقابل بیان رخنہ پیدا ہو گیا ہے۔ خط و کتابت، مراسلے، تنقید و تبصرے انگل بھر موبائل کے ذریعے انٹرنیٹ میں سکڑ کر رہ گئے ہیں۔ دیگر زبانیں تو عصری ٹیکنالوجی سے ہم آہنگ تو ہو گئیں مگر اردو کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہو سکا۔

'جگر کی شاعری اور ان کا رنگ تغزل' میں سعود عالم نے جگر کو بنیادی طور پر ایک رومانی شاعر قرار دیا ہے جو بجا ہے۔جگر کے تغزلانہ مطالعے کا احاطہ کرتے ہوئے مضمون نگار نے جگر کو اقبال سے جوڑنے کی جو سعی کی ہے وہ غلط ہے کیونکہ جگر کا غزلیاتی شجرہ اصغر گونڈوی، امیر مینائی، آرزو لکھنوی، بہزاد لکھنوی اور عزیز لکھنوی سے ہوتا ہوا

داغ دہلوی تک پہنچتا ہے اور الطاف حسین حالی کی شعری تخلیقات جگر کی تخلیقات سے رمق بھر بھی میل نہیں کھاتی۔ جگر کے مختلف اشعار کو (Code) کرتے ہوئے مضمون نگار نے ان کے غزلیاتی سفر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے، ایک ان کی شادی سے پہلے کا، اور دوسرا ان کی شادی کے بعد کا، جبکہ جگر کی شاعری کو ان کے ازدواجی زندگی سے جوڑنا ایک طفلانہ تاثر و تجزیہ ہے کیونکہ جگر اول ہی سے امام تغزل بن کر عالم شہود پر آچکے تھے چاہے ان کی رندانہ غزلیں ہوں کہ عاشقانہ، چاہے قومی اشعار ہوں کہ صوفیانہ کلام، یہ سارے ابواب ان کے مشاہدوں اور تجربوں پر کھلتے ہیں اور اول تا آخر ہر شعر ان کی زندگی کا آئینہ اور زمانہ ساز رجحانات کا ماخذ و منبع رہا ہے۔

❖ **علیم صبا نویدی**: رائس منڈی اسٹریٹ، چینئی، تمل ناڈو

'اردو دنیا' کا ہر شمارہ آپ کی صحافتی بیداری کے ساتھ ساتھ زبان و ادب کی رفتار و گفتار کا وہ مژدۂ جاں فزا ہے جس میں اردو کے تابناک مستقبل کی پیش گوئی صاف سنائی دیتی ہے۔ بالخصوص ہماری بات میں مختلف مسائل و گوناگوں نکات پر آپ کے جامع و پرمغز اداریے اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ اللہ آپ کے فنی درجات و ادبی کمالات میں مزید اضافہ کرے تاکہ اردو زبان ایسی ہی چکاچوند سے ہمکنار ہوتی رہے۔ ان تمام خوبیوں کے باوصف، قومی کونسل کے مایہ ناز جملہ رسائل کی معنوی و صوری زیبائش و آرائش اور ترسیل و اشاعت کے لیے ہدیۂ مبارکباد قبول کیجیے۔

❖ **سید عمران علی**: ہیڈ آف شعبۂ اردو، جگدمبا مہاودھیالیہ، مہاراشٹر

'ہماری بات' کا لفظ لفظ میں نے بہ نظر تعمق پڑھا۔ آپ کی بے پناہ ادبی صلاحیتوں کا میں قائل ہوگیا۔ داغ دہلوی نے آپ ہی کے بارے میں کہا تھا۔

خط اُن کا بہت خوب، عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حسنِ رقم اور زیادہ

نوٹ: اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ۔ غیر ادبی جملہ ہے۔ اردو کی پہنائیوں اور دل کی گہرائیوں سے میری یہی دعائیں ہیں کہ پاک پروردگار آپ کو صحت مند رکھے۔ لمبی عمر دے اور ڈھیر ساری خوشیاں عطا فرمائے۔ آپ اردو کی خدمت کررہے ہیں۔ راجہ رام موہن رائے نے فارسی کی خدمت کی تھی اور کولکتہ سے فارسی اخبار نکالتے تھے۔

❖ **جلیل بازیدپوری**: شیخ پورہ، بہار

آپ کی ادارت سے مزین رسالہ اردو دنیا ماہ جنوری و فروری موصول ہوا۔ اداریہ ہماری بات کے تحت آپ نے بجا فرمایا ہے کہ کلینڈر بدلتا ہے اور ہم نئے سال میں نئے عزائم، نئے جوش، نئی امیدوں اور نئے خوابوں کے ساتھ داخل ہوتے ہیں اور ہمارے سامنے مستقبل کا ایک لائحہ عمل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ زندگی اور معاشرے کے جو بنیادی مسائل ہیں اُن کی طرف ہماری مکمل توجہ نہیں ہو پاتی۔ دکھ یہ ہے کہ ہم ایک خاص دائرے میں قید ہوکر رہ گئے ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ اردو زبان و ادب کے تعلق سے حالات میں بہت تبدیلی آئی ہے۔

مرزا خلیل احمد بیگ سے لیا گیا انٹرویو نہایت پُرمغز ہے۔ موزوں سوالات اور تشفی بخش جوابات اردو سے متعلق نہایت اہم اور حوصلہ افزا ہیں۔ جس طرح سے اردو کے املے میں کئی طرح کی تحریف ہوتی جارہی ہیں، تلفظ پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ مسعود جامی کا مضمون پطرس بخاری کی مزاح نگاری ایک جامع تخلیق ہے، جس میں پطرس کی فنکارانہ صلاحیتوں کا بھرپور احاطہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر شریف احمد قریشی کسی تعارف کے محتاج نہیں، ان کی تخلیق بسنت خسرو کی شاعری کے حوالے سے نہایت عمدہ اور معلوماتی ہے۔

خان حسنین عاقب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ ''اردو صرف مسلمانوں کی زبان نہ کبھی تھی، نہ ہے اور نہ ہوسکتی ہے۔'' نہایت مؤثر طریقے سے زبان کا تعلق کسی مذہب سے وابستہ نہ ہونے کا جواز پیش کیا ہے۔ جگر مرادآبادی کی شاعری پر اُن کا رنگ تغزل پیش کرکے سعود عالم نے اپنا لوہا منوالیا ہے۔ 2018 کا فکشن اور فکشن تنقید ایک جائزہ کے تحت معروف افسانہ نگار اسلم جمشید پوری نے پُرمغز جائزہ پیش کیا ہے۔ اردو زبان میں سائنسی صفحات جیسے مضامین کی از حد ضرورت ہے۔ یہ سلسلہ جاری رہے تو نئی نسلوں کی معلومات میں اضافہ ہوگا۔

❖ **پرویز اشرفی**: N-113، 20 فنار روڈ، بٹلہ ہاؤس، نئی دہلی

میں ماہنامہ 'اردو دنیا' ہر ماہ پڑھتا ہوں۔ مجھے اس رسالے کے مضامین بے حد پسند ہیں۔ مضامین بہت معیاری ہوتے ہیں۔ ETV اردو سے اردو دنیا کا اتوار کے دن جو پروگرام نشر کیا جاتا ہے اسے میں ضرور دیکھتا ہوں۔ آپ حضرات اردو زبان کے لیے جو کام کررہے ہیں اللہ تعالیٰ اس کام میں ترقی عطا فرمائے، آمین!

❖ **عبدالرشید خان**: قاضی پورہ، گنجی پیٹھ، ناگپور، مہاراشٹر

قلم کاروں سے گزارش

ماہنامہ 'اردو دنیا' میں ہر شعبۂ حیات سے تعلق رکھنے والے افراد کے ذوق اور سطح کا خیال رکھا جاتا ہے۔ ادب کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی تحریریں شائع کی جاتی ہیں مگر ایسے مضامین کو ترجیح دی جاتی ہے جو سائنسی، سماجی، ثقافتی اور تعلیمی شعبوں میں ہونے والی ترقیات کا احاطہ کرتے ہوں یا روزگار کے حصول میں معاون وسائل کی نشان دہی کرتے ہوں۔ یہ ہر طبقے کا رسالہ ہے اسی لیے اس میں تنوع کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ ماہنامہ 'اردو دنیا' کی خوش بختی ہے کہ اسے ہندوستان بھر کے قلم کاروں کا تعاون حاصل ہے۔ ہر موضوع پر ہمیں مضامین ملتے رہتے ہیں۔ لیکن تمام مضامین کی فوری اشاعت ممکن نہیں ہے۔ اس لیے اب قلم کاروں سے گزارش ہے کہ اپنے مضمون کے ساتھ چند سطروں میں مضمون کے اہم نکات کی نشان دہی فرمادیں تاکہ ترجیحی طور پر مضمون کو شامل اشاعت کیا جاسکے۔ برائے مہربانی اپنے مضامین، خبروں اور خط کے ساتھ **اپنا موبائل نمبر اور مکمل پتہ مع پن کوڈ ضرور فراہم کریں**۔ معاوضے کے لیے بھیجے گئے فارم میں اپنے قلمی اور بینک اکاؤنٹ میں درج نام کی الگ الگ نشان دہی کریں۔

'اردو دنیا' کے لیے تمام مضامین/مکتوبات اردو دنیا کی ای میل آئی ڈی کے علاوہ درج ذیل آئی ڈی پر بھی ضرور ارسال کریں: director@ncpul.in

کور اسٹوری

▪عبدالرشید اعظمی
▪مسرت

قومی اردو کونسل کی چھٹی عالمی اردو کانفرنس

قومی اردو کونسل کی حیثیت اس بلند و بالا اور فلک بوس عمارت کی ہے جس کی خشتِ اول ترقی اردو بورڈ ہے۔ 1969 میں مرکزی حکومت نے اردو زبان کی ترقی کے لیے ایک مشاورتی کمیٹی تشکیل دی جس کے وائس چیئرمین پرفیسر محمد مجیب تھے۔ اس وقت کمیٹی کے قائم کرنے کا مقصد اردو زبان کی ترقی کے لیے تجاویز و سفارشات پیش کرنا نیز لائحہ عمل تیار کرنا تھا اور اردو کی صورت حال سے مرکزی حکومت کو باخبر کرنا تھا۔ جدید سائنسی علوم، ٹکنالوجی، تعمیری ادب اطفال کی کتب شائع کرنا اور فروغ اردو کے لیے دوسرے ضروری وسائل سے حکومت کو باخبر کرنا تھا۔

حکومت کی نظر میں یہ کمیٹی غالبًا ناکافی تھی لہٰذا 16 جون 1973 کو ترقی اردو بیورو کی بنیاد پڑی جو دو سال بعد 5 نومبر 1975 کو سرکار کا ماتحت ادارہ بن گیا اور اس کے پہلے ڈائرکٹر کی حیثیت سے شمس الرحمٰن فاروقی نے 14 جنوری 1980 کو عہدہ سنبھالا اور اسی سال 27/ اکتوبر کو اسے ایک مستقل دفتر کا درجہ مل گیا۔ شمس الرحمٰن فاروقی کے بعد 1981 میں جناب کے کے کھلر نے ڈائرکٹر کا عہدہ سنبھالا۔ ایک سال بعد جولائی 1982 میں ڈاکٹر فہمیدہ بیگم اس عہدے پر سرفراز ہوئیں اور 1996 تک ذمے داری نبھائی۔ اس درمیان اردو بیورو کا سفر تیزی سے آگے بڑھ رہا تھا۔

کتابوں کی طباعت و اشاعت، نصابی کتابوں کی حصولیابی، اردو اصطلاح سازی، انگریزی اردو لغات، اردو انگریزی لغات، اردو سے اردو لغت، اردو طلبہ کے لیے خاص لغت، انسائیکلوپیڈیا، کتابت و خوش خطی کے مراکز، اردو ٹائپنگ کے مراکز، اردو املا اور فاصلاتی کورس جیسے اہم کام ترقی اردو بیورو کے تحت سرانجام پانے لگے۔

1994 میں ترقی اردو بورڈ کو تحلیل کر کے ختم کردیا گیا۔ 20 جون 1994 کو قومی اردو کونسل کی حیثیت حکومت ہند کے ایک خودمختار ادارے کی ہوگئی۔ یکم اپریل 1996 سے ترقی اردو بیورو کو قومی اردو کونسل میں ضم کردیا گیا۔ آج یہ ادارہ اردو کی ترویج و ترقی کے ساتھ ساتھ دیگر علوم و فنون کو اپنے دائرے میں لے کر تراجم کے ذریعے اردو زبان کی ثروت مندی میں دن بہ دن ترقی کے مدارج طے کر رہا ہے نیز اردو کی ترقی سے لے کر سماج و معاشرے کی ترقی، نسل انسانی کی ترقی و بہبود کے لیے سرگرمِ عمل ہے جس کے مثبت نتائج سے آج صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پوری اردو دنیا واقف ہے اور روز بہ روز اس کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے اہداف میں متعدد اسکیموں کو نافذ کر کے خوش حال معاشرے کی تشکیل و تعمیر ہے۔ عالمی اردو کانفرنس بھی انھیں اسکیموں میں سے ایک ہے اور یہ چھٹی عالمی اردو کانفرنس ہے جو 18-20 منعقد ہو رہی ہے۔

انسان کی بنیادی ضرورت روٹی کپڑا اور مکان ہے۔ جب انسان انفرادی زندگی گزارتا ہے تو جینے کے لیے مذکورہ بالا تینوں اشیا کافی و شافی ہوتی ہیں۔ تاہم اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے کچھ قوانین و اصول ہوتے

ہیں جن کے بغیر سماج کی تشکیل وتعمیر ناممکن ہے۔ جب تک انسان شعور کی منزل تک نہیں پہنچتا تب تک تو زندگی کی بقا کے لیے روٹی کپڑا اور مکان میں اول درجہ روٹی کا ہے کیونکہ جسمانی قویٰ و اعضا کو تندرسی وتوانائی روٹی ہی پہنچاتی ہے لیکن شعور بیدار ہونے کے بعد کپڑا اور مکان کے ساتھ اجتماعی زندگی گزارنے کے لیے سلیقہ وقرینہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں اور سلیقہ وقرینہ تعلیم وتدریس اور کتابوں میں مضمر ہے۔ روٹی اگر جسم کو قوت بخشی ہے تو تعلیم وعلم سے روح کو غذا ملتی ہے۔ اسی لیے آسمانی صحیفوں میں بھی پڑھنے لکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

قارئین کرام! میں اس وقت تعلیم کے ایک صیغے اردو کی بات کررہا ہوں کیونکہ علما فضلا اور دانشوروں کے ایک بہت بڑے طبقے نے اردو زبان کی تعلیم، تدریس، فروغ اور بقا میں انسان اور انسانیت کی بقا و فلاح کو

”آج اردو زبان میں منطق بھی ہے فلسفہ بھی ہے، ریاضی بھی ہے، کیمیا بھی ہے۔ اگر ہمارے دماغ میں عروج و ترقی کا سودا ہے، تہذیب و شائستگی کا جنون ہے، وحشی زندگی اور مہذب زندگی میں فرق چاہتے ہیں تو ہمیں اردو پڑھنی پڑے گی۔ اپنی زندگی میں اردو کو اتارنا پڑے گا۔ آج یہ اردو زبان صرف ایک زبان نہیں ہے۔ تہذیب و شائستگی کا خزانہ ہے زندگی کو حسن و جمال سے آراستہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ عروج پر پہنچانے کا آلہ ہے۔ اس کے اشعار میں شکر و شہد ہے۔ اس کی غزلوں میں گلوکوز ہے۔ زندگی کو طاقت پہنچانے کے لیے، سماج کو مضبوط بنانے کے لیے اردو ہماری ضرورت ہے۔“

ضامن ٹھہرایا ہے کیونکہ اردو زبان جنگل اور آبادی کے درمیان فرق کو واضح کرتی ہے۔ شیر، بھیڑیے، منطق و فلسفہ اور ریاضی و کیمیا نہیں پڑھتے۔ اس لیے جنگل کی زندگی اور انسانی تہذیب میں فرق ہے۔ ازمنۂ ماضی میں اردو نہیں تھی لیکن جن ملکوں وقوموں کو تہذیب وثقافت اور شائستگی و نفاقت میں عروج حاصل تھا ان کی زبانیں علمی تھیں جن زبانوں میں منطق و فلسفہ اور ریاضی و کیمیا کی تعلیم تھی وہ قومیں ترقی یافتہ تھیں۔

آج اردو زبان میں منطق بھی ہے فلسفہ بھی ہے، ریاضی بھی ہے، کیمیا بھی ہے۔ اگر ہمارے دماغ میں عروج وترقی کا سودا ہے، تہذیب وشائستگی کا جنون ہے، وحشی زندگی اور مہذب زندگی میں فرق چاہتے ہیں تو ہمیں اردو پڑھنی پڑے گی۔ اپنی زندگی میں اردو کو اتارنا پڑے گا۔ آج یہ اردو زبان صرف ایک زبان نہیں ہے۔ تہذیب وشائستگی کا خزانہ ہے زندگی کو حسن و جمال سے آراستہ کرنے کا ذریعہ ہے۔ عروج پر پہنچانے کا آلہ ہے۔ اس کے اشعار میں شکر وشہد ہے۔ اس کی غزلوں میں گلوکوز ہے۔ زندگی کو طاقت پہنچانے کے لیے، سماج کو مضبوط بنانے کے لیے اردو ہماری ضرورت ہے۔ اردو وہ زنجیر ہے جو بلا امتیاز مذہب وذات سب کو باندھ لیتی ہے۔ یہ وہ زلف ہے جس کے اسیر صرف میر و غالب ہی نہیں چکبست و دیاشنکر بھی رہے۔ اردو اپنے دیوانوں کو موت نہیں زندگی دیتی ہے۔ اردو عہدہ نہ دے، دولت نہ دے، لیکن زندگی دیتی ہے۔ غالب کو حوالات میں بند کرنے والے سے کوئی واقف نہیں لیکن آج غالب ہزاروں کی کفالت مرنے کے بعد کررہے ہیں۔

ہمارے سرکاری اداروں، محکموں اور وزیروں نے اس راز کو جان لیا ہے۔ اردو زبان کی تاریخ وتاثیر سے واقف ہوگئے ہیں، اس کی اہمیت وضرورت اور ثروت مندی کو تسلیم کرلیا ہے اس لیے آج انسان و انسانیت کو سماج کو بہتر و مستحکم بنانے کے لائحۂ عمل تیار کررہے ہیں۔ منصوبے واسکیمیں بنارہے ہیں، جگہ جگہ ایسے ادارے کھولے جارہے ہیں جہاں سے اردو کی روشنی پھیلے، اردو کی کرن انسان و معاشرے کو منور کرے، کیا آپ دیکھ رہے ہیں، سن رہے ہیں، محسوس کررہے ہیں کہ اس وقت تمام علوم حصول دولت وزر کی تعلیم دے رہے ہیں، ایک دوسرے

پر مالداری میں سبقت لے جانا چاہتے ہیں۔ اس مقصد میں جائز و ناجائز سبھی حربے استعمال ہو رہے ہیں جس کی وجہ سے سماج میں بے چینی، رشتوں کی ناقدری، ٹوٹ پھوٹ، کینہ پروری، عداوت، بغض، حتیٰ کہ سفا کی وخون خرابہ کی نوبت آن پہنچتی ہے۔ ایسے عالم میں اردو زبان کی تعلیم و تدریس، محبت و مودت، بھائی چارہ و اخوت کی بات کرتی ہے۔ سماج سے بدصورتی مٹا کر خوبصورتی پیدا کرنا چاہتی ہے۔ افتراق و نفاق کا خاتمہ کر کے منظّم معاشرے کی تشکیل و تعمیر چاہتی ہے، انسانی آبادی سے حیوانی اصولوں کا قلع قمع کرنا چاہتی ہے۔ ایسے دستور کا نفاذ چاہتی ہے جو فلاح عامہ کے لیے ہو، اردو ہر چہرے پر نور اور ہر ہونٹ پر تبسم چاہتی ہے۔ اردو ہر گلی میں خوشبو چاہتی ہے، اردو خار و تلوار نہیں اردو گل و گلزار چاہتی ہے۔ پیار چاہتی ہے، اعلیٰ کردار چاہتی ہے، وقار چاہتی ہے، خشونت نہیں متانت و ریشمی مزاج چاہتی ہے۔

حامیانِ اردو! اردو کی انھیں مذکورہ صفات کی وجہ سے قومی اردو کونسل دنیا کا سب سے بڑا ادارہ بن گیا ہے۔ یہ کونسل اردو کے لعل و گہر سے مزین انسانی سروں کو عظمت کا تاج عطا کرنا چاہتی ہے۔ اس مقصد کی حصولیابی کے لیے کونسل مختلف ذرائع کا استعمال کر کے آپ تک پہنچنا چاہتی ہے۔ اس وقت اردو زبان میں وہ سارے علوم موجود ہیں جن کی دنیا کو ضرورت ہے۔ کتابوں کی اشاعت کا مقصد ہے دنیا کو ان علوم سے بہرہ ور کرنا، کمپیوٹر کی تعلیم، صنعت وحرفت کی تعلیم، طب کی تعلیم، کیلی گرافی کی تعلیم، زبانوں کا ڈپلومہ وغیرہ اسکیمیں انھیں مقاصد کی تکمیل کے لیے ہیں۔ سمینار، سمپوزیم اور کانفرنس سے ہوتے ہوئے قومی کونسل اب عالمی کانفرنس تک پہنچ گئی۔ آج کونسل عالمی کانفرنس کے انعقاد و اہتمام کے باب میں کافی آگے بڑھ چکی ہے۔ یہ کانفرنس کونسل کی چھٹی عالمی اردو کانفرنس ہے جس کی سربراہی قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر شاہد اختر اور ڈائرکٹر، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کر رہے ہیں۔

خیر خواہانِ اردو! قومی اردو کونسل کے سربراہان نے عالمی اردو کانفرنس کا خاکہ جس حسنِ ترتیب سے تیار کیا ہے وہ بھی حسنِ ذوق وشوق کی نمائش سے کم نہیں۔ پوری دنیا سے ادیبوں و دانشوروں کی شمولیت کو ان کے اختصاص کے بموجب سات اجلاس میں تقسیم کر کے صرف تین دنوں میں محدود کر دیا تا کہ کم وقت میں تمام گوشہ ہائے علوم وفنون سے دنیا واقف ہو اور کشاں کشاں اردو کی طرف کھنچتی چلی آئے۔

اردو، زبانوں کی کہکشاں، السنۂ رنگا رنگ کی قوسِ قزح ہے۔ یہ زبان، عربی، فارسی، ترکی سنسکرت اور مقامی

زبانوں کے الفاظ کا آمیزہ ہے۔ اسی لیے اردو ابلاغ اور رابطے کی زبان بن کر ابھری ہے۔ اردو زبان کی آبیاری میں بلا امتیازِ قوم و مذہب ہر کسی نے حصہ لیا ہے۔ جہاں میر و غالب نے اپنے فن کا جادو جگایا وہیں پنڈت دیاشنکر نسیم نے اپنے سخن سے چمنِ اردو کو گلزار بنا دیا۔ اسی گلزار کو مزید نکھارنے اور رنگ دینے کے لیے اردو کی انجمنیں اور ادارے اپنے اپنے منہاج و وسائل کا حتی المقدور استعمال کررہے ہیں۔ انھیں اداروں میں قومی اردو کونسل بھی ہے۔ فروغ اردو کے سلسلے میں اس وقت اس ادارے نے اپنے کام کی انفرادیت و فعالیت کے سبب اپنی شناخت عالمی ادارے کے طور پر قائم کی ہے۔

کوئی شخصیت ہو کہ انجمن یا ادارہ، اس کی کامیابی اور ناکامی کے پیچھے بہت سارے اسباب ہوتے ہیں۔ یہ بات کہتے ہوئے مجھے اس وقت علامہ اقبال یاد آرہے ہیں۔ جنھوں نے کبھی 'مسجد قرطبہ' کی آن بان پر کہا تھا

رنگ ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

محترم قارئین! 'اردو بھون' بھی ایک عمارت ہے جس کے قیام کا مقصد اردو زبان کا فروغ ہے۔ یہی وہ عمارت ہے جسے قومی اردو کونسل یعنی فروغ اردو کا مرکزی دفتر کہتے ہیں۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اردو کی خوشبو بکھرنے کا کام جاری ہے۔ اردو کے اس چمن میں بہت ساری روشیں اور کیاریاں ہیں جن کی باغبانی کہنہ مشق مالیوں کے سپرد ہے جو انھیں اپنے سخنِ جگر سے سینچ رہے ہیں اور ہندوستان کے گوشے گوشے میں اس چمن کے اثمار و ازہار پہنچا رہے ہیں۔ مثلاً فاصلاتی نظام تعلیم کے ذریعے اردو، عربی، فارسی زبانوں میں ڈپلومہ کے مراکز، نئی نسل کو کمپیوٹر کی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لیے کمپیوٹر کے مراکز، فن خطاطی کی بقا و توسیع کے لیے مراکز، اردو مصنّفین و تخلیق کاروں کے لیے مختلف اسکیمیں، جیسے کتاب میلہ، سمپوزیم، سمینار، ورک شاپ وغیرہ ہیں۔ انھیں مراحل میں کانفرنس اور عالمی اردو کانفرنس بھی ہے۔

میری اس تمہید کا منشا چھٹی عالمی اردو کانفرنس کی جھلک پیش کرنا ہے جس کا پورا منظر آپ نے 18 تا 20 مارچ 2019 کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ عالمی اردو کانفرنس کی روایت زیادہ پرانی نہیں ہے۔ ابھی ماضی قریب میں اس کا آغاز ہوا ہے جو ہر سال منعقد ہوتے ہوئے آج اپنے چھٹے پڑاؤ پر پہنچی ہے۔ یہاں کا ہر سربراہ اپنے وژن اور دانش کے مطابق ایک نیا و تیز گام منشور محبان اردو کے سامنے پیش کرتا ہے جو نئی پیش رفت ہوتی ہے جس سے ترویج اردو کے نئے دریچے کھلتے ہیں۔

"اردو زبان کی آبیاری میں بلا امتیازِ قوم و مذہب ہر کسی نے حصہ لیا ہے۔ جہاں میر و غالب نے اپنے فن کا جادو جگایا وہیں پنڈت دیاشنکر نسیم نے اپنے سخن سے چمنِ اردو کو گلزار بنا دیا۔ اسی گلزار کو مزید نکھارنے اور رنگ دینے کے لیے اردو کی انجمنیں اور ادارے اپنے اپنے منہاج و وسائل کا حتی المقدور استعمال کررہے ہیں۔ انھیں اداروں میں قومی اردو کونسل بھی ہے۔ فروغ اردو کے سلسلے میں اس وقت اس ادارے نے اپنے کام کی انفرادیت و فعالیت کے سبب اپنی شناخت عالمی ادارے کے طور پر قائم کی ہے۔"

قومی اردو کونسل کے نئے سربراہ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے جس نکتے کو زیادہ اہمیت دی وہ ہے اردو کو محدود مخصوص کیمپس سے نکال کر عوام سے جوڑنا، قومی اردو کونسل اور اس کی اسکیموں سے ایسے افراد کو جوڑنا جو انفرادی و اجتماعی طور پر خاموش اردو کی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کونسل کی اسکیموں سے ان افراد کو مستفید و مستفیض کرنا چاہتے ہیں جو ہر حال میں اردو کی توسیع و ترویج چاہتے ہیں۔ انھوں نے کارپوریٹ، نستعلیق و نفیس طبقے کو کونسل کی اسکیموں سے خاص طور سے دور رکھا ہے جو مدھم روشنی میں غزل اور اس کے تغزل سے انبساط و سرور حاصل کرتے ہیں۔ جہاں عام اردو خادم کی رسائی ممکن نہیں۔ اس پس منظر میں عالمی اردو کانفرنس کے موضوع کی نوعیت تخصیصی نہیں بلکہ تعمیمی ہے۔ چھٹی عالمی اردو کانفرنس کا موضوع 'آج کے عالمی تناظر میں اردو کا فروغ' اردو کے آفاقی مزاج و عالمی اثرات کی نشان دہی کرتا ہے۔ یہ موضوع گویا وہ تناور و چھتنار درخت ہے جس کی سرسبز و شاداب شاخیں زمین کے طول و عرض میں پھیلی ہیں، جس کے سائے میں آکر ایک غیر اردو داں بھی تھوڑی دیر کے لیے ٹھنڈی سانس لیتا ہے، اس کے پھولوں کی دلربا خوشبو سے مسرور ہوتا ہے۔ اس خاص موضوع کے چھ ضمنی موضوعات اس طرح سے ہیں:

پہلے اجلاس کا موضوع 'اردو ذریعہ تعلیم: ابتدائی تا ثانوی سطح'، دوسرے اجلاس کا موضوع 'تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم'، تیسرے اجلاس کا موضوع 'اردو کی تعلیم میں مدارس کا کردار'، چوتھے اجلاس کا موضوع 'اردو: فائن آرٹس اینڈ انفوٹینمنٹ' جبکہ پانچواں اجلاس 'مختلف ممالک میں اردو

کی سماجی وتہذیبی صورت حال' ہے۔ چھٹا اجلاس 'ذرائع ابلاغ اور اردو' رہا۔ ساتواں اجلاس ' آئین اور دوسرے قوانین میں اردو کا مقام' تھا۔اولاً افتتاحی اجلاس 18 مارچ 2019 ، 11 بجے بمقام اسکوپ کمپلیکس کے اسکوپ آڈیٹوریم میں شروع ہوا جس کی نظامت کے فرائض تجربہ کار و باصلاحیت ناظم، معین شاداب نے انجام دیے، اس اجلاس کے مہمان ذی وقار محترم اندریش کمار رہے۔

باقاعدہ جلسے کا آغاز جناب اندریش کمار، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل کے جوائنٹ سکریٹری جناب مدھورنجن کمار، جناب سنجے کمار سنہا، قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر شاہد اختر، ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد، اور مہمانِ خصوصی ڈاکٹر تقی عابدی کے ہاتھوں شمع روشن کرکے ہوا۔ اس موقعے پر پلوامہ کے شہیدوں اور گوا کے وزیراعلیٰ/ مرحوم منوہر پاریکر کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا۔

ناظم اجلاس معین شاداب نے مائک سنبھالتے ہوئے اپنے خاص انداز میں رسمِ شمع فروزی کے بعد شمع اور بلب کے فرق کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ ''ایک شمع سے ہزاروں شمع روشن ہوسکتی ہیں لیکن یہ صفت وخوبی بلب میں نہیں'' محترم کے اس تخلیقی تبصرے کا مدعا شمعِ اخوت و محبت ہے۔ بعد ازاں ناظم اجلاس معین شاداب نے، تعارفی کلمات و استقبال کے لیے، قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کو مائک سپرد کیا۔

ڈائرکٹر، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کانفرنس کا آغاز کرتے ہوئے ملکی و غیرملکی مندوبین و حاضرین جلسہ کا خیرمقدم کرتے ہوئے کہا کہ ''یہاں علم وادب کے آفتاب و ماہتاب کا جمگھٹا ہے، دانشورانِ ادب و ثقافت کی ایک کہکشاں ہے اور یہ جس رشتے کی بنیاد پر یہاں جمع ہوئے ہیں وہ ہے اردو زبان اور تہذیب سے محبت کا رشتہ، یہی وہ رشتہ ہے جس نے سارے فاصلوں کو قربتوں میں بدل دیا ہے۔ اسی رشتے سے باہری ممالک سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے اردو سے محبت کرنے والے تشریف لائے ہیں۔ ہم ان کا تہہ دل سے خیرمقدم کرتے ہیں جن کی آمد سے ہماری بزم کی رونق بڑھ گئی ہے۔''

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے اردو زبان کی تاثیر، توسیع اور مقبولیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے قومی اور بین الاقوامی کئی ایک شعرا و دانشوروں کا ذکر کیا جن کا اردو سے جذباتی لگاؤ تھا۔ جنھوں نے اردو کے لیے مشرقی و مغربی ملکوں میں کام کیا۔ بقول ڈاکٹر شیخ عقیل احمد ''گارساں دتاسی ہوں یا جان گل کرسٹ، سب اردو کے عاشق رہے ہیں۔ جبکہ 'اردو کی جنم بھومی ہندوستان ہے' انھوں نے مزید کہا ''اردو صرف ایک مقامی یا قومی تناظر میں قید نہیں ہے بلکہ اس کا ایک عالمی تناظر ہے، یہ ایک عالمی شعور اور آفاقی اقدار کی زبان ہے۔''

''ہمیں ابتدائی سطح پر اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے، اوراس کی جڑوں کو مضبوط کرنا ہے۔ اردو کی ابتدائی تعلیم پر توجہ دینی ہے'، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے اپنی اس بات کی تائید میں ملک زادہ منظور کے حوالے سے کہا کہ ''اگر صدیوں تک ادب عالیہ تخلیق نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں، اگر زبان سمٹتی گئی تو بہت بڑا خسارہ ہوگا'' اسی لیے ہمیں ادب عالیہ سے زیادہ زبان کی زندگی پر توجہ دینی ہے۔ ہمیں اردو سے جڑے ہوئے مسائل پر غور کرنا ہے۔ اگر محبانِ اردو کی محبتیں شامل نہ رہیں تو ہمارے سارے منصوبے ناکام ہوجائیں گے، یقینا حکومت بھی اردو کو ہر طرف پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے، ہمیں حکومت سے بھی ہر طرح کا تعاون ملا ہوا ہے۔''

ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے اس تہذیبی و ثقافتی اور رابطے کی زبان اوراس کے رسم الخط کی تدریس وترویج پر اظہارِخیال کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمیں ابتدائی سطح پر اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے، اوراس کی جڑوں کو مضبوط کرنا ہے۔ اردو کی ابتدائی تعلیم پر توجہ دینی ہے'، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے اپنی اس بات کی تائید میں ملک زادہ منظور کے حوالے سے کہا کہ ''اگر صدیوں تک ادب عالیہ تخلیق نہیں ہوا تو کوئی بات نہیں، اگر زبان سمٹتی گئی تو بہت بڑا خسارہ ہوگا'' اسی لیے ہمیں ادب عالیہ سے زیادہ زبان کی زندگی پر توجہ دینی ہے۔ ہمیں اردو سے جڑے ہوئے مسائل پر غور کرنا ہے۔ اگر محبانِ اردو کی محبتیں شامل نہ رہیں تو ہمارے سارے منصوبے ناکام ہوجائیں گے، یقیناً حکومت بھی اردو کو ہر طرف پھلتا پھولتا دیکھنا چاہتی ہے، ہمیں حکومت سے بھی ہر طرح کا تعاون ملا ہوا ہے۔''

اس کانفرنس کی بہت بڑی کامیابی اور مقبولیت یہ ہے کہ وزیراعظم ہند نریندر مودی جی خود شریک ہونا چاہتے تھے لیکن سیاسی و تکنیکی نکات کے سبب شرکت نہیں کرسکتے تھے تاہم پھر بھی انھوں نے اپنا پیغامِ محبتِ اردو زبان بھیجا جس کا متن اردو اور اس کے رسم الخط سے والہانہ الفت و لگاؤ کا اظہار یہ ہے۔ گوکہ یہ پیغام انگریزی زبان میں ہے جس میں وزیراعظم ہند نے فرمایا کہ ''اردو کا حسن اس کا رسم الخط ہے اور یہ زبان گنگا جمنی تہذیب کی ایک روشن علامت ہے۔''

تعارفی کلمات اور استقبالیہ خطبے کے بعد ناظم جلسہ معین شاداب نے وزارت برائے فروغِ انسانی وسائل کے جوائنٹ سکریٹری جناب مدھورنجن کمار کو دعوتِ اظہارِ فکروخیال دیا۔

کانفرنس کے افتتاحی اجلاس میں عزت مآب وزیر برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند پرکاش جاوڈیکر کی شرکت متوقع تھی لیکن وہ کسی قانونی پیچیدگی کے سبب شریک نہیں ہوسکے۔ لہٰذا ان کی نیابت جوائنٹ سکریٹری مدھورنجن جی اور جناب سنجے کمار سنہا نے کی۔

مدھورنجن جی نے زبان وتہذیب کے رشتے اور زبان کی علویت وتفوق نیز تاثیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''زبان وتہذیب کے رشتے محبت سے قائم ہوتے ہیں، اس دیش میں اردو اور ہندی کے دھارے نے ہم لوگوں کو میٹھا کردیا ہے۔ اگر اردو نہ ہوئی تو یہ مٹھاس نہ ہوتی، پریم چند اردو سے ہندی میں آئے۔''

مدھورنجن جی نے ایجاز و اختصار سے کام لیتے ہوئے، اردو سے اپنی محبت کا اظہار اردو کے چند منتخب و مقبول الفاظ ومصرعوں سے کیا۔ آپ نے فلمی نغمے کا مصرع۔ ابتدائے عشق میں ہم ساری رات جاگے، سنا کر کہا کہ انگریزی زبان میں اس کا بدل نہیں ہے، مزید کہا کہ 'مغل اعظم کا 'تخلیہ' کون بھول سکتا ہے۔ شتروگھن سنہا نے 'خاموش' کہا 'چپ' نہیں کہا۔

جوائنٹ سکریٹری مدھورنجن جی نے اردو زبان کے متوالوں اور ان کی خدمات کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ''پریم چند چلے گئے، اقبال چلے گئے لیکن اردو ہے'' آپ نے اقبال کا مصرع دہرایا ''بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے'' مزید کہا کہ ''اس دیش کی پہچان اردو تہذیب سے ہے۔ شرافت جہاں سے شروع ہوتی ہے وہیں سے اردو شروع ہوتی ہے۔''

قارئینِ کرام! محفل میں اس وقت ایک دلچسپ موڑ آیا اور محفل گل وگلزار ہوگئی۔ جب مدھورنجن جی نے کہا کہ اردو شرافت کی زبان ہے۔ ٹھیک اسی لمحے اسٹیج سے کسی مسند نشیں نے کہا کہ اردو شرارت کی زبان بھی ہے۔ اس جملے کی تائید اور میٹھی کاٹ میں غالباً صدر محفل نے فرمایا کہ ''محبوبہ کی شرارت و نازبرداری میں جو لطف ہے وہ لاجواب ہے۔ قبل اس کے کہ یہ گفتگو طول پکڑتی، ناظم اجلاس معین شاداب نے مائک پر آتے ہوئے کہا کہ ''اردو میں شرافت بھی ہے، شرارت بھی ہے، لیکن سازش

نہیں ہے۔ اور کارروائی کو مزید آگے بڑھاتے ہوئے کلیدی خطبے کے لیے ڈاکٹر سید تقی عابدی کو آواز دی کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

اردو دنیا کی تیسری زبان ہے، شہید بھگت سنگھ کی زبان اردو ہے" پروفیسر شاهد اختر اردو زبان کی تاثیر و مقبولیت پر گفتگو کرتے ہوئے ہندی کے تعلق سے کہتے ہیں کہ "ہندی زبان، اردو کی بڑی بہن ہے، اس زبان کو پورے ملک میں ضروری و لازمی قرار دیا جائے، کیونکہ یہ ملکی زبان ہے، ریاستی زبانوں کو بھی لازمی قرار دیا جائے۔

ڈاکٹر سید تقی عابدی ایک بلند پایہ محقق، نقاد، دانشور اور شاعر ہیں۔ انھوں نے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ پیش کیا۔ ان کا خطبہ بیشتر اردو دنیا کے مشاہدات پر مبنی تھا۔ چونکہ وہ عالمی پیمانے پر اردو دنیا اور اردو کی نئی بستیوں سے عملاً جڑے ہیں، اس لیے اردو کے زمینی حقائق سے وہ واقف ہیں انھوں نے حاضرین جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے وہی باتیں بیان کی جس کا انھوں نے مشاہدہ و تجربہ کیا۔ ان کی باتوں میں اردو کے تعلق سے کہیں بھی قنوطیت نہیں تھی۔ دوران خطاب انھوں نے کہا کہ 'زمانہ گزر گیا، اردو پانچ سو ملین لوگ جانتے ہیں۔ اردو صرف لکھنؤ، دلی میں نہیں ہے۔'' جوائنٹ سکریٹری مدھو رنجن کے خطبے کے دوران اردو کے تعلق سے، شرافت اور شرارت کا ذکر ہوا تھا۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے غالباً اس کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ ''اردو ہماری معشوق ہے، اس کی شرارت ہم برداشت کریں گے۔'' قومی سطح پر یا عالمی تناظر میں فروغ اردو کی بات ہوتی ہے تو سمیناروں اور کانفرنسوں میں اردو کے تئیں مایوسی کا اظہار ہوتا ہے۔ اردو کا دائرہ سمٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ تاہم اپنے خطبے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی نے اس کے برعکس بات کی اور ترویج اردو کے لیے مثبت اقدامات کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ ''گلوبل ویلج میں زبان سمٹ رہی ہے۔ یہ مسئلہ ہر زبان کا ہے، ہم بنیاد کی فکر نہیں کرتے، بنیادی تعلیم کی سخت ضرورت ہے، اردو صرف غریب اور کمزور کو نہیں ذہین بچوں کو پڑھنا ہے، اردو کو نوجوان نسل سے جوڑنا ہے، بقول ٹی ایس ایلیٹ ''جس زبان میں ادب عالیہ ہوتا ہے وہ زبان مر نہیں سکتی۔''

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے نزدیک اردو متمول زبان ہے، اس کی ثروت مندی کا اعتراف سبھی لوگ کرتے ہیں۔ اس زبان میں قدیم و جدید تمام علوم وفنون موجود ہیں اور مزید ثروت مند بنانے کی سعی و جہد جاری ہے۔ اردو کے ادب عالیہ سے تو کسی کو انکار نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اردو زبان کو فونیٹکس سے جوڑنا ہے، سنڈے اسکول چلانے کی ضرورت ہے، اسے روزگار سے جوڑنا ہے۔ سو لوگوں کو مارنا کمال نہیں، ایک مرتے ہوئے کو بچانا کمال ہے۔ قاری بڑھانے کی ضرکورت ہے'' یہ خیالات تھے ڈاکٹر سید تقی عابدی کے۔

اس کے بعد ناظم اجلاس معین شاداب نے قومی اردو کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر شاہد اختر کو تعارفی کلمات پیش کرنے کی دعوت دی۔ پروفیسر شاہد اختر کا انداز گفتگو افہام و تفہیم کا ہے، ان کے تعارفی کلمات مفاہمت سے متصف ہیں۔ جہاں انھوں نے اردو کی زبان کی بات کی وہیں دیگر ریاستی و ملکی زبانوں کی بقا و ترویج کے لیے بھی اپنے عزم و حوصلے کا اظہار کیا۔ موصوف نے چند اطلاعات کے ساتھ کچھ سفارشات بھی پیش کیں جن کا تعلق عوام وخواص کے ساتھ ساتھ وزارت ہند سے بھی ہے۔ آپ نے ایک خوش آئند بات کہی کہ ''اردو دنیا کی تیسری زبان ہے، شہید بھگت سنگھ کی زبان اردو ہے'' پروفیسر شاہد اختر اردو زبان کی تاثیر و مقبولیت پر گفتگو کرتے ہوئے ہندی کے تعلق سے کہتے ہیں کہ

''ہندی زبان، اردو کی بڑی بہن ہے، اس زبان کو پورے ملک میں ضروری ولازمی قرار دیا جائے، کیونکہ یہ ملکی زبان ہے، ریاستی زبانوں کو بھی لازمی قرار دیا جائے۔''

دراصل پروفیسر شاہد اختر کے اس رویے کے پیچھے ہمارے ملک ہندوستان کی پہلی، دوسری اور دیگر آفیشیل زبانوں کی قانونی وعدالتی نوعیت ہے۔ کیونکہ اس وسیع و عریض، عظیم ملک کی ترقی وبقااور فلاح و بہبود مذکورہ تمام زبانوں کے باہم تعاون سے ممکن ہے۔ ملک ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کا ایک عضو بھی بیمار ہوجائے تو پورا جسم متاثر ہوجاتا ہے اور آہستہ آہستہ پورا جسم ناتوانی کا شکار ہوکر بہت تیزی سے زوال آمادہ ہوجاتا ہے۔ یہی خیال سرسبز وشاداب ملک وسلطنت کا ہوتا ہے۔ مکمل سلطنت و مرکز کی مضبوطی، دیانت داری ریاستوں کی جملہ ترقی پر منحصر ہے۔ جس میں زبان کو ایک اہم ٹول کی حیثیت حاصل ہے کیونکہ اسکیموں ومنصوبوں کی توضیع وتنفیذ کا واحد ذریعہ زبان ہے۔ زبان جس قدر صاف وشستہ اور توانا ہوگی، حکومتی احکامات کی ترسیل وعمل آوری اسی قدر سہل ہوگی۔ اردو رابطے کی زبان ہے، اس کی مٹھاس و حلاوت سے دلوں میں گداز پیدا ہوتا ہے۔ مزاج میں ریشمیت آتی ہے بقول پروفیسر شاہد اختر ''اردو محبت کی زبان ہے، وزارت، اردو کو فروغ دینے کی سعی کررہی ہے، اس ملک سے تشدد کو ختم کرنا ہے۔''

پروفیسر شاہد اختر کے مذکورہ خیالات واہداف کی تکمیل اور فروغ اردو کے لیے قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے جو یہ سہ روزہ عالمی اردو کانفرنس منعقد کی، اس میں ملک و بیرونِ ملک بہت سارے ادیبوں و دانشوروں کو مدعو کیا، وہیں جامعات سے ساٹھ

کی تعداد میں ریسرچ اسکالروں کو بھی شرکت کا موقع دیا گیا تاکہ اردو زبان کی ترقی اور ملک کی خوش حالی کے نئے

یہ حقیقت ہے کہ تمام انسانوں کا خون ایک رنگ کا ہے۔ جس کا خالق خدا ہے۔ اگر انسانیت نے اس خدائی عطیے کا احترام و اکرام کیا تو سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ اندریش کمار جی کے نزدیک ہندوستان کی مٹی میں محبت کی خوشبو ہے، جہاں یہ خوشبو پھیلتی ہے وہاں سے عداوت و نفرت کی بو معدوم و فنا ہوجاتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے، نبی آخرالزماں کے احساس کو موصوف نے دہرایا کہ "میرعرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے" یہ وہی ہندوستان ہے۔ ہندوستان تفرقوں کو ختم کرنے کا پیغام دیتا ہے۔

زاویے سامنے آئیں نیز مستقبل کے لیے ایک فعال مزاج وگروہ تیار ہوسکے۔ اس سیاق میں پروفیسر شاہد اختر نے کہا کہ ''ریسرچ اسکالر بہت اہم ہیں جو اردو کے ساتھ ساتھ اتحاد کا کام بھی کریں گے، ہم دوسری زبانوں سے مکالمات کرکے ان کو اپنے اندر شامل کریں گے، اردو کی ترقی میں دوسری زبانوں کو ساتھ لیں گے، اردو زبان کو اسکولوں میں لازمی کرایا جائے گا، ہم لوگ اس کے لیے خاکہ تیار کررہے ہیں، کونسل اس کی تنخواہ دے گی، بنیادی سطح پر کام ہورہا ہے۔'' انھیں باتوں کے بعد موصوف نے اپنے عزائم وخیالات سامعین تک پہنچائے اس کے بعد ناظم اجلاس نے مہمان ذی وقار، اندریش کمار جی کو لب کشائی کی زحمت دی۔

اندریش کمار جی نہایت متانت کے ساتھ اپنی نشست سے اٹھے اور مسکراتے ہوئے مائک تک پہنچے۔ طرزِ تکلم میں ٹھہراؤ، باتیں فرمودات کا روحانی و وحدانی اسلوب وتصور لیے ہوئے، چھوٹے چھوٹے جملوں میں حب الوطنی اور انسانیت کا درد پنہاں، اپنی گفتگو کا آغاز کرتے ہوئے کہتے ہیں ''میں نے آپ کو خدائی اور خون کے رشتے سے یاد کیا ہے۔'' گویا اندریش کمار نے خدا،

انسان اور خون کے رشتے کی تثلیث قائم کر کے وحدۃ الوجود کا تصور پیش کیا ہے اور سارے انسان کو ایک ہی دھاگے سے جوڑ دیا ہے جس کا ایک سرا خدا کے ہاتھ میں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ تمام انسانوں کا خون ایک رنگ کا ہے۔ جس کا خالق خدا ہے۔ اگر انسانیت نے اس خدائی

اردو کا گھر ہندوستان تھا، ہے، رہے گا، یہ زبان لاوارث نہیں ہے، یہ بے گھر نہیں، اس کا گھر بھی ہے، وہ ہے ہندوستان، پاکستان کی زبان اردو اس لیے ہے کہ وہ ہندوستان کا حصہ ہے جو الگ ہوا ہے۔

عطیے کا احترام و اکرام کیا تو سارے مسائل حل ہوجائیں گے۔ اندریش کمار جی کے نزدیک ہندوستان کی مٹی میں محبت کی خوشبو ہے، جہاں یہ خوشبو پھیلتی ہے وہاں سے عداوت و نفرت کی بو معدوم و فنا ہوجاتی ہے۔ آج سے چودہ سو سال پہلے، نبی آخرالزماں کے احساس کو موصوف نے دہرایا کہ ”میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے“ یہ وہی ہندوستان ہے۔ ہندوستان تفرقوں کو ختم کرنے کا پیغام دیتا ہے۔“

محترم اندریش کمار جی جب خدا، انسان، پیار محبت کی گفتگو کرتے ہیں تو پیاری زبان اردو کے متعلق فرماتے ہیں کہ ”اردو کا گھر ہندوستان تھا، ہے، رہے گا، یہ زبان لاوارث نہیں ہے، یہ بے گھر نہیں، اس کا گھر بھی ہے، وہ ہے ہندوستان، پاکستان کی زبان اردو اس لیے ہے کہ وہ ہندوستان کا حصہ ہے جو الگ ہوا ہے۔“

اندریش کمار جی نے اپنے مکالموں سے ان تمام اعتراضات و تعصبات کا قلع قمع کر دیا جو اردو مخالف تھے نیز دنیا میں سچے، اچھے اور نیک بننے کی ہدایت دی، لہٰذا اس مقصد کے حصول کے لیے تعلیم کو ضروری قرار دیا۔ حصول علم کا پیغام دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ”تعلیم کی سخت ضرورت ہے، اور وہ تعلیم ہے، دینی تعلیم، دنیاوی تعلیم، حب الوطنی کی تعلیم، محبت کی تعلیم، اس سے نظر، نظریہ اور نظارہ بدل جائے گا۔ ان میں اگر کمی رہ گئی تو شیطان بننے کا خطرہ ہے۔“ بم بارود زندگی نہیں صرف موت دیتے ہیں، تعلیم نہیں دیتے علم چھین لیتے ہیں، آپ اردو کو دنیا کے سامنے ایسے لے جائیے کہ لوگ محبت کریں۔

اندریش کمار جی کی فلسفیانہ گفتگو میں مذہب، محبت اور انسانیت کے درس کا مدعا و منشا محض نسلِ انسانی کی فلاح و بقا اور جذبۂ الفت میں تموج و تلاطم ہے۔ اسی لیے انھوں نے فرمایا کہ ”آزادی کا مطلب اچھا سوچنا ہے، برا سوچنا نہیں، میرا اردو سے رابطہ محبت کا ہے، ہم سب مل کر ہندوستان بھی بنائیں اور دنیا بھی۔“ انھیں نکات پر آپ نے اپنی گفتگو تمام کی۔ نیز ناظم اجلاس معین شاداب نے اظہارِ تشکر کے لیے اسسٹنٹ ڈائرکٹر برائے اکیڈمک، ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی کو مائک پر آنے کی دعوت دی۔ محترمہ نے اسٹیج پر بیٹھے دانشوروں، ملک و بیرونِ ملک سے صعوبتِ سفر برداشت کر کے کانفرنس میں شامل تخلیق کاروں و ادیبوں، متعدد جامعات سے تشریف لائے اساتذہ و طلبہ اور دیگر حاضرین جلسہ کا استقبال و شکریہ نہایت خوش گوار ماحول اور اچھے انداز میں کیا۔ بعد ازاں افتتاحی اجلاس کا اختتام ہوا اور چائے نوشی کے لیے حاضرین جلسہ کو رخصت ملی۔

18 مارچ 2019، 12:45 تا 2:00 بجے پہلا اجلاس بعنوان 'اردو ذریعہ تعلیم: ابتدائی تا ثانوی سطح' کا آغاز ہوا۔ صدارت کے فرائض پروفیسر اختر الواسع، اور مولانا آزاد یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ ڈاکٹر اسلم پرویز نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ اس سیشن میں کل چار مقالہ نگاروں نے مقالے پڑھے اور غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر نے نظامت کی ذمے داری نبھائی۔

مارچ 2019 کی عالمی اردو کانفرنس کی انفرادیت، اس کے عناوین کی تعمیم ہے، جو اردو کے کسی خاص فن یا گوشے کے بجائے اردو کی عوامی خدمات سے متصف

ہیں۔ ایسے عنوانات سے بطور خاص احتراز برتا گیا ہے جن کا تعلق صرف جامعات کے اساتذہ سے ہو کیونکہ قومی اردو کونسل کے موجودہ سربراہ ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کا نقطۂ نظر اردو کو عوام تک پہنچانا اور عوام کو اردو سے جوڑنا ہے۔ اس مقصد کی حصولیابی کے لیے خاص طور پر ابتدائی و ثانوی سطح کے اسکولوں کی طرف توجہ دی گئی، نیز تعلیم حاصل کرنے کے لیے اردو زبان کو ذریعہ بنانے پر زور دیا گیا۔ اس لیے اس سیشن کا خاص و بنیادی موضوع 'اردو ذریعہ تعلیم: ابتدائی تا ثانوی سطح' قرار پایا۔

ذو لسانی تعلیم اور علاقائی زبان کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، اردو ایک علمی اور عملی زبان ہے، اردو پڑھنے والا ہر زبان آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔" انہیں باتوں پر موصوف نے اپنے مقالے کو اختتام تک پہنچایا اور ناظم اجلاس سید رضا حیدر نے دوسرے مقالہ نگار پروفیسر محمد اختر صدیقی کو مقالہ خوانی کی دعوت دی۔ آپ کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہے۔

ڈاکٹر سید رضا حیدر نے مائک سنبھالتے ہوئے اپنے اندازِ نظامت سے حاضرین کو متوجہ کیا اور اجلاس کے عنوان 'اردو ذریعۂ تعلیم: ابتدائی تا ثانوی سطح' پر مختصر تمہیدی گفتگو کرتے ہوئے اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی، نیز پہلے مقالہ نگار، پروفیسر مظفر علی شہہ میری کو مقالہ پڑھنے کے لیے مائک تک آنے کی زحمت دی۔

پروفیسر مظفر علی شہہ میری کا مقالہ ڈیٹابیس ہے۔ موصوف نے اپنے مقالے میں جنوبی ہند میں تقسیم سے پہلے اور تقسیم کے بعد اردو زبان کی تدریس و تعلیم نیز ترسیل و ترویج کا جائزہ پیش کیا اور اردو سے متعلق عوامی و حکومتی ترجیحات و حالات پر گفتگو کی۔ بقول پروفیسر مظفر علی شہہ میری ''تقسیم سے قبل اور تقسیم کے بعد جنوبی ہند میں اردو ذریعۂ تعلیم سے مضامین کی پڑھائی ہوتی ہے، خاص طور پر اقلیت کے بچے اردو ذریعۂ تعلیم سے پڑھائی کر رہے ہیں، حکومت کا اچھا قدم ہے کہ اردو اسکولوں کو گرانٹ مل رہی ہے، اساتذہ مہیا کرائے جا رہے ہیں۔''

پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے اپنے مقالے میں 'جنوبی ہند میں اردو زبان و تعلیم اور فروغ کا جائزہ' لیتے ہوئے ان طلبہ کی تعلیمی صورت حال کا ذکر کیا جو کسی وجہ سے تعلیم جاری رکھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔ ایسے طلبہ کو دوبارہ حصولِ تعلیم کے لیے متوجہ کرنا بھی ایک اہم قدم ہے۔ جنوبی ہند میں ترکِ تعلیم کے بعد دوبارہ تعلیم کی طرف مائل کرنے اور حصول تعلیم کے مراحل کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے کہا کہ ''ترکِ تعلیم کے بعد نئے سرے سے طلبہ کو رجوع کیا جاتا ہے، ان کے لیے مدارس اور مکاتب کا انتظام کیا جاتا ہے۔''

پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے اپنے مقالے میں اردو ذریعہ تعلیم پر ایک اچھا مقالہ پڑھتے ہوئے اردو کی ترویج و اشاعت کے متعلق اہم نکات بیان کیے۔ اردو زبان کی تہذیب و ثقافت کو تقویت پہنچانے نیز اردو زبان کو دوسری زبانوں کے علوم سے مالا مال کرنے کے لیے اربابِ حل و عقد کو نہایت اہم مشورے دیے جس سے مختلف تہذیبوں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملے گا اور عوامی رابطے میں مدد ملے گی۔ مقالہ پڑھنے کے دوران آپ نے اس نکتے کا اظہار یوں کیا ''ذو لسانی تعلیم اور علاقائی زبان کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے، اردو ایک علمی اور عملی زبان ہے، اردو پڑھنے والا ہر زبان آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔'' انھیں باتوں پر موصوف نے اپنے مقالے کو اختتام تک پہنچایا اور ناظم اجلاس سید رضا حیدر نے دوسرے مقالہ نگار پروفیسر محمد اختر صدیقی کو مقالہ خوانی کی دعوت دی۔ آپ کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ہے۔

پروفیسر اختر صدیقی نے مقالہ خوانی میں قلت وقت

کے سبب ایجاز واختصار سے کام لیتے ہوئے مقالے کے نکات پر روشنی ڈالی۔ ان کا مقالہ حصولِ تعلیم میں زبان، میڈیم اور زبان دانی پر مشتمل تھا۔ ساتھ ہی میڈیم کے فوائد پر بھی گفتگو کی۔ مقالہ پڑھتے ہوئے آپ نے کہا کہ ''پورے تعلیمی عمل میں زبان کا کلیدی کردار ہوتا ہے، غیر زبان کا منفی اثر پڑتا ہے، مادری زبان میں تعلیم پر مثبت اثر پڑتا ہے۔'' پروفیسر محمد اختر صدیقی نے مادری زبان اور غیر زبان میں حصولِ تعلیم کے نقصان و فائدہ کا جائزہ بھی پیش کیا بطور مثال انھوں نے ایتھوپیا کے مراحل تعلیم کا ذکر کیا۔ پروفیسر محمد اختر صدیقی نے ہمارے ملک کے تعلیمی نظام اور اس کے مکمل ڈھانچے پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ''ہمارے یہاں ذریعۂ تعلیم بھی ایک مسئلہ ہے، اساتذہ میں دلچسپی کی کمی ہے، ٹریننگ کی کمی ہے، فش مین کے مطابق تدریس میں بے توجہی سے زبان مرجاتی ہے، اردو کا یہی مسئلہ ہے۔'' مجھے انتظار حسین کا وہ انٹرویو یاد آتا ہے جو کبھی اردو دنیا کے کسی شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اس انٹرویو کے کچھ نکات زبان دانی کے تعلق سے نہایت بصیرت افروز ہیں۔ ان کی تحریر کے مطابق ہمارے بہت سے افسانہ نگار، ناول نگار ایسے ہیں جو زبان کے رموز سے واقف نہیں ہیں۔ انتظار حسین نے دوران تحریر ایک عظیم فکشن نگار قرۃ العین حیدر کو بھی اپنی تنقید کا ہدف بنایا اور یہ اظہار کیا کہ بعض مقامات پر قرۃ العین حیدر نے خیال کی ترسیل کے لیے انگریزی الفاظ کا سہارا لیا۔ یہ زبان دانی کی کمی کا ثبوت ہے، وغیرہ وغیرہ۔ پروفیسر محمد اختر صدیقی کے اعتراضات برحق ہیں کیونکہ آج ہماری جامعات کے اساتذہ خود متون وزبان کے معاملے میں خام ہیں۔ جس کا اثر پورے تعلیمی نظام پر منفی پڑتا ہے۔ یہ بھی ایک سبب ہے کہ اساتذہ تدریس سے کتراتے ہیں۔ اس وجہ سے تعلیم اور اسکول کا معیار گرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اچھی زبان سے مہذب سماج بنتا ہے۔ اچھی زبان اور اس کی تفہیم سے علم کی ترسیل ہوتی ہے۔ انھیں وضاحتوں کے ساتھ پروفیسر محمد اختر صدیقی کا مقالہ اختتام پذیر ہوا اور ناظم اجلاس سید رضا حیدر نے اگلے مقالہ نگار وی کے نکولن کو آواز دی جو کیرالہ سے تشریف لاتے تھے۔ ڈاکٹر وی کے نکولن کے مقالے کا عنوان 'اردو اور اردو تعلیم کیرالہ کے پس منظر میں' ڈاکٹر وی کے نکولن کی مادری زبان ملیالم ہے۔ اردو ان کے اکتسابی زبان کا درجہ رکھتی ہے۔ ان کا مقالہ کیرلہ میں اردو زبان کے بڑھتے اثرات پر مبنی ہے۔ تاہم اردو زبان کی توسیع وترسیل میں حکومت کے مثبت کردار کی وضاحت بھی کرتا ہے۔ ڈاکٹر وی کے نکولن نے اپنے مقالے میں ایک تحقیق بھی پیش کی کہ ماضی میں بھی کیرلہ میں اردو تعلیم کا سلسلہ تھا۔ آج کیرلہ میں ایک بڑا طبقہ اردو سمجھتا ہے اور اردو بولنے، پڑھنے لکھنے والوں کی بھی ایک بڑی تعداد ہے۔

چوتھے اور آخری مقالہ نگار ڈاکٹر مجیب الحسن صدیقی کو ناظم اجلاس ڈاکٹر سید رضا حیدر کے دعوت مقالہ خوانی دی۔ ڈاکٹر مجیب الحسن صدیقی علی گڑھ سے تشریف لائے تھے۔ محترم کا انداز پیش کش بیباکانہ اور طرزِ تکلم جارحانہ ہے۔ ان کے مقالے کا موضوع 'عالمی تناظر میں اسکولوں میں اردو کی ضرورت ہے' ہے۔ صدیقی صاحب کا مقالہ اردو زبان سے واقفیت، اصطلاحات و تراکیب نیز محاورات سے جانکاری اور اسکولوں میں اس کی حددرجہ ضرورت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ان کے نزدیک اسکولوں میں بچوں کے امتحانات بغیر پیشگی اطلاع کے اچانک ہونا چاہیے۔ اساتذہ کو چاہیے کہ کسی وقت بھی امتحان لے لیں۔ ان کے مقالے سے ایک بات مزید واضح ہوتی ہے کہ اسکولوں میں اردو سے بیزاری کے ذمے دار ہمارے اساتذہ ہیں۔ تاہم اردو اساتذہ کی قلت بھی ہے۔ حکومت ہند اس کا انتظام کرے۔ آخر میں انھوں نے کہا کہ ''والدین کی ذمے داری ہے کہ اپنے بچوں کو قرآن کے ساتھ اردو بھی پڑھائیں، گھر میں اگر ایک آدمی اردو جانتا

ہے تو پورے گھر کو اردو پڑھائے، ہم اپنا بھی محاسبہ کریں۔'' اسی پر موصوف نے اپنی گفتگو تمام کی اور ناظم اجلاس ڈاکٹر سید رضا حیدر نے خطبۂ صدارت کے لیے پروفیسر اختر الواسع کو آواز دی۔

یہ سچ ہے کہ کسی بھی سمپوزیم، سمینار یا کانفرنس کا استقبالیہ/ افتتاحی خطبہ پورے پروگرام کی روح ہوتا ہے۔ دوسرے اسلوب میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ پروگرام کا کلیدی عنوان اور اس کے ذیلی موضوعات کا محور وہی خطبہ ہوتا ہے کیونکہ اس خطبے کی تشکیل وتسوید منعقدہ پروگرام کے مقصد و منشا کے تحت ہوتی ہے۔ اس تناظر میں پروفیسر اختر الواسع کا خیال درست ہے کہ ''شیخ عقیل کا افتتاحیہ خطبہ اردو کا منشور تھا۔''

دراصل افتتاحیہ خطبہ عالمی تناظر میں اردو کی صورت حال، امکانات اور تقاضوں کو محیط ہے۔ یہی سبب ہے کہ پروفیسر اختر الواسع کو یہ دانشورانہ تبصرہ کرنا پڑا۔ موصوف نے اپنے صدارتی خطبے میں قومی اردو کونسل کو ایک مشورہ دیا کہ قومی اردو کونسل، اساتذہ کا رجسٹر تیار کرے اور اسکولوں میں داخلہ کے وقت فارم میں تین خانوں کا مطالبہ کیا جس میں طلبہ کی مادری زبان کے علاوہ وہ زبان بھریں جس میں طلبہ تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ دورانِ گفتگو زبانوں کے تنازعے کو موصوف نے لکھنؤ اور دلی کے مجادلے سے تعبیر کیا ہے۔ آپ نے اپنے خطبے کو نہایت بلیغ انداز میں پیش کیا نیز چند رشتوں کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے آپ نے ان کا تعلق براہِ راست دل سے جوڑا بقول ان کے ''ماں، مذہب، ملک اور مادری زبان کا رشتہ دل سے ہونا چاہیے پیٹ سے نہیں، لوح پر اردو لکھنا چاہیے، اردو ذریعۂ تعلیم ہو یا نہ ہو اردو ضرور پڑھنا، لکھنا چاہیے۔''

اردو کے پیغام محبت اور اردو کی عالمگیر مقبولیت و پذیرائی کے تناظر میں پروفیسر اختر الواسع نے اردو کی ایک عالمی و تاریخی شخصیت لدمیلا وسیلیوا کا ذکر کیا، جو بہ نفیس اجلاس میں شریک تھیں، بقول پروفیسر اختر الواسع ''لدمیلا اردو کی تاریخی شخصیت ہیں، جو دیارِ غیر میں اردو کا پرچم بلند کیے ہوئے ہیں۔''

انھیں تاثرات وخطاب کے بعد صدرِ اجلاس نے اپنی گفتگو مکمل کی اور ظہرانے کے لیے حاضرینِ جلسہ کو مدعو کیا گیا۔

18 مارچ 2019 ۔ 2:30 تا 5:30۔ دوسرا اجلاس

موضوع: تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم

سہ روزہ عالمی اردو کانفرنس کے پہلے دن کا دوسرا اجلاس بعنوان 'تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم' منعقد ہوا۔ قومی اردو کونسل نے اپنی سہ روزہ عالمی اردو کانفرنس میں فروغ اردو کی تعلیم کو مرحلہ وار، ابتدائی تا ثانوی اور اعلیٰ سطح پر انجام دینے کے لائحہ عمل پر تفصیلی بحث و تمحیص کا موقع فراہم کیا۔ اور دنیا کے کونے کونے سے اردو کے شیدائیوں کو شرکت کی دعوت دی۔ افتتاحی اجلاس میں اردو کی صورتِ حال، اردو کے حسنِ کمال و جمال اور اردو کی اہمیت وضرورت پر طویل و دلچسپ اور دانشورانہ گفتگو، دوسرے اجلاس میں اردو کی ترویج و اشاعت بنیادی و ابتدائی سطح سے ہوتے ہوئے اعلیٰ مرحلے میں داخل ہوچکی ہے۔ یہ کانفرنس کا دوسرا اجلاس ہے جو ظہرانے کے بعد 2:30 بجے شروع ہوا۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے انجام دی۔ ڈاکٹر شفیع ایوب جواہر لعل نہرو یونیورسٹی میں اردو کے استاذ ہیں اور خود اردو زبان میں تحقیق کا کام جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے پروفیسر شاہد حسین کی زیر نگرانی مکمل کیا۔ آپ نے 'تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم' کے زیرِ عنوان دوسرے اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔ مذکورہ اجلاس کی صدارت کے فرائض پروفیسر محمد زماں آزردہ اور پروفیسر مظفر علی شہ میری نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ ناظم اجلاس ڈاکٹر شفیع ایوب نے اجلاس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے

موضوع کی اہمیت وضرورت پر تمہیدی گفتگو کے بعد اس اجلاس کے پہلے مقالہ نگار پروفیسر فضل اللہ مکرم کو دعوتِ مقالہ خوانی دی جو حیدرآباد سے تشریف لائے تھے۔ پروفیسر فضل اللہ مکرم کا مقالہ تحقیق کے طریقۂ کار نیز معیار کو پیش کرتا ہے۔ پروفیسر فضل اللہ مکرم نے مذکورہ موضوع 'تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم' اور جامعات میں انجام پانے والی تحقیقی صورت حال کا تنقیدی نقطۂ نظر سے جائزہ لیا۔ ہونے والی تحقیق کی خامیوں کا ذکر کرتے ہوئے تحقیق کی جملہ جہات اور منہاج و مقاصد پر سیر حاصل گفتگو کی نیز قومی اردو کونسل کو طریقۂ تحقیق پر لائحۂ عمل تیار کرنے کا مشورہ دیا۔ دورانِ مقالہ خوانی موصوف نے اپنی تحریروں میں تحقیق کے نقص، ناتسلی بخش اور تشنہ ہونے کا گلہ وشکوہ کیا۔ اختتام مقالہ پر ناظم اجلاس ڈاکٹر شفیع ایوب نے دوسرے مقالہ نگار ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی کو مقالہ پڑھنے کے لیے مائک پر بلایا جو بنارس سے آئے تھے۔

ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی، صاحب بصیرت و ذی شعور استاذ ہیں۔ جامعات کی طرزِ تدریس و تحقیق پر گہری نظر ہے۔ ملک وقوم کی بہبود و ترقی نیز طلبہ کی فلاح و کامرانی کے متعلق فکرمند رہتے ہیں۔ گفتگو کا انداز نہایت سخت و جارحانہ ہے۔ تاہم ان کی باتیں مبنی برحقیقت ہیں۔ 'تحقیق سطح پر اردو کی تعلیم' موضوع پر ان کا نقطۂ نظر یکسر مختلف ہے۔ انھوں نے مقالہ پڑھتے وقت خاص خاص نکات پر گفتگو کی اور جامعاتی تحقیق کو ہدفِ تنقید بنایا اور اساتذہ پر سخت نکتہ چینی کی۔ دورانِ مقالہ خوانی جامعاتی تحقیق کے طریقۂ کار کو مسترد کردیا۔ ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی نے ادب کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ ''جو ادب انسان کو بہتر انسان بنا دے وہی ادب ہے اور یہی بڑی بات ہے۔''

آفاقی صاحب نے دوران مقالہ خوانی چند آرا و مشورے گوش گزار کیے جو ان کے مقالے کے اہم نکات ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ''تحقیق کے لیے موضوعات کی ایک فہرست تیار کرلی جائے، ہماری تحقیق حالات کے مطابق ہونی چاہیے، یہ پتہ لگانے کی ضرورت ہے کہ کن کن موضوعات پر تحقیق ہوچکی ہے، اس کام کے لیے ایک پینل بنانے کی ضرورت ہے۔ نئی نسل کو انعام دیجیے، تحقیق کے طریقۂ کار پر جامعات میں ورک شاپ کیجیے، یہ کام زیادہ نہیں ایک ایک ہفتے کا ہونا چاہیے۔'' موصوف نے انھیں چند گزارشات کے ساتھ اپنا مقام تمام کیا اور ناظم اجلاس ڈاکٹر شفیع ایوب نے دوسرے مقالہ نگار، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے استاذ پروفیسر احمد محفوظ کو مقالہ پڑھنے کی دعوت دی۔ پروفیسر احمد محفوظ کا مقالہ بیشتر غیر جامعاتی و جامعاتی تحقیق کے منہاج و معیار پر ہے۔ پروفیسر احمد محفوظ نے ماضی کے تحقیقی کام اور مزاج کی ہم آہنگی کا موازنہ کیا۔ ان کے مقالے کا ایک نکتہ دورانِ تحقیق ملنے والی مالی معاونت کا ہے۔ آپ نے اس کے مثبت ومنفی اثرات پر روشنی ڈالی اور ریسرچ اسکالروں کی دورانِ تحقیق غیر سنجیدگی پر نکتہ چینی کی۔ ان کے مقالے کی روشنی میں موضوعات کی انفرادیت کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

پروفیسر احمد محفوظ نے ایک اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی جس کی اساسی حیثیت ہے۔ وہ ہے زبان و بیان اور املا وجملہ سے متعلق۔ ان کے تجربات کے مطابق مقالات میں بسا اوقات فاش غلطیاں ملتی ہیں جن کی امید کم ازکم ایک ریسرچ اسکالر سے نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ مدارس سے آنے والے طلبہ بیشتر اس سے الگ ہوتے ہیں۔ انھیں باتوں کے ساتھ آپ کا مقالہ تکمیل کو پہنچا اور ناظم اجلاس نے دلی یونیورسٹی کے استاذ و فکشن نگار پروفیسر ابن کنول کو مقالہ سنانے کے لیے مائک پر بلایا۔

پروفیسر ابن کنول کا مقالہ ان کے تدریسی تجربات و مشاہدات کو محیط ہے۔ جامعات میں جہاں موضوعات کے انتخاب کا مرحلہ آتا ہے وہیں سب سے بڑا مرحلہ اچھے طلبہ کے داخلے کا ہوتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اچھے طلبا

نوجوانوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ نہ صرف اردو زندہ رہے گی بلکہ اردو والے زندہ رہیں گے، ان کے ذریعے ہم بھی زندہ رہیں گے'' گویا پروفیسر محمد زماں آزردہ کافی پرامید ہیں کہ اگر اسی طرح نئی نسل اردو کی طرف راغب رہی تو اردو کا مستقبل تابناک ہے۔ اظہار تاثرات کے دوران تحقیق کی خامیوں، ناقص مقالات، نیز غیر معیاری تھیسس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ''تحقیق کرنے والے طلبہ ہی صرف ذمے دار نہیں ہیں، بلکہ ممتحن بھی ذمے دار ہیں جو مقالات پڑھتے نہیں۔

داخلے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اس لیے موضوع کے ساتھ ساتھ طلبہ کا بہتر انتخاب عمل میں آنا چاہیے تاکہ جامعات کی تحقیق کا معیار بلند ہو اور دورانِ تحقیق انکشافات سامنے آئیں۔ آپ نے اپنے مقالے میں نظم و نثر پر مشتمل موضوعات کی ایک طویل فہرست شامل کی جن میں علاقائی موضوعات بھی کثرت سے ہیں۔ موصوف کا مقالہ کافی طویل ہے۔ ان کے اختتامِ مقالہ پر ناظم اجلاس نے رانچی سے تشریف لائے بزرگ سبکدوش استاذ پروفیسر ابوذر عثمانی کو آواز دی کہ وہ اپنا مقالہ سامعین کے گوش گزار کریں۔ پروفیسر ابوذر عثمانی عمر دراز، تجربہ کار، جہاندیدہ شخص ہیں۔ آپ نے زمانے کے بہت سارے نشیب وفراز اور سرد و گرم کا مشاہدہ کیا ہے۔ دنیا کے سفید و سیاہ سے واقف ہیں۔ تحقیق کے مرحلے میں پیش آنے والی دشواریوں کا بخوبی علم ہے۔ اس کار دشوار کو کون لوگ پایۂ تکمیل تک پہنچا سکتے ہیں؟ اس حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے آپ کہتے ہیں کہ 'تحقیق وہی شخص کرسکتا ہے جو معاشی طور پر فارغ البال ہو۔'' ظاہری بات ہے۔ اس مہنگائی کے دور میں جہاں روٹی، کپڑا اور مکان کی سہولت نہیں ہے وہاں تحقیق چہ معنی دارد۔ پروفیسر ابوذر عثمانی کے سامنے زندگی جینے کے سارے اصول ہیں اسی لیے انھوں نے یہ سچائی بیان کی ہے۔

پروفیسر ابوذر عثمانی کا مقالہ تحقیق کے ضمن میں بہت وقیع ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ اردو زبان کی موجودہ تدریسی و تعلیمی صورت حال سے مطمئن نہیں ہیں، لہٰذا بسااوقات اپنی گفتگو میں ایسے جملوں کا استعمال کرتے ہیں جو مایوس کن ہوتے ہیں۔ بقول آپ کے ''اردو کی تدریسی صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے تحقیق کی داد دینا کہاں تک بار آور ہے۔'' عثمانی صاحب کا مقالہ بیک وقت، تحقیق، تنقید اور تخلیق کے تینوں گوشوں کو محیط ہے۔ تینوں کی اپنی اپنی حدیں ہیں۔ اس لیے جامعات میں اصول تحقیق پڑھانا چاہیے اور تحقیق، تنقید، تخلیق نیز تعین قدر پر وضاحت کرتے ہوئے ان کے درمیان فرق بتانا چاہیے۔ پروفیسر ابوذر عثمانی کہتے ہیں کہ ''جامعات میں اصول تحقیق پڑھانا چاہیے، تحقیق، تنقید اور تخلیق کے فرق کو واضح کرنا چاہیے۔'' انھیں لفظوں کے ساتھ آپ نے اپنا مقالہ پورا کیا اور ناظم اجلاس ڈاکٹر شفیع ایوب نے نظامت کے فرائض انجام دیتے ہوئے صدارتی تاثرات کے لیے پروفیسر محمد زماں آزردہ صاحب کو دعوت سخن دی۔ پروفیسر محمد زماں آزردہ نے مائک پر آتے ہی اولاً موضوع کے انتخاب پر قومی اردو کونسل کو مبارکباد دی اور سامعین و حاضرین پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے فرمایا ''ایک بیج کے دانے میں پورے درخت کو ٹیچر دیکھتا ہے'' یہ مثال گو کہ علم نباتیات (Botony) کے ٹیچر سے متعلق ہے تاہم پروفیسر محمد زماں آزردہ نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''نوجوانوں کو دیکھ کر لگتا ہے کہ نہ صرف اردو زندہ رہے گی بلکہ اردو والے زندہ رہیں گے، ان کے ذریعے ہم بھی زندہ رہیں گے'' گویا پروفیسر محمد زماں آزردہ کافی پرامید ہیں کہ اگر اسی طرح نئی نسل اردو کی طرف راغب رہی تو اردو کا مستقبل تابناک ہے۔ اظہار تاثرات کے

دوران تحقیق کی خامیوں، ناقص مقالات، نیز غیر معیاری تھیسس پر تبصرہ کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ ''تحقیق کرنے والے طلبہ ہی صرف ذمے دار نہیں ہیں، بلکہ ممتحن بھی ذمے دار ہیں جو مقالات پڑھتے نہیں۔'' بعد ازاں آپ نے اردو میں آنے والے طلبہ کے لیے مشورہ دیا کہ ''اردو میں آنے والے طلبہ کو دوسری زبانوں کی تربیت دینی چاہیے۔'' اس بات کے پیچھے غالبًا ان کا منشا دوسری زبانوں کے طرزِ تحقیق سے واقفیت ہے۔ جو اردو میں تحقیق کرنے والوں کے لیے کچھ نئے راستے، نئی روشنی سے آشنائی ہوگی۔ پروفیسر زماں آزردہ کے ختم تاثرات پر ڈاکٹر شفیع ایوب نے اجلاس کے دوسرے صدر پروفیسر مظفر علی شہہ میری کو اظہارِ خیال کے لیے مائک پر آنے کی دعوت دی۔

کانفرنس کے دوسرے اجلاس میں تحقیقی سطح پر اردو کی تعلیم سے متعلق جتنے بھی مقالات پڑھے گئے، سب نے تحقیق کے کسی نہ کسی گوشے کو چھوا اور کچھ نئے نکات پر گفتگو کی۔ چند نکات ایسے سامنے آئے جو چشم کشا ثابت ہوئے۔ کچھ مقالات میں تحقیقی طریقۂ کار پر بے اطمینانی کا اظہار ہوا، نیز مشورے باہم ہوئے۔ اکثر طلبہ تحقیق کا کام مکمل تو کر لیتے ہیں لیکن آخر تک پس وپیش میں پڑے رہتے ہیں، بے چینی کا کاشتکار رہتے ہیں کیونکہ ان کو سونپا گیا موضوع ان کے مزاج سے ہم آہنگی نہیں رکھتا، ایسے ماحول کے لیے پروفیسر مظفر علی شہہ میری کہتے ہیں ''طلبا کے سامنے موضوعات بکھیر دیجیے، وہ جس کا انتخاب کریں اس پر وہ کام کریں، جیسے کھلاڑی اپنا پسندیدہ کھیل کا سامان اٹھاتا ہے۔ اساتذہ صرف طریقہ بتائیں، موضوعات کے انتخاب کا موقع دیں، سپروائزر خدانہ بنیں۔''

پروفیسر مظفر علی شہہ میری کے نزدیک ریسرچ اسکالروں کو اپنے پسند کے موضوع پر کام کرنے کا اختیار اور آزادی دینی چاہیے کیونکہ جس کام سے ذہنی مناسبت نہیں ہوگی، کام میں حسن پیدا نہیں ہوگا۔ ورنہ حسن و انبساط ہر جگہ موجود ہے، اس سے محظوظ ہونے کے لیے ذہنی ہم آہنگی ناگزیر ہے۔ پسندیدہ میدان کو کیریئر بنانا گویا اس کے حسن کو دوبالا کرنا ہے۔ پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے تحقیق میں سرقہ نظام پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ ''تحقیق میں جو چوریاں ہو رہی ہیں اس کے ذمے دار اساتذہ ہیں۔''

پروفیسر مظفر علی شہہ میری نے اپنے ان تاثرات کے بعد چند مشورے علاقائی ادب کے متعلق دیے جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے، آپ نے کہا کہ ''علاقائی ادب پر کام کرنے کی ضرورت ہے یعنی لوک ادب پر کام ہونا چاہیے، خوب سے خوب تر کی تلاش کرنا اچھا کام ہے۔'' آخر میں آپ نے قوتِ تحریر کو سوا کرنے کا طریقہ بتایا کہ ''لکھنا صرف لکھنے سے آتا ہے، خوشونت سنگھ روزانہ اگر دو صفحہ نہ لکھتے تو بے چین رہتے۔'' انھیں باتوں پر آپ نے اپنے صدارتی تاثرات کا اختتام کیا اور دوسرا اجلاس اپنے اختتام کو پہنچا۔

18 مارچ 2019 - 5:30 بجے، شام غزل، طلعت عزیز

اردو کی شہرت ومقبولیت اور ہر دلعزیزی کا پتہ اس وقت چلتا ہے جب اردو کا کوئی ثقافتی پروگرام منعقد ہوتا ہے۔ قوالی ہو کہ محفل مشاعرہ یا شام غزل۔ ایسی محفلوں میں تعلیم یافتہ، غیر تعلیم یافتہ، ہندو مسلم، بوڑھے جوان اور مرد وعورت کی کوئی تفریق نہیں۔ جس کو موقع ملتا ہے، ان محافل سے حظ وانبساط حاصل کرنے کی حتی المقدور کوشش کرتا ہے۔ ایسا ہی منظر 18 مارچ 2019 کو ساڑھے پانچ بجے اسکوپ کامپلکس کے آڈیٹوریم میں دیکھنے کو ملا۔ شائقین اردو غزل آڈیٹوریم کی طرف قبل از وقت بڑھتے چلے آرہے ہیں اور آڈیٹوریم کی نشستیں بھرتی چلی جا رہی ہیں۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور لوگ اپنے پسندیدہ غزل گلوکار کی ایک جھلک دیکھنے کو بے چین ہیں۔ یہ بے

چینی بڑھتی جارہی ہے اور انتظار کی گھڑی طول پکڑتی جارہی ہے۔ کسی نامعلوم تکنیکی نکتے کے سبب تاخیر ہوتے ہوتے گھڑی کی سوئی 7:30 پر پہنچ گئی لیکن یہ اردو غزل کی تاثیر، غزل کا حسن و جمال، غزل کا جادو نیز تغزل کا کمال ہی ہے جو مجمع کو اپنی گرفت میں لیے ہوئے ہے کہ کوئی اپنی جگہ سے ہلنے کا نام نہیں لیتا۔ انتظار و بے چینی میں چند آوازیں احتجاجاً اٹھتی ہیں لیکن فوراً خاموش ہوجاتی ہیں۔ دریں اثنا اسٹیج کی دائیں جانب سے ایک خوب رو، طویل القامت، گندمی رنگ کا شخص فینسی کرتہ پاجامہ اور میرون رنگ کی صدری زیب تن کیے نمودار ہوتا ہے اور پورا آڈیٹوریم تالیوں سے گونج جاتا ہے۔ وہ خوب رو شخص گلوکار طلعت عزیز اپنی خاص متین چالوں سے کرسی کی طرف بڑھتے ہوئے مجمع کو فلائنگ سلام کرتے، مسکراتے ہوئے کرسی پر بیٹھتے ہی ہارمونیم سنبھال لیتے ہیں۔ دفعتاً مائک پر قومی اردو کونسل کے نائب مدیر ڈاکٹر عبدالحی آتے ہیں اور حاضرین محفل و مہمانانِ ذی وقار شری نواس جی اور ابھیشیک ٹنڈن جی کا استقبال کرتے ہیں۔ اسٹیج پر قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد اور کونسل کے وائس چیئرمین پروفیسر شاہد اختر نے گلوکار طلعت عزیز اور ان کی ٹیم کو گلدستہ پیش کیا۔ ساتھ ہی طلعت عزیز کا مختصر تعارف بھی کرایا۔ اس محفل میں موجود ہر فرد کی نظر اسٹیج کی تمام حرکات وسکنات پر ہے۔ ہر کوئی اردو کی آبرو، غزل کا مکھڑا دیکھنا وسننا چاہتا ہے۔ بالآخر وہ وقت آہی گیا کہ طلعت عزیز نے ہارمونیم سے موسیقی چھیڑی، سازندوں نے تال میں تال ملائی اور گلوکار طلعت عزیز غزل سرا ہوئے۔

کیسے سکون پاؤں تجھے دیکھنے کے بعد
اب کیا غزل سناؤں تجھے دیکھنے کے بعد

یہ غزل طلعت عزیز کے کیریئر کی پہلی غزل تھی جسے سامعین نے سنا اور محظوظ ہوئے۔ اس کے بعد غزل سرائی کا طویل سلسلہ چلا۔ درمیان میں فرمائشی غزلیں بھی سنی گئیں۔ یہ سلسلہ اس قدر طویل ہوا کہ رات کے ساڑھے دس بج گئے پھر بھی فرمائشیں جاری تھیں۔ آخر میں قومی اردو کونسل کے نائب مدیر ڈاکٹر عبدالحی کی فرمائش پر حسن کاظمی کی غزل۔

خوبصورت ہیں آنکھیں تری رات کو جاگنا چھوڑ دے
خود بخود نیند آجائے گی تو مجھے سوچنا چھوڑ دے

گلوکار طلعت عزیز نے محفل کو مسرور کردیا اور پھر یہیں پر محفل شامِ غزل برخاست ہوئی۔

19 مارچ 2019۔ 10:00 تا 11:45 بجے

موضوع: اردو کی تعلیم میں مدارس کا کردار

قواعد کی رو سے لفظ 'مدرسہ' کی صرفی ترکیب پر غور کیا جائے تو وہ 'ظرفِ مکاں' ہے یعنی 'مدرسہ' وہ جگہ یا مقام ہے جہاں درس وتدریس کا نظام قائم ہو، تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری ہو۔ مرادی معنی وہ درس گاہیں ہیں جہاں علومِ دینیہ وشرعیہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس طرح کی درس گاہیں ہر ملک و ہر علاقے وخطے میں قائم ہیں نیز اس ملک وعلاقے کی زبان میں تعلیم کا بندوبست کیا جاتا ہے جس سے علوم کے ساتھ زبانوں کو بھی زندگی وتقویت ملتی ہے۔ یہی صورت حال غیر منقسم ہندوستان کی بھی رہی ہے۔ چونکہ ہندوستان کے رابطے کی زبان اردو رہی ہے اس لیے بغیر کسی امتیاز وتفریق کے جگہ جگہ مدارس کا قیام عمل میں آیا اور یہی اردو زبان ذریعۂ تعلیم بنی۔ لوگوں تک علم کی روشنی پہنچی۔ اردو زبان کے ذریعے جہاں جہاں تک علوم کی رسائی ہوئی وہاں وہاں تک ذہنی ہم آہنگی پیدا ہوتی گئی۔ تحصیل علم کے ساتھ ساتھ تبلیغ علم میں وسعت پیدا ہوئی پھر مافی الضمیر کی ادائیگی، معاشرتی نظام کی تشکیل و تعمیر نیز پائیداری کی سعی و جہد نے اردو زبان کو شستہ و صیقل کیا۔ دیگر علوم کے ساتھ زبان و ادب کی ایک مسلم حیثیت واہمیت ہوئی۔ مدرسوں سے منسلک افراد نے ترسیل علوم کے ساتھ ادب میں طبع آزمائی کی۔ آگے چل کر وہی چیزیں اردو زبان کی آبیاری کی خشتِ اول ثابت ہوئیں۔

بقول علامہ شبلی نعمانی ''ادب، علمی دسترخوان کی چٹنی ہے۔''

قارئین کرام! آج ہم عالمی اردو کانفرنس کے جس مرحلے میں داخل ہیں اس کی بنیاد وہی مدارس ہیں جن کی اہمیت کا اندازہ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر، ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کو بحسن وخوبی تھا۔ اس لیے انھوں نے مدارس و اہلِ مدارس کی اردو خدمات کو اجاگر کرنے کے لیے چھٹی عالمی اردو کانفرنس کا ایک اجلاس مدارس کے نام کیا اور ایسا موضوع متعین کیا جس سے اہلِ مدارس کی اردو خدمات منصۂ شہود پر آسکیں۔ مذکورہ اجلاس اور اس کے موضوع کے متعلق طبقۂ مدارس میں مثبت پیغام گیا ہے نیز ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ اس کام میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر، جناب ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کے ساتھ ساتھ حکومت ہند کا مکمل تعاون حاصل رہا ہے جس کے سبب کانفرنس کامیاب گزری۔

حضرات! میں اپنی انھیں باتوں کے ساتھ مذکورہ اجلاس کی جھلکیاں پیش کرنے کے لیے آگے بڑھتا ہوں اور ناظم اجلاس محمد زبیر خان کی طرف رجوع کرتا ہوں جو خود مدرسے کے فارغ التحصیل ہیں۔ آپ نے جامعۃ الفلاح سے ہوتے ہوئے عمر آباد سے دینی تعلیم حاصل کی۔ بعد ازاں جواہر لعل نہرو یونیورسٹی سے باقاعدہ اردو کی تعلیم حاصل کی۔ آج بتاریخ 19 مارچ 2019 کے تیسرے اجلاس کی نظامت کے فرائض انجام دینے مائک پر حاضر ہیں۔ صدارت کی ذمے داری جناب رحیم الدین انصاری اور اکٹر محمد فرمان ندوی نے مشترکہ طور پر انجام دی۔ محمد زبیر خان نے موضوع کے متعلق تمہیدی گفتگو کے بعد پہلے مقالہ خواں جناب محمد خالد صاحب کو مقالہ خوانی کی دعوت دی۔ محمد خالد صاحب نے معروف عالم دین، مولانا غلام محمد وستانوی کا مقالہ پڑھ کر سنایا۔ جناب محمد خالد صاحب اردو لفظ کی وجہ تسمیہ کی قرأت سے وستانوی صاحب کے مقالے کا آغاز کیا۔ مولانا وستانوی نے اپنے مقالے میں علومِ شرعیہ کی اردو زبان میں منتقلی کی مرحلہ وار تاریخ کو رقم کیا اور ایک طویل فہرست بیان کی، جس میں علما و تحریکات شامل ہیں۔ مزید مدارس سے جاری رسائل و جرائد کا ذکر کیا جو اردو کی نشو و نما میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ بقول مقالہ نویس برزبانِ مقالہ خواں ''اردو کی عالمی توسیع میں اردو مدارس اولیت کا درجہ رکھتے ہیں'' گویا مولانا وستانوی صاحب کا مقالہ کافی معلوماتی رہا۔ بعد ازاں ناظم اجلاس محمد زبیر خاں نے دوسرے مقالہ نگار پروفیسر قاضی حبیب صاحب کو مقالہ پڑھنے کی دعوت دی۔ قاضی صاحب مدراس یونیورسٹی میں شعبۂ اردو، عربی اور فارسی کے صدر ہیں۔ قاضی صاحب نے مدارس و مکاتب کے جملہ اقسام و مدارس پر گفتگو کرتے ہوئے پانچ طرح کے مدارس کا ذکر کیا نیز ان کی عمومی تعلیم پر روشنی ڈالی۔ ان کے جائزے کے مطابق پہلے تعلیمی ادارے خاص لوگوں کے لیے ہوتے تھے، عوام کے لیے ان کا دررواز ہ بند تھا۔ پروفیسر قاضی حبیب صاحب نے انگریزوں کی اس پالیسی کا ذکر کیا جس کے تحت انگریز حضرات ہندوستانیوں کو دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز بنانا چاہتے تھے، لیکن اس فتنے سے بچانے کا سہرہ مدارس و پاٹھ شالاؤں کے سر جاتا ہے۔ قاضی صاحب نے زبان دانی میں مہارت کا ذریعہ وسبب مدارس کو قرار دیا جہاں اصطلاحات وقواعد و دیگر ادبی علوم کی تدریس ہوتی ہے۔ جس کے سبب شعروادب پروان چڑھتے ہیں۔ انھوں نے اپنے مقالے میں وضاحت کی کہ عربی و فارسی سے ادبی علوم کی منتقلی کا ذریعہ بھی مدارس ہیں۔ جس میں حالی، شبلی، آزاد وغیرہ پیش پیش ہیں۔ صرف ونحو و بلاغت کی تعلیم یہیں سے اردو میں در آئی، جو اردو زبان کی ثروت مندی کا بڑا کام ہے۔ انھیں خیالات کے ساتھ پروفیسر قاضی حبیب نے اپنے مقالے کو مکمل کیا اور ناظم اجلاس محمد زبیر خان نے اگلے مقالہ نگار مفتی ارشد دیوبندی کو مقالہ خوانی کے لیے آواز دی۔

مفتی ارشد دیوبندی کا مقالہ اردو زبان سیکھنے اور ان میں مہارت حاصل کرنے پر روشنی ڈالتا ہے۔ زبان کے حوالے سے آپ نے قرآن شریف سے ایک آیت کریمہ کا مطالعہ بھی پیش کیا۔ ان کا مقالہ زبان سیکھنے کے متعدد ابعاد کو محیط ہے۔ جس میں اول درجہ ماں کی گود ہے۔ مفتی صاحب نے بورڈ سے منسلک و غیر منسلک مدارس کا ذکر کیا۔ آپ نے مدارس اور اردو سیکھنے و مہارت حاصل کرنے کے ذریعے پر گفتگو کی۔ آپ نے اپنے مقالے میں ان علاقوں کا ذکر کیا جن کی پہچان غیر اردو داں ریاست کی ہے لیکن اردو کی رسائی و اثرات وہاں پر بھی ہیں اور روز بہ روز اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کے مقالے میں مفسرینِ قرآن وتراجم کا ذکر بھی ہوا جن سے اردو زبان کی ترویج واشاعت میں بہت زیادہ مدد ملتی ہے۔ آپ نے اپنے مقالے میں مختلف فرقوں ومسلکوں کے مدارس کا ذکر کیا جہاں سے اردو کو فروغ مل رہا ہے۔ ان کے مقالے کو مدارس سے متعلق دانشوروں کے اقوال نے وقیع بنادیا ہے۔

مفتی ارشد دیوبندی کے بعد ناظم اجلاس محمد زبیر خاں نے اگلے مقالہ نگار ڈاکٹر نعیم انیس کو مقالہ پڑھنے کی دعوت دی۔ آپ کلکتہ گرلس کالج میں صدر شعبۂ اردو ہیں۔ ان کا مقالہ 'مغربی بنگال کے مدارس کا کردار' کے عنوان سے ہے۔ آپ نے مدارس کی صورت حال کا جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کا مقالہ مغربی بنگال کے سیکولر کردار کی تصویر کشی کرتا ہے۔ آپ نے بنگالی طلبہ کی اردو سے دلچسپی و صلاحیت کے معیار پر گفتگو کی اور مدارس میں 40 فیصد غیر مسلم طلبہ اور 35 فیصد اساتذہ کی خدمات کا ذکر کیا جو مدارس میں درس و تدریس میں منہمک ہیں۔ ان کے مقالے میں مغربی بنگال کے ایک ایسے مدرسے کا ذکر آیا جس میں غیر مسلم طلبہ کی تعداد 60 فیصد ہے۔ جن کا رویہ حصول علم کے بعد اسلام و مسلمانوں کے متعلق بہت معتدل رہتا ہے جو ایک اچھے اور پرامن سماج کی بنیادی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے مغربی بنگال کے ڈیٹا کے ساتھ وہاں پر داخلے کے مراحل کا ذکر کیا۔ مذکورہ مدارس میں طلبہ بغیر امتیازِ قوم وملت اردو زبان میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ آپ نے اپنے مقالے میں اوقات تعلیم نیز نصابات پر گفتگو کی اور اردو زبان میں مہارت حاصل کرنے کے اسباب پر روشنی ڈالی۔ ان کے اختتام مقالہ پر ناظم اجلاس محمد زبیر خاں نے مفتی محمد مشتاق تجاروی کو مائک پر تشریف لانے کی دعوتی دی۔ مفتی محمد مشتاق تجاروی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز میں استاذ ہیں۔ آپ کا مقالہ بعنوان 'اردو کی تعلیم میں مدارس کا کردار' ہے۔ آپ نے اپنے مقالے میں قائم کردہ 12 ذیلی عنوانات کا ذکر کیا جن کی روشنی میں اردو کی عالمگیر خدمات کا جائزہ لیا۔ تجاروی صاحب کا مقالہ نہایت معنیٰ خیز ہے۔ انھوں نے اردو میں داخل مسلکی اردو اصطلاحات کا ذکر کیا جنھیں مدارس اپنی اپنی فکر رائج کرنے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جملہ معترضہ کے طور پر آپ نے علامہ شبلی نعمانی اور کیفی اعظمی کا ذکر کیا جن کا تعلق مدرسے سے تھا۔ آپ کے بقول اردو میں زیادہ تر لفظیات عربی وفارسی سے آئی ہیں۔

تیسرے اجلاس کے آخری مقالہ نگار ڈاکٹر شاہ اجمل فاروق ندوی ہیں جنھیں مائک پر مقالہ خوانی کی دعوت دی گئی۔ ندوی صاحب کا مقالہ تاریخ نویسی پر ہے۔ خاص طور پر آپ نے دارالمصنّفین کی تاریخ نویسی کو محور بنا کر اپنا مقالہ سنایا۔ جن کا علمی مجلسوں میں وقا ومعیار ہے۔ اردو میں ان کتابوں کی بہت اہمیت ہے۔ مدارس کے فارغین علما و دانشوران کا ذریعہ حصول علم عربی متون ہیں لیکن ان کی تصنیفی وتالیفی خدمات اردو زبان میں ہیں جو اردو کی ترویج واشاعت میں ایک اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ مدارس کے اساتذہ عربی تراکیب واصطلاحات کو دورانِ تدریس استعمال کرکے انھیں طلبہ کی تحریر وتقریر میں رائج کراتے ہیں۔ جو آگے چل کر اردو زبان کی ثروت مندی

میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ ندوی صاحب نے اپنے مقالے کا اختتام چند تجاویز پر کیا تا کہ ان کی روشنی میں اردو زبان کو فروغ مل سکے۔ اس کے بعد اس اجلاس کے پہلے صدر جناب رحیم اللہ انصاری صاحب کو تاثرات پیش کرنے کے لیے ناظم اجلاس محمد زبیر خاں نے مدعو کیا۔ جناب انصاری نے موقع و محل کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے نہایت کم سخنی کا انداز اختیار کیا اور مقالہ نگاروں کے اسمائے گرامی پر اکتفا کرتے ہوئے چند وقیع جملوں میں اپنی بات مکمل کی۔ خاص طور پر انھوں نے ترسیلی زبان اختیار کرنے کا مشورہ دیا۔ شعر کی خوبی پر گفتگو کرتے ہوئے ان شعرا کا ذکر کیا جنھوں نے محمدؐ کی شان میں اشعار کہے جو فروغ اردو کے لیے نہایت کارآمد ہیں۔

اجلاس کے دوسرے صدر ڈاکٹر محمد فرمان ندوی صاحب ہیں۔ فرمان ندوی نے اظہارِ تاثرات کے درمیان کہا کہ ''تحریر شروع کرنے سے قبل ماضی، حال، مستقبل کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے، تمام مقالوں میں بیشتر اشارے کیے گئے ہیں لیکن وہ اشارے تینوں زمانوں پر مشتمل تھے'' ندوی صاحب نے مدارس کے مقصدِ قیام پر گفتگو کرتے ہوئے اردو زبان کی ترویج و اشاعت کا ذکر کرتے ہوئے اکابر علما و مشاہیرِ اردو کا تذکرہ کا۔ اردو صحافت نیز ادبی صحافت کے ضمن میں 'الندوہ' کا حوالہ دیا جس سے عالمی پیمانے پر اردو کی تبلیغ و اشاعت ہوئی۔ کونسل کی خدمات پر مبارکباد دیتے ہوئے چند تجاویز پر اپنی بات مکمل کی اور اگلے اجلاس کے لیے 15 منٹ کا وقفہ برائے چائے نوشی ہوا تا کہ سامعین تازہ دم ہو جائیں۔

19/ مارچ 2019۔ 12:00 تا 1:30 بجے

موضوع: اردو: فائن آرٹس اینڈ انفوٹیمنٹ

نظامت کے فرائض دہلی یونیورسٹی کے استاذ، ڈرامہ آرٹسٹ، ڈاکٹر محمد کاظم نے انجام دیے۔ جبکہ صدارت معروف فلم ساز مظفر علی جن کی شناخت فلم امراؤ جان ادا ہے اور سیدہ سیدین حمید نے کی۔ اس چوتھے اجلاس کا پہلا مقالہ پروفیسر نزہت کاظمی صاحبہ نے پڑھا۔ پروفیسر صاحبہ کا تعلق جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ فن تاریخ سے ہے۔ محترمہ نے اپنا مقالہ انگریزی زبان میں پڑھا نیز جاذب دل مصوری کی نمائش کی۔ اردو کی محفل میں مقالہ غیر زبان میں تھا اس لیے ردعمل بہتر نہ تھا۔ پوفیسر ابوالکلام قاسمی اور پروفیسر ابوذر عثمانی صاحب نے درمیان میں مداخلت کرتے ہوئے چند لمحے اپنے ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے اعتراض درج کرایا۔ حالانکہ محترمہ کا مقالہ اردو زبان میں ہوتا تو وقیع ثابت ہوتا جیسا کہ انھوں نے مصوری کے نمونے پیش کیے تھے۔

دوسرے مقالہ نگار شعبۂ فارسی دلی یونیورسٹی کے سابق پروفیسر رمیش بھاردواج جی تھے۔ آپ نے اردو زبان کے معنی اور اس کے وسیع ہوتے ہوئے دائرے نیز اردو زبان کے رابطے پر گفتگو کی۔ اردو، ہندی اور سنسکرت کے حوالے سے آپ نے اپنی گفتگو کو کافی اثر انگیز بنایا۔ پروفیسر بھادواج جی نے بہتر سماج کی تشکیل میں فائن آرٹس کے مثبت کردار کی بات کی۔ بقول ان کے ''ہندوستان کے بادشاہوں کو تو بھلا دیا گیا لیکن فنکاروں کو یاد کیا گیا، ٹیگور کو اپنی شاعری سے تسکین نہیں ملی تو انھوں نے مصوری شروع کی۔'' پروفیسر رمیش بھاردواج جی کا مقالہ فائن آرٹس کے تعلق سے بہت عمدہ ہے۔ آپ نے اردو الفاظ میں بھی حسن محسوس کیا۔ اس ضمن میں بھاردواج جی نے نامور سنگھ کا ایک جمہ دہرایا کہ ''ہندی زبان میں اردو کا استعمال ہوتا ہے تو مردانگی کا احساس ہوتا ہے۔'' حسن کا وجود صرف نزاکت ہی میں نہیں مردانگی میں بھی ہوتا ہے۔ انھیں باتوں پر بھاردواج جی کا مقالہ مکمل ہوا اور ناظم اجلاس ڈاکٹر محمد کاظم نے تیسرے مقالہ نگار سلیم عارف صاحب کو مقالہ خوانی کے لیے مدعو کیا۔ آپ کا تعلق سیریل اور فلم کی دنیا سے ہے۔ ان کے مقالے کا موضوع 'فائن آرٹس اور انفوٹینمنٹ میں اردو'

ہے۔ دوران مقالہ خوانی سلیم عارف نے کہا کہ 'فائن آرٹس اور انفوٹینمنٹ کا اردو سے تاریخی تعلق ہے۔ اس موضوع کا تعلق داستان گوئی سے بہت گہرا ہے'' سلیم صاحب کے نزدیک تمام فنون لطیفہ کا تعلق اس موضوع سے بہت گہرا ہے۔ خاص طور پر ڈرامہ اور مثنویوں سے۔ سلیم عارف صاحب نے اپنے مقالے میں بیان کیا کہ اخبار 'جام جہاں نما' سے مذکورہ فن کا اظہار ہوا۔ فائن آرٹس اور انفوٹینمنٹ کی دنیا کا جائزہ لیتے ہوئے آپ نے اپٹا، فلم تھیٹروں اور غزل گلوکاروں کی آواز کا حوالہ دیا کہ ان ذرائع سے مذکورہ فن کو بہت تقویت ملی ہے۔ ریڈیو نے بھی اس فن کو ترقی دی۔ اردو کی ترقی میں سرکاری و غیر سرکاری اداروں کا نہایت اہم کردار ہے۔ سلیم عارف نے اردو زبان کی ترقی میں سیریل، ریختہ، ٹیلی ویژن جیسے وسائل کی تعریف کی۔ آپ نے میڈیا میں اردو زبان کے غلط استعمال پر بھی اظہارِ خیال کیا۔ اردو انفوٹینمنٹ پر کام کرنے کا مشورہ بھی آپ نے دیا۔ اس چوتھے اجلاس کی مقالہ خوانی کا دور اختتام کو پہنچا اور ناظم اجلاس ڈاکٹر محمد کاظم نے صدارتی تاثرات کے لیے مولانا آزاد اردو یونیورسٹی کی سابق چانسلر سیدہ سیدین حمید صاحبہ کو آواز دی۔ آپ نے بہت اختصار سے کام لیتے ہوئے پڑھے گئے تینوں مقالات پر دو دو جملوں میں اپنے تاثرات ظاہر کیے۔ بعد ازاں آپ نے انگریزی زبان سے اردو کی طرف اپنے میلان پر اظہار خیال کیا اور حالی، آزاد کی تخلیقات نیز ساحر لدھیانوی کے کلام کا حوالہ دیا۔ آپ نے خواجہ احمد عباس پر بھی گفتگو کی۔ اردو کو عالمگیر اور رابطے کی زبان ہونے کی خواہش ظاہر کی۔ بقول آپ کے ''اردو امن ومحبت اور یکجہتی کی زبان ہے، اردو تمام لوگوں

کی زبان ہے'' انھیں باتوں کے ساتھ آپ نے اپنے تاثرات پیش کیے۔ دوسرے نمبر پر ناظم اجلاس ڈاکٹر محمد کاظم نے صدارتی تاثرات کے لیے فلم ساز مظفر علی کو مائک پر آنے کی دعوت دی۔ مظفر علی کی پیشکش کا انداز بہت دلربا ہے۔ آپ نے ٹھہر ٹھہر کر نہایت پراعتماد لہجے میں اپنے خیالات و تاثرات کا اظہار کیا۔ انھوں نے کہا کہ ''انسان جب پیدا ہوتا ہے تو دھیرے دھیرے آنکھیں کھولتا ہے اور آہستہ آہستہ چیزوں کا مشاہدہ کرتا ہے۔'' مظفر علی صاحب نے اپنے کیریئر کے آغاز کا حال سنایا اور لکھنؤ، علی گڑھ، کلکتہ کے سفر نیز فنونِ لطیفہ سے دلچسپی و ربط پر اظہار خیال کیا۔ بمبئی کی زندگی و پریشانیوں کی مختصراً کہانی بیان کی۔ اپنی فلمی خدمات پر گفتگو کرتے ہوئے فلم 'امراؤ جان ادا' کو مکمل طور پر فائن آرٹس کہا۔ جاپان کے ایک ایسے اردو استاذ کا ذکر کیا جو مظفر صاحب کی فلموں سے اردو پڑھاتے ہیں۔ مظفر علی صاحب نے شاعری کے اسالیب و اقسام پر گفتگو کرتے ہوئے صوفیانہ شاعری کا حوالہ دیا اور کہا کہ ''اردو قدم قدم پر ہمارے ساتھ رہتی ہے، خطاطی اگر تاج محل سے نکال دی جائے تو کیا بچے گا'' درمیان گفتگو آپ نے حضرت علی کا ایک قول دہرایا ''خطاطی ہاتھ کی زبان اور اظہارِ خیالات کا آلہ ہے'' انھیں قیمتی باتوں اور بیش بہا تاثرات کے ساتھ آپ نے اپنی بات مکمل کی اور اسی کے ساتھ حاضرینِ اجلاس کو لذیذ کھانوں کا ذائقہ لینے و شکم سیر ہونے کے لیے مطبخ کی طرف بڑھنے کی دعوت دی گئی اور کھانے سے فراغت کے بعد پانچویں اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔

پانچواں اجلاس: 19 مارچ، 2:00 تا 5:00 بجے
موضوع: مختلف ممالک میں اردو کی سماجی و تہذیبی صورت حال

پانچویں اجلاس کی کارروائی کا آغاز کرتے ہوئے ناظم اجلاس جواں سال ادیب و تخلیقی نقاد حقانی القاسمی نے کناڈا سے تشریف لائے سید تقی عابدی کو خطبۂ استقبالیہ پیش کرنے کے لیے بلایا۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی نے بہت جامع تقریر کی۔ اپنی تقریر میں انھوں نے اردو زبان کی بقا و ترویج و اشاعت سے گفتگو کا آغاز کیا۔ اس ضمن میں

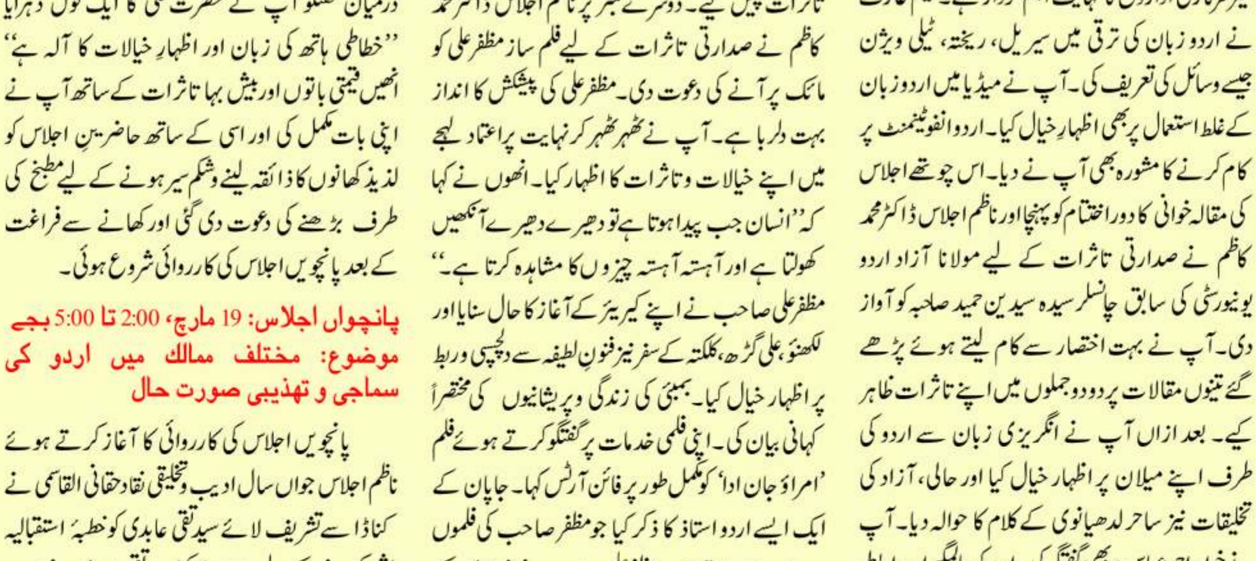

انھوں نے رالف رسل کا قول دہرایا نیز اپنی رائے کو رواں انداز میں رالف رسل کے قول کے ساتھ ادا کیا۔ وہ کہتے ہیں بقول رالف رسل ''اردو ساٹھ سال سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتی جو بالکل غلط ہے، اردو کا دل یہاں پر (برصغیر ہند و پاک) میں دھڑکتا ہے، اس لیے کونسل یہ کام کر رہی ہے، نئی بستیوں میں اردو ذوق اور شوق سے زندہ ہے، ہمارے اندر جذبہ ہے، اور یہاں پر تجربہ ہے، اردو ایک ایسا درخت ہے جس کا سایہ دونوں سرحدوں پر ہے، اردو کا ایک مصرعہ بھی نفرت کا نہیں ملے گا۔ اس کا ہر لفظ محبت سے بھرا ہے۔ اردو کا بول بالا دنیا کے تمام گوشے میں ہو رہا ہے۔'' یہ تھے کناڈا سے تشریف لائے ڈاکٹر سید تقی عابدی کے فرمودات۔ آخر میں انھوں نے ایک تجویز پیش کی کہ ''ہندوستان سے اسکالروں کو یورپ بھیجا جائے۔ کیونکہ وہاں اردو کی دستاویزات کا دس فیصد بھی کام نہیں کیا گیا ہے۔ یورپ میں صرف مشاعرے ہی نہیں تحقیقی کام بھی ہو رہے ہیں۔'' یہیں پر آپ نے اپنا استقبالیہ خطبہ مکمل کیا اور حقانی القاسمی نے مقالہ نگاروں کا رخ کیا اور ایران سے تشریف لائے ڈاکٹر علی بیات کو مقالہ پڑھنے کے لیے آواز دی۔ ڈاکٹر علی بیات نے اپنے مقالے کا آغاز ایران میں اردو کی ابتدا سے کیا اور اس ابتدا کو علامہ شبلی سے جوڑتے ہوئے بتایا کہ ہندوستان میں رہ رہے علامہ شبلی کے ہمعصر ایرانی اسکالر نے ایران میں اردو کو متعارف کرایا، مقالہ نگار علی بیات نے ایران میں تدریس وتعلیم پر گفتگو کرتے ہوئے ریسرچ اسکالروں کے کام پر روشنی ڈالی اور ایران میں تقابلی مطالعے پر بات کی۔ وہاں کی تھیسس پر گفتگو کرتے ہوئے ایرانی اسکالروں کی متعدد تصنیفات کا ذکر کیا جو منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔ علی بیات صاحب نے غالب کو روحانی استاد تسلیم کرتے ہوئے غالب کا ایک فارسی شعر سنایا اور غالب کی شان میں خود اپنا فارسی کلام سنایا۔ بعد ازاں ناظمِ اجلاس نے کناڈا سے تشریف لائے مقالہ نگار و شاعر ولی عالم شاہین کو دعوت مقالہ خوانی دی۔ شاہین عالم کی شاعری پر وینوا بھاوے یونیورسٹی میں تحقیق کا کام ہو چکا ہے۔ آپ اپنی گفتگو کا آغاز کناڈا کے جغرافیائی حالات سے کرتے ہوئے ادب کی طرف لوٹے ان کی مقالہ خوانی کے مطابق کناڈا میں اب تک بہت زیادہ ادب تخلیق ہو چکا ہے۔ 2016 کی مردم شماری کے مطابق وہاں پر اردو بولنے والوں کی تعداد دو لاکھ سے زیادہ ہے جن کے گھروں میں اردو بولی جاتی ہے۔ ڈاکٹر علی بیات نے کہا کہ ''اردو کو بشمول ہندی جو خطرہ ہے وہ بدیسی تہذیب وثقافت سے ہے'' آپ نے اردو میں انگریزی کی دخل اندازی پر ایک شعر بھی سنایا۔ یہیں پر ان کا مقالہ ختم ہوا اور ناظم اجلاس حقانی القاسمی نے روس سے آئی ہوئی لدمیلا وسیلیوا کو مقالہ پڑھنے کی زحمت دی۔

لدمیلا صاحبہ نے روس میں اردو کی صورت حال پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا کہ ''روس میں اردو ایک غیر ملکی زبان کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ وہاں صرف روسی زبان ہے۔ لیکن چند لوگ ہیں جو برصغیر سے جا کر آباد ہوئے ہیں اور آپس میں اردو میں باتیں کرتے ہیں، میں نے مہجری ادب کا مطالعہ کیا ہے اس لیے میں حق بجانب ہوں کہ اس اردو زبان پر گفتگو کروں۔'' محترمہ لدمیلا صاحبہ کا مقالہ روس میں اردو زبان کے فروغ و ارتقا کے مراحل ومسائل پر ہے۔ ان کے مطابق اردو زبان نے مغرب میں بہت جلد رابطے کی زبان کی صورت اختیار کرلی ہے۔ آپ نے اپنے مقالے میں مہاجر شعرا پر تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے۔ محترمہ نے اپنے مقالے میں شاعری پر ہجرت کے اثرات پر روشنی ڈالی نیز ہجرت کے موضوعات کا ذکر کیا۔ وقتاً فوقتاً اشعار بھی سنائے نئی نسل کی تخلیقات پر اظہارِ خیال کیا۔ مشاعروں کے تعلق سے کہا کہ ''مشاعرہ اردو زبان کی تہذیب وثقافت کا اظہار ہے۔ اس کا کوئی بدل نہیں، اگر کسی کو گلہ ہے تو وہ

مشاعروں کا نہیں، منتظمین مشاعرہ کا شکوہ کرے۔" لدمیلا کے بعد ناظمِ اجلاس حقانی القاسمی نے ازبکستان سے آئی ہوئی محیا عبدالرحمٰن کو مقالہ پڑھنے کے لیے آواز دی۔

محترمہ نے اپنی گفتگو کا آغاز ایک شعر سے کیا۔ آپ نے اپنے مقالے میں دکنی ادب کا جائزہ لیا اور اپنے استاذ پروفیسر آزاد شماتوف کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ استاذ کی کئی اردو کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں۔ محترمہ نے ازبکستان میں پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر چند شیکھر، اور انور پاشا کی خدمات کا ذکر بھی کیا اور ازبکستان میں اردو کی تدریسی صورت حال کا جائزہ پیش کیا۔ اختتامِ مقالہ پر ناظمِ اجلاس حقانی القاسمی نے مصر سے آئے ہوئے عبدالرحمٰن القاضی کو بلایا کہ وہ اپنا مقالہ سنائیں۔ موصوف نے مصر میں اردو زبان و تعلیم کی صورت حال کا جائزہ لیتے ہوئے اطلاع دی کہ عربی زبان میں اردو کے خزانے کو منتقل کرنا ہے۔ خاص طور پر علامہ شبلی نعمانی کی خدمات کو اردو سے عربی میں منتقل کرنا ہے جیسے سیرت النبی۔ جیسا کام کسی عرب نے نہیں کیا۔ مصر میں اردو تدریس کا مقصد دونوں ملکوں کے درمیان قربت پیدا کرنا ہے۔ موصوف نے ان چند تخلیقات کا ذکر کیا جنھیں اردو سے عربی میں منتقل کیا گیا ہے۔ آپ نے مصر میں اردو کی تدریسی مشکلات کے ساتھ تحقیقی پیچیدگیوں کا ذکر کیا۔ مقالہ نگار نے ہمعصر ٹکنالوجی کے فوائد کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ عرب حضرات ہندوستانی فلم صنعت سے اردو سیکھ رہے ہیں۔ عرب لوگوں کو فلمی نغمے بہت متاثر کرتے ہیں۔ ان کے تکمیل مقالہ کے بعد حقانی القاسمی نے ڈھاکہ سے تشریف لائے غلام ربانی کو دعوت مقالہ خوانی دی۔ محترم کا مقالہ ڈھاکہ میں اردو زبان و تہذیب کے اثرات پر ہے۔ ان کے مقالے کے بموجب ڈھاکہ میں اردو پسند کی جاتی ہے۔ مشاعرے ہوتے ہیں جامعات میں اردو کی تعلیم ہوتی ہے، آپ نے ڈھاکہ میں منعقد ثقافتی پروگراموں میں اردو کی شمولیت و تقاریب کا ذکر کیا۔ وہاں پر اعلانات اردو زبان میں ہوتے ہیں۔

اگلے مقالہ نگار ڈاکٹر زکائی کارداس ترکی استنبول سے تشریف لائے اور 'ترکی میں اردو کی صورتِ حال' موضوع پر مقالہ پڑھا۔ دورانِ مقالہ خوانی آپ نے کہا کہ ''اردو ایک اہم زبان ہے جو ہندوستان میں پیدا ہوئی۔'' ترکی میں اردو زبان کا آغاز استنبول سے ہوا اور اب انقرہ یونیورسٹی میں اردو کی بازگشت سنائی دینے لگی ہے۔ زکائی کا مقالہ ترکی میں سیاسی صورت حال کے ساتھ ہندوستان اور ترکی کے تعلقات کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس اجلاس کے آٹھویں مقالہ نگار ڈنمارک سے ڈاکٹر محمد نصر اللہ خاں ملک ہیں۔ نصر ملک صاحب کا مقالہ بہت وقیع ہے۔ انھوں نے ڈینش زبان میں اردو زبان کے خزانے کی منتقلی کی مژدہ سنایا کہ اردو ناولوں اور کہانیوں کا ڈینش زبان میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ مقالہ نگار نصر ملک نے خود چار ناولوں کا ترجمہ کیا ہے۔ ڈینش اردو ڈکشنری بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

نویں اور آخری مقالہ نگار مامیا کین ساکو جاپان سے آئے۔ محترمہ نے جاپان میں اردو کی تدریسی صورت حال پر مقالہ پڑھا۔ ساکو نے تبسم کاشمیری کے کتابچے کا ذکر کیا۔ ساکو نے جاپان میں اردو جشن کے ساتھ یونیورسٹی میں بی اے، ایم اے اور پی ایچ ڈی کی تعلیم کا جائزہ لیا۔ نیز دوران تعلیم پیش آنے والی مشکلات کو بیان کیا۔ اردو تدریس کے مقصد کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ جاپانی لوگ اگر جاپانی زبان پڑھتے ہیں تو کوئی مسئلہ نہیں ہے لیکن دنیا گلوبل ویلیج ہوچکی ہے اس لیے اردو پڑھنا لکھنا اور اردو کی تعلیم ضروری ہے تاکہ دوسری تہذیب سے واقفیت ہو۔ مقالہ خوانی کے اختتام پر صدارتی تاثرات کے لیے ناظم اجلاس حقانی القاسمی نے پہلے صدر فیروز احمد بخت کو دعوت سخن دی۔ فیروز بخت صاحب نے اردو زبان کی موت و زندگی پر اظہار کیا۔ آپ نے مشورہ دیا کہ غیر ملکیوں کو تعاون و مدد دینی چاہیے۔

آخر میں پروفیسر ابوالکلام قاسمی کو اظہار تاثر کی دعوت دی گئی۔ قاسمی صاحب کے صدارتی خطبے کے مطابق اس اجلاس کے مقالے میں تنوع ہے۔ باقی اجلاس کے مقالے ہم عنوان و یکساں تھے۔ سمیناروں اور رسائل میں ایسے مقالے شامل ہونے چاہئیں جن کی دوررس وقعت ہو۔ مقالے معیاری ہونے چاہئیں۔ اقربا نوازی کی بنیاد پر مقالہ نگاروں کو موقع نہیں دینا چاہیے۔ میٹنگ کرکے طے کرنا چاہیے کہ کن کن لوگوں کو بلانا ہے۔ قاسمی صاحب کے مطابق اس کانفرنس میں شامل مقالہ نگار غیر سفارشی تھے۔ قاسمی صاحب نے تمام مقالہ نگاروں کے مقالات پر تبصرہ و تاثر ظاہر کیا۔ نصر ملک، زکائی، عبدالرحمٰن قاضی کے مقالوں کی تعریف کی۔ لدمیلا وسیلیوا کے مجری ادب پر گفتگو کی تعریف کی۔ شاہین صاحب کے لیے کافی تحسینی جملے استعمال کیے۔ اس اجلاس کا اختتام بحسن و خوبی حقانی القاسمی کی نظامت پر ہوا۔

تیسرا مارچ 20مارچ 2019

عالمی اردو کانفرنس کا تیسرا دن بھی بہت شاندار تھا۔ ملک اور بیرون ممالک سے تشریف لائے ہوئے اردو سے محبت رکھنے والے وہاں موجود تھے۔کونسل کے پورے عملے پر بھی سکون اور اطمینان دکھائی دے رہا تھا۔ ریسرچ اسکالر کی ایک بڑی تعداد بھی ہال میں نظر آ رہی تھی۔

کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے افتتاحی اجلاس میں جو باتیں اردو زبان کے فروغ کے حوالے سے کہی تھیں ان کی گونج تیسرے دن بھی اس کانفرنس میں سنائی دے رہی تھی۔ مثلاً 'ہمیں اپنی زبان کے تحفظ کے طریقہ پر غور کرنا ہوگا اور اس کے فروغ کے لیے نئے لائحہ عمل تیار کرنے پڑیں گے۔اسی مقصد سے اس عالمی اردو کانفرنس کا انعقاد کیا گیا ہے۔اس کانفرنس کا مقصد جہاں اردو زبان کے تحفظ وفروغ کے امکانات پر غور کرنا ہے اور اردو زبان کو درپیش خطرات کے بارے میں سوچنا ہے وہیں اس کانفرنس کا مقصد اردو کے تعلق سے ایک ایسا ایجنڈا اور منشور تیار کرنا ہے جسے ہم حکومت ہند کی خدمت میں پیش کرسکیں اور اس ایجنڈے کے نفاذ کے لیے کوشش کرسکیں، کیونکہ جب تک ہمارے پاس فروغ اردو کا کوئی ایجنڈا نہیں ہوگا حکومت ہماری کوئی مدد نہیں کرسکتی۔ ہمیں حکومت کے گوش گزار کرنا ہوگا کہ ہمارے منصوبے کیا ہیں، ہمارے ارادے کیا ہیں اور ہمیں فروغ اردو کی راہ میں کیا کیا دشواریاں اور کیا کیا دقتیں حائل ہیں۔ انہی چیزوں کے مدنظر اس کانفرنس میں بنیادی توجہ زبان پر مرکوز کی گئی ہے کیونکہ اگر زبان ہی زندہ نہیں رہے گی تو پھر ادب عالیہ کی تشکیل کا فائدہ کیا ہے۔ہمیں ابتدائی سطح پر اردو زبان کو زندہ رکھنا ہے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنا ہے۔اردو کی ابتدائی تعلیم پر توجہ دینی ہے۔ جب ہم اپنی جڑوں کو مضبوط کریں گے تبھی یہ زبان زندہ رہے گی۔

قومی اردو کونسل نے مدارس کو اپنی ترجیحی فہرست میں شامل رکھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر یہ ادارے نہ ہوتے تو شاید اردو وسیع تر پیمانے پر فروغ نہیں پاتی۔ انہی اداروں کے ذریعے اردو کی بنیادی تعلیم کا انتظام ہو رہا ہے۔ یہی مدارس اور مکاتب پوری دنیا میں اردو کو پھیلانے کا کام کر رہے ہیں۔اسی طرح اردو اخبارات اور ذرائع ابلاغ بھی فروغ اردو میں بنیادی کردار ادا کر رہے ہیں۔فلم نے بھی فروغ اردو میں اہم کردار ادا کیا ہے اور وہاں اردو کی بنیادی تعلیم پر زیادہ ارتکاز ہے۔اس طرح دیکھا جائے تو تمام موضوعات اردو کی بنیادی تعلیم اور فروغ سے جڑے ہوئے ہیں۔ان تمام موضوعات کے وسیلے سے ہمیں اردو کی بنیادی تعلیم سے جڑے ہوئے مسائل پر غور وخوض کرنا ہے، اگر ہم نے ان مسائل کو حل کر لیا تو یقینی طور پر اردو کے فروغ کی راہ مزید آسان ہو جائے گی۔اسی مقصد کے پیش نظر قومی اردو کونسل نے ان علاقوں کو بھی اپنا مرکز نگاہ بنایا ہے جہاں اردو آبادی کم ہے لیکن وہاں فروغ اردو کے امکانات بہت ہیں۔ گوا، منی پور، جزائر انڈمان ونکوبار اور اسی طرح نارتھ ایسٹ کے دوسرے علاقے ہیں جہاں قومی اردو کونسل نے ایک رابطہ مہم شروع کی ہے اور وہاں کے محبان اردو سے گفت وشنید کا سلسلہ شروع کیا ہے تا کہ ان علاقوں میں بھی بنیادی سطح پر اردو کو فروغ دیا جائے۔اس کے علاوہ مختلف ریاستوں میں اردو اکادمیوں کے قیام کی کوششیں بھی جاری ہیں، ان سے بھی اردو کو یقیناً فروغ ملے گا اور اردو کی بنیادی تعلیم کے نظم ونسق میں بھی مدد ملے گی۔''

تیسرے دن کے چھٹے اجلاس میں جس کا موضوع 'ذرائع ابلاغ اور اردو' تھا۔ پروفیسر مرنال چٹرجی، ڈاکٹر صابر گودڑ، ڈاکٹر عبدالسمیع بوبیرے، ڈاکٹر مرزا عبدالباقی بیگ اور غیاث الرحمٰن سید نے مقالات پیش کیے۔اس اجلاس کی صدارت کے فرائض پروفیسر افتخار احمد نے انجام دیے۔اس سیشن میں مختلف عنوان کے تحت مقالات پیش کیے گئے۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ممتاز عالم رضوی نے انجام دیے۔

ڈاکٹر مرزا عبدالباقی بیگ نے اپنے مقالے میں سوشل نیٹ ورکنگ کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فوائد اور نقصانات پر بات کی۔انھوں نے درمیان میں 'می ٹو' مہم کا بھی ذکر کیا۔ جناب صابر گودڑ جو موریشس سے تشریف لائے تھے ان کا مقالہ تارکین وطن کے حوالے سے تھا۔ انھوں نے موریشس میں نشر ہونے والے اردو پروگراموں کا بھی ذکر کیا۔علما کے ذریعے اردو کے فروغ کا جائزہ بھی انھوں نے اپنے مقالے میں لیا۔موریشس سے نشر ہونے والے پروگرام 'عقیدت کے پھول' کا بھی انھوں نے اس مقالے میں ذکر کیا۔

پروفیسر مرنال چٹرجی کا مقالہ 'اڑیسہ میں صحافت' کے حوالے سے تھا۔انھوں نے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اردو مذہبی زبان نہیں ہے۔اپنے مقالے میں انھوں نے جنگ آزادی کے حوالے سے باتیں کہیں اور

پھر اڑیسہ میں اردو صحافت پر گفتگو کی۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا مقالہ انگریزی زبان میں پیش کرتے ہوئے اڑیسہ میں اردو اکادمی کی فعالیت کا بھی ذکر کیا۔ انھوں نے اردو کی ترسیل کس طرح ہونی چاہیے اس پر بھی توجہ کی۔

ڈاکٹر عبدالسمیع بوبیرے نے کافی دلچسپ انداز میں اپنے مقالے کو پیش کیا۔ انھوں نے صحافت اور معاش کا ذکر کرتے ہوئے نئی نسل کے املا، جملہ اور خود ان کے منجملہ غلط ہونے پر تنقید کی۔ انھوں نے مقالے میں کچھ تجاویز کا بھی ذکر کیا۔

غیاث الرحمٰن سید کا موضوع 'ماس میڈیا اور اردو: عالمی جائزہ' کے عنوان سے تھا۔ انھوں نے اپنے مقالے میں اردو میڈیا کا اجمالی جائزہ پیش کیا۔ انھوں نے انٹرنیٹ پر اخبارات کا ذکر کیا۔ امریکہ و برطانیہ میں اخبار کی اشاعت اور اس کی مفت تقسیم کا ذکر بھی ان کے مقالے میں آیا۔ انھوں نے فلم اور ڈرامے کے معیار پر بھی گفتگو کی۔

پروفیسر افتخار احمد نے اپنی صدارتی تقریر میں اس نکتے کی طرف اشارہ کیا کہ

''اردو کا جو واجبی مقام ہے وہ اسے نہیں مل پا رہا ہے۔ اس سمت میں لوگوں کو آگے آنے کی ضرورت ہے۔ اردو ہندوستان کی ثقافتی ذمہ داری ہے۔''

ساتویں اجلاس کا آغاز تقریباً بارہ بجے ہوا۔ اس اجلاس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کا موضوع کافی دلچسپ تھا۔ 'آئین اور دوسرے قوانین میں اردو کا مقام' کے عنوان سے یہ سیشن تھا۔ جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے اس اجلاس کی صدارت فرمائی۔ جناب خواجہ عبدالمنتقم، پروفیسر نزہت پروین، پروفیسر علی مہدی، ڈاکٹر محمد محسن بھٹ نے پرمغز مقالات پیش کیے۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر تحسین منور نے انجام دیے۔

مقالہ نگار پروفیسر علی مہدی نے دستور ہند میں موجود ان تمام زبانوں کا ذکر کیا اور قومی اور ملکی زبان کے فرق کو بھی واضح کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو کی بدقسمتی یہ ہے کہ اسے مذہب سے جوڑ کر دیکھا جاتا ہے۔ انھوں نے اردو زبان میں درخواست نہ دیے جانے پر بھی افسوس کا اظہار کیا اور اردو کے حوالے سے اپنی کچھ تجاویز بھی پیش کیں۔

ڈاکٹر محمد محسن بھٹ نے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہندوستان میں ہر زبان اردو سے متاثر ہو چکی ہے۔ اردو کو سماج کی اور سرکاری حمایت حاصل ہے۔

پروفیسر نزہت پروین خان نے اردو زبان کی قانونی، تاریخی اور سماجی حیثیت پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے مختلف دفعات کے ذریعے اردو زبان کے تحفظ کے متعلق گفتگو کی اور اس بات پر بہت زور دیا کہ اردو کی ترویج ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

جناب خواجہ عبدالمنتقم نے اپنے مقالے میں اردو کی آفاقیت کا ذکر کیا۔ انھوں نے اردو کے رسم الخط کی بقا کے لیے آئینی حق پر بات کی۔ انھوں نے عدالت میں استعمال ہونے والے اردو الفاظ و اصطلاحوں کا ذکر بھی کیا۔ مختلف دفعات کے ذریعے اپنی زبان کے استعمال اور اس کے تحفظ پر بات کی۔

کانفرنس کا یہ آخری اجلاس بھی کافی شاندار رہا۔ جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ 'کسی ملک کی زبان تو ہو سکتی ہے لیکن زبان کا کوئی ملک نہیں ہوتا۔ مذہب کو زبان کی ضرورت ہوتی ہے زبان کو مذہب کی نہیں۔ جسٹس سہیل اعجاز صدیقی نے آرٹیکل 29 / اور آرٹیکل 30 کا حوالہ پیش کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح اس کے ذریعہ اپنی زبان کا تحفظ کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مادری زبان کی باریکی پر بھی روشنی ڈالی۔

اس اجلاس کے فوراً بعد اختتامی اجلاس کا آغاز ہوا۔ پروفیسر اختر الواسع، این سی پی یو ایل کے وائس چیئرمین

پروفیسر شاہد اختر اور ڈائرکٹر ڈاکٹر عقیل احمد اسٹیج پر تشریف فرما تھے۔ ڈاکٹر عقیل احمد نے تمام مندوبین جو کہ ملک اور بیرون ممالک سے تشریف لائے تھے اور وہ تمام ریسرچ اسکالر جو کہ دہلی اور دہلی کے باہر کی یونیورسٹیوں سے تشریف لائے تھے ان کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا۔ انھوں نے اختتامی اجلاس میں یہ بھی کہا کہ یہ کانفرنس کامیاب ہوئی ہے یا نہیں اس کا فیصلہ میں آپ تمام حضرات پر چھوڑتا ہوں ۔ اس کانفرنس کے منعقد کرنے میں جو بھی کمیاں یا خامیاں رہ گئیں ہیں آپ تمام لوگوں سے گزارش ہے کہ براہ کرم آپ میری رہنمائی کیجیے تا کہ آئندہ کانفرنس میں ان غلطیوں کا ازالہ کیا جا سکے۔ انھوں نے کونسل کے تمام اسٹاف کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہماری کونسل کا ہر ایک فرد بہت محنتی اور لائق ہے۔ ان کے اندر کام کرنے کا جو جذبہ ہے وہ بہت اہم ہے۔ اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں کونسل کے ہر ایک فرد نے بھر پور تعاون دیا ہے۔ ان کی محنت اور کوششوں کے بغیر یہ کانفرنس کامیاب نہیں ہو سکتی تھی۔ انھوں نے کہا کہ میں ایک بار پھر کونسل کے اسٹاف کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ ہمارے جامعات کے ریسرچ اسکالر کا بھی میں بے حد ممنون ہوں کہ وہ اس کانفرنس میں تشریف لائے اور انھوں نے انہماک سے تمام اجلاس میں شرکت کی جو کہ اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ہمارے ریسرچ اسکالر ادب کے تئیں کتنے سنجیدہ ہیں۔ اس کانفرنس کے مقالات کو سننے کے بعد یقیناً ان کے علم میں اضافہ ہوا ہوگا۔ میں ان سے یہ امید کرتا ہوں کہ مستقبل میں ہمارے تمام ریسرچ اسکالر اپنے آپ کو اس لائق بنائیں گے کہ آنے والے دنوں میں وہ نیشنل نہیں بلکہ انٹرنیشنل سمینار

زبانیں مکالمے کے لیے ہوتی ہے مجادلے کے لیے نہیں۔ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔ مذہب کی زبان ہوتی ہے۔ زبانیں زندہ رہتی ہیں اپنے چاہنے والوں کی بدولت۔ اردو کے حقیقی مسائل کو اس کے اندر جگہ دی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جن موضوعات پر اردو میں باتیں ہوئی وہ غیر معمولی ہیں۔انہوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اردو میں قاری موجود ہے تو وہ مدرسوں کی دین ہے۔

میں شرکت کر سکیں۔ انھوں نے دوبارہ فرداً فرداً تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ یہ اجلاس جو کہ اختتامی اجلاس تھا اس کی نظامت بھی ڈاکٹر تحسین منور نے ہی انجام دی۔

اختتامی اجلاس میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، جودھ پور کے وائس چانسلر اور معروف اسلامک اسکالر پروفیسر اختر الواسع نے اپنی تقریر میں کہا کہ

’زبانیں مکالمے کے لیے ہوتی ہے مجادلے کے لیے نہیں۔ زبانوں کا کوئی مذہب نہیں ہوتا ۔ مذہب کی زبان ہوتی ہے۔ زبانیں زندہ رہتی ہیں اپنے چاہنے والوں کی بدولت ۔ اردو کے حقیقی مسائل کو اس کے اندر جگہ دی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ جن موضوعات پر اردو میں باتیں ہوئی وہ غیر معمولی ہیں۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ اگر اردو میں قاری موجود ہے تو وہ مدرسوں کی دین ہے۔‘

اردو زبان کی بنیاد کیسے مضبوط ہو، اس کو پرائمری اسکولوں سے کیسے شروع کیا جائے، حکومتی سطح پر کیا اقدامات کیے جائیں اور اردو زبان کو روزگار سے کیسے جوڑا جائے جیسے اہم ترین سوالات کے ساتھ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے فروغ اردو اور تحفظ اردو کے لیے 6 نکاتی قرارداد منظور کرائی ہیں اور اردو زبان کے جو بھی مسائل ہیں ان کے حل کی طرف ایک ٹھوس لائحہ عمل پیش کیا ہے۔

اختتامی اجلاس میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی جودھ پور کے وائس چانسلر اور معروف اسلامک اسکالر پروفیسر اختر الواسع نے این سی پی یو ایل کی طرف سے سہ روزہ کانفرنس کے دوران مرتب کی گئی 6 نکاتی قرارداد اس جلسے میں پیش کی اور اس اعلان کے ساتھ پیش کی گئیں کہ اگر تجویز مناسب لگے تو اس کا اظہار بھی کیا جانا چاہیے۔

پہلی تجویز: ہندوستان کی مختلف جامعات میں اردو زبان و ادب پر ہونے والے ایم فل اور پی ایچ ڈی کے وہ مقالات کہ جن پر ڈگریاں تفویض کر دی گئی ہیں ان کی ایک توضیحی فہرست تیار کی جائے تا کہ اس سے ہمیں اردو زبان و ادب میں تحقیق و تنقید کی سمت، رفتار اور موضوعات کا پتہ چل سکے۔

تجویز نمبر دو: قومی اردو کونسل کو مختلف ریاستوں کے چیف سکریٹریوں اور متعلقہ افسران سے رابطہ قائم کر کے ان علاقوں میں اردو کی تعلیم اور اس سے وابستہ مسائل کے حل کی ممکنہ کوشش کی جانی چاہیے تا کہ ملک کے طول و عرض میں جو اردو سنائی دیتی ہے وہ لکھی اور پڑھی بھی جائے۔

تجویز نمبر تین: مرکزی حکومت کے تحت چلنے والے ابتدائی سے ثانوی درجات تک کے تعلیمی اداروں میں جہاں اردو کا انتظام نہیں ہے وہاں اردو کی تعلیم کو یقینی بنایا جائے اور اس میں قومی اردو کونسل سرکار کے ساتھ ساتھ محکموں کو بھی اس نوع کا خط تحریر فرمائے۔

تجویز نمبر چار: اردو اساتذہ کی عدم دستیابی پر حقائق کو واضح کرنے کے لیے قومی اردو کونسل کو اردو

اساتذہ کا ایک نیشنل رجسٹر بنانے کی ذمہ داری سرکار کے ذریعہ سونپی جانی چاہیے۔

تجویز نمبر پانچ: تمام اسکولوں کے داخلہ فارموں میں ضروری طور پر مندرجہ ذیل تین خانے ہونے چاہیے۔ نمبر ایک بچے کی مادری زبان کون سی ہے؟ نمبر دو والدین اس کو کس زبان میں تعلیم دلانا چاہتے ہیں؟ نمبر تین تیسری زبان کے طور پر کس زبان کو پڑھائے جانے کے حق میں ہیں؟

پروفیسر اختر الواسع نے چھٹی تجویز پیش کی کہ یہ عالمی اردو کانفرنس حکومت ہند بالخصوص وزارت خارجہ سے گزارش کرتی ہے کہ جس طرح دنیا بھر کے اداروں میں ہندی کی تعلیم و تدریس کے لیے ہندوستان سے اساتذہ مہیا کرائے جاتے ہیں اسی طرح ان ممالک میں اردو اساتذہ بھی فراہم کیے جائیں۔

این سی پی یو ایل کے ڈائرکٹر عقیل احمد نے کانفرنس میں شریک مہمانوں کا، اپنے اراکین اور وابستگان افراد کا شکریہ ادا کیا اور پیش کی گئی تجویز پر جلد عمل شروع کرنے کی یقین دہانی کرائی۔

اس کانفرنس کے ذریعے یہ واضح ہوا کہ اردو کا مستقبل کتنا تابناک ہے۔ایک لمبی جدوجہد کے بعد اس زبان نے اپنے لیے آخر جگہ بنا ہی لی۔خوش آئند بات ہمارے لیے یہ بھی ہے کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی اردو زبان کا جاد و سر چڑھ کر بولتا ہے۔اس زبان نے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں جو جگہ بنائی ہے وہ ہمیشہ قائم ودائم رہے گی۔اس کی چمک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

یہ تین روزہ کانفرنس بہ حسن وخوبی اختتام تک پہنچی۔اس کانفرنس کی خاص بات یہ تھی کہ اس کانفرنس کی تمام خبریں ملک کے طول وعرض سے شائع ہونے والے اخبارات کے علاوہ انگریزی اور ہندی اخبارات میں بھی شائع کی گئیں تھیں۔کانفرنس میں ریسرچ اسکالر کے ساتھ ساتھ میڈیا بھی موجود تھا جو کانفرنس کی تمام اسٹوری کو کور کر رہا تھا۔

این سی پی یو ایل کے ذریعہ منعقد کی گئی یہ کانفرنس اختتام تک پہنچی تو منتظمین نے راحت کی سانس لی۔اس کانفرنس کی کامیابی میں کونسل کے ڈائرکٹر کے علاوہ اسسٹنٹ ڈائرکٹر ایڈمین کمل سنگھ، اسسٹنٹ ڈائرکٹر اکیڈمک محترمہ ڈاکٹر شمع کوثر یزدانی، جونیئر ایڈمنسٹریشن اکاؤنٹ آفیسر محمد احمد، ڈاکٹر کلیم اللہ، شاہنواز خرم، ڈاکٹر فیروز عالم، اجمل سعید، ڈاکٹر عبد الحی، ڈاکٹر شاہد اختر انصاری، ڈاکٹر عبد الرشید کے ساتھ ساتھ کونسل کے پورے عملے کی کئی دن کی محنت شامل تھی۔اس کانفرنس کو کامیاب بنانے میں کونسل کے ایک ایک فرد نے بہت محنت کی تھی اور کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔

اس کانفرنس میں ریسرچ اسکالرز کو خاص طور پر مدعو کیا گیا تھا۔ملک کی مختلف جامعات سے وہ کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔سری وینکیٹشورا یونیورسٹی، آندھرا پردیش، جے پی یونیورسٹی چھپرا بہار، بھاگلپور یونیورسٹی بہار، پٹنہ یونیورسٹی پٹنہ، گجرات یونیورسٹی احمد آباد، کشمیر یونیورسٹی، رانچی یونیورسٹی جھارکھنڈ، ونوبا بھاوے یونیورسٹی جھارکھنڈ، شیامہ پرساد مکھرجی یونیورسٹی، رانچی جھارکھنڈ، گلبرگہ یونیورسٹی، سری شنکاراچاریہ یونیورسٹی آف سنسکرت کیرالا، ڈاکٹر باباصاحب امبیڈکر مراٹھواڑا یونیورسٹی اورنگ آباد، یونیورسٹی آف ممبئی، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ پنجاب، موہن لال سوکھادیہ یونیورسٹی اودے پور راجستھان، یونیورسٹی آف مدراس چنئی تمل ناڈو، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد، تلنگانہ یونیورسٹی نظام آباد، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ، ڈی ڈی یو گورکھپور یونیورسٹی، عالیہ یونیورسٹی کلکتہ، کلکتہ یونیورسٹی، پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، دہلی یونیورسٹی، جامعہ ملیہ اسلامیہ، سینٹرل یونیورسٹی آف کشمیر، ڈاکٹر ایچ، ایس گور وشوودیالیہ مدھیہ پردیش، سینٹرل یونیورسٹی آف حیدرآباد، یونیورسٹی آف الہ آباد، بنارس ہندو یونیورسٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی کی جامعات سے ریسرچ اسکالرز نے شرکت کی۔

اس کانفرنس کے ذریعے یہ واضح ہوا کہ اردو کا مستقبل کتنا تابناک ہے۔ایک لمبی جدوجہد کے بعد اس زبان نے اپنے لیے آخر جگہ بنا ہی لی۔خوش آئند بات ہمارے لیے یہ بھی ہے کہ ہزار مخالفتوں کے باوجود بھی اردو زبان کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔اس زبان نے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں جو جگہ بنائی ہے وہ ہمیشہ قائم ودائم رہے گی۔اس کی چمک کبھی ماند نہیں پڑ سکتی۔

■

Dr. Abdur Rasheed Azmi
Gulmarg Apts. M-109, First Floor
Abul Fazal Enclave
New Delhi - 110025
Musarrat
Batla House, Jamia Nagar
New Delhi - 110025

اردو آپ کے دروازے تک

شاہد اختر انصاری

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اپنے قیام کے پہلے روز سے ہی اردو زبان کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت میں سرگرم ہے۔ دن بہ دن اور سال بہ سال اس کی سرگرمیوں، اسکیموں کا دائرہ پھیلتا جا رہا ہے۔ کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کونسل کی سربراہی سنبھالتے ہی نئے عزم و جذبے کے ساتھ کونسل کی وساطت سے اردو زبان کے فروغ و اشاعت کے لیے کئی اہم فیصلے لیے ہیں، جن میں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی ہے۔ کشمیر سے لے کر کنیا کماری اور گجرات سے لے کر میزورم تک اردو زبان کی نشو و نما کے لیے متعدد اہم منصوبوں اور اسکیموں کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ وقت کے ساتھ اس میں مزید تیزی لائی جا رہی ہے۔

ڈائرکٹر قومی اردو کونسل ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے ڈائرکٹر شپ کی ذمے داری سنبھالنے کے بعد پہلی پریس کانفرنس کے ذریعے اردو دنیا تک یہ پیغام پہنچایا کہ اردو زبان کے فروغ اور اس کی ترقی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے گی۔ ان کا خیال ہے کہ اگر زبان محفوظ ہے تو اس سے وابستہ ادب اور تہذیب زندہ و تابندہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو زبان کی بقا اور اس کے ارتقا کے لیے ضروری ہے کہ پرائمری سطح پر اردو تعلیم کا مکمل اور بہتر انتظام کیا جائے۔ اس لیے کہ اگر اس کے پڑھنے اور جاننے والے ہی نہ ہوں گے تو پھر ادب کی معنویت اور افادیت کیا رہ جائے گی۔ لہٰذا ہم سمیناروں اور کانفرنسوں کے ساتھ زمینی سطح پر اردو کی صورت حال کا جائزہ لیں گے اور جن گھروں میں اردو کی روشنی نہیں پہنچی ہے کونسل ان گھروں تک روشنی پہنچانے کی حتی المقدور کوشش کرے گی۔

قومی اردو کونسل حکومت ہند کا ایک خود مختار ادارہ ہے جس کے دائرہ کار میں جہاں کتابوں کی اشاعت اور فروغ اردو کے لیے مالی اعانت کے پروگرام ہیں وہیں

کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کونسل کی سربراہی سنبھالتے ہی نئے عزم و جذبے کے ساتھ کونسل کی وساطت سے اردو زبان کے فروغ و اشاعت کے لیے کئی اہم فیصلے لیے ہیں، جن میں خاطر خواہ کامیابی بھی ملی ہے۔ کشمیر سے لے کر کنیاکماری اور گجرات سے لے کر میزورم تک اردو زبان کی نشو و نما کے لیے متعدد اہم منصوبوں اور اسکیموں کو عملی طور پر نافذ کیا گیا۔ وقت کے ساتھ اس میں مزید تیزی لائی جا رہی ہے۔

ریاستی سرکاروں سے تال میل کر کے متعلقہ ریاست میں اردو اکیڈمی اور اردو سیل کے از سر نو کھولنے اور اردو کے حقوق کی بازیابی کے لیے پیش رفت کرنا بھی شامل ہے۔ یہ سچ ہے کہ پورے ملک میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور کونسل کی وہ تمام اسکیمیں ملک کے طول وعرض میں چلائی جارہی ہیں۔ ان اسکیموں سے لوگ فیضیاب بھی ہو رہے ہیں۔ تاہم اس وقت ملک کے کچھ ایسے علاقے بھی ہیں جہاں ان اسکیموں اور منصوبوں کو مکمل طور پر نافذ نہیں کیا جا سکا ہے۔ مثلاً : انڈومان نکوبار، نارتھ ایسٹ کی ریاستیں آسام، منی پور اور جنوب کے کیرلہ، تمل ناڈو، گوا کے علاوہ جھارکھنڈ میں اردو زبان کی ترویج واشاعت کے لیے مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے کونسل نے یہ فیصلہ لیا کہ کونسل 'اردو آپ کے دروازے تک' پروگرام کی مدد سے ان ریاستوں کی غیر سرکاری تنظیموں، اسکولوں، مدرسوں اور نمائندوں کے ساتھ جو اردو کے لیے بے لوث خدمات انجام دے رہے ہیں ایک Interactive Session منعقد کرے گی تا کہ وہاں کی زمینی صورت حال کا اندازہ لگایا جا سکے۔ اس حوالے سے تبادلہ خیال کر کے کونسل ان کے اشتراک سے ایک مضبوط لائحہ عمل تیار کرے گی۔ اس سمت قدم بڑھاتے ہوئے کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد کی قیادت میں ایک وفد نے سب سے پہلے گوا کا دورہ کیا۔

قومی اردو کونسل نے گوا میں اردو کی صورت حال کا جائزہ لینے کے لیے وہاں کی غیر سرکاری تنظیموں، اسکولوں، مدرسوں اور اداروں کے نمائندوں کے ساتھ بمقام گریٹ ہوٹل، گوا میں انٹرایکٹیو سیشن منعقد کیا۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر نے کہا کہ ہمارے ریکارڈ کے مطابق شمالی گوا میں مدرسہ انصار اللہ میں اردو و عربی کے صرف دو مراکز چل رہے ہیں جو دوسری ریاستوں کے مقابلے میں تناسب کے لحاظ سے نا کے برابر ہے اس سمت مزید بہت کچھ کرنے کی ضرورت ہے چنانچہ اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے کونسل نے سب سے پہلے انٹرایکٹیو سیشن کے لیے اس جگہ کا انتخاب کیا۔ انھوں نے کونسل کے ذریعے چلائے جارہے منصوبوں اور اسکیموں کی تفصیلی جانکاری دی۔ انھوں نے مزید کہا کہ کونسل کمپیوٹر سینٹروں میں بھی مفت اردو تعلیم فراہم کرتی ہے۔ ہمارے کمپیوٹر مراکز سے تربیت شدہ طلبہ اردو زبان اچھی طرح جانتے اور سمجھتے ہیں۔ اس موقع پر بڑی تعداد میں محبان اردو نے شرکت کی۔ تمام مندوبین نے ڈائرکٹر قومی اردو کونسل سے مختلف امور پر تبادلہ خیال بھی کیا اور کہا کہ ہم گوا کے باشندے کونسل کے اس قدم سے بہت خوش ہیں۔ اردو کے فروغ اور اس کی اشاعت کے لیے کونسل کے ساتھ کندھے سے کندھا ملا کر چلنے کو تیار ہیں۔

پروگرام کے اخیر میں کونسل کے ڈائرکٹر نے کہا کہ گوا سے ہم نے پورے ملک میں فروغ اردو کے لیے بیداری مہم کا آغاز کیا ہے اور ہماری کوشش ہوگی کہ شمال مشرق، انڈومان نکوبار اور جنوبی ہند کے علاقوں میں اس طرح کے پروگراموں کا انعقاد کیا جائے۔

کونسل کی اسکیمیں آپ کے دروازے پر کے

"یہ سچ ہے کہ پورے ملک میں اردو بولی اور سمجھی جاتی ہے اور کونسل کی وہ تمام اسکیمیں ملک کے طول و عرض میں چلائی جا رہی ہیں۔ ان اسکیموں سے لوگ فیضیاب بھی ہو رہے ہیں۔ تاہم اس وقت ملک کے کچھ ایسے علاقے بھی ہیں جہاں ان اسکیموں اور منصوبوں کو مکمل طور پر نافذ نہیں کیا جا سکا ہے۔ مثلاً : انڈومان نکوبار، نارتھ ایسٹ کی ریاستیں آسام ، منی پور اور جنوب کے کیرلہ ، تمل ناڈو، گوا کے علاوہ جھارکھنڈ میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت کے لیے مزید کام کرنے کی ضرورت ہے۔"

کونسل کی اسکیمیں آپ کے دروازے پر کے حوالے سے اگلا پڑاؤ جھارکھنڈ تھا یونائٹیڈ بہار سے علاحدہ ہونے کے بعد صوبہ جھارکھنڈ کے نام سے نئی ریاست کی تشکیل دی گئی۔ اپنے قیام عمل کے زمانے میں ہی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا لیکن ایک عام تاثر یہ ہے کہ یہاں اردو کی صورت حال بہتر نہیں ہے اور نہ ہی اردو کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے اردو اکادمی قائم کی گئی۔

حوالے سے اگلا پڑاؤ جھارکھنڈ تھا یونائٹیڈ بہار سے علاحدہ ہونے کے بعد صوبہ جھارکھنڈ کے نام سے نئی ریاست کی تشکیل دی گئی۔ اپنے قیام کے زمانے میں ہی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا گیا لیکن ایک عام تاثر یہ ہے کہ یہاں اردو کی صورت حال بہتر نہیں ہے اور نہ ہی اردو کے فروغ اور اس کی ترویج واشاعت کے لیے اردو اکادمی قائم کی گئی۔ چنانچہ اردو کے تعلق سے تبادلہ خیال کے لیے کونسل کے وفد اور چیف سکریٹری جناب سدھیر چودھری اور ریاست کے متعلقہ محکمہ کے سیکریٹریز سے ملاقات ہوئی جس میں انھوں نے یقین دلایا کہ ریاست میں جلد ہی اردو اکادمی قائم کی جائے گی۔ اس کے علاوہ جھارکھنڈ میں اردو کا فروغ کیسے ممکن ہو۔ اس حوالے سے مختلف امور پر تبادلہ خیال بھی کیا گیا۔ مثلاً: اردو اساتذہ کی بحالی، ابتدائی وثانوی سطح پر اسکولوں میں اردو کتابوں کی فراہمی، عالم و فاضل کے امتحانات کو یونیورسٹی کے ذریعہ منعقد کرائے جانے، بلاک اور ضلعی سطح پر اردو ٹائپسٹ اور اردو مترجمین کی تقرری جیسے اہم مسائل پر غور وخوض ہوا۔

کونسل کے اس وفد نے کونسل کے وائس چیئر مین ڈاکٹر شاہد اختر، ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد، ریسرچ آفیسر ڈاکٹر کلیم اللہ و انتخاب احمد شامل تھے۔ اس موقع پر جھارکھنڈ کے حامیان اردو کی ایک بڑی جماعت سے اردو زبان کی موجودہ صورت حال پر گفتگو ہوئی ۔ رانچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر ڈاکٹر آر کے پانڈے، رجسٹرار ڈاکٹر امر کمار چودھری، سابق وائس چانسلر ڈاکٹر اے اے خان، سابق صدر شعبہ اردو پروفیسر ابوذر عثمانی نے بھی کونسل کے اس قدم کی ستائش کی اور ہر ممکن تعاون دینے کی یقین دہانی کرائی۔

دو ریاستوں میں شائقین اردو کی دلچسپی کو دیکھتے ہوئے کونسل نے شمال مشرقی علاقوں کا دورہ کیا۔ سب سے پہلے 17 فروری 2019 میں آسام کے ہوجائی ملٹی پرپس ہال آف نذیر اجمل کالج آف ایجوکیشن میں یک روزہ انٹرایکٹیو سیشن کا انعقاد عمل میں آیا۔ اس موقع پر آسام کے قرب وجوار سے 300 سے زائد نمائندوں نے شرکت کی اور اردو کے حوالے سے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا گیا اور یہ کوشش کی گئی کہ ان علاقوں میں جہاں اردو کی روشنی اب تک نہیں پہنچ سکی ہے وہاں اردو کی ترویج واشاعت کے لیے اس طرح سے ماحول سازگار کیا جائے کہ اردو سے محبت کرنے والے ہر گھر تک اردو کی رسائی ممکن ہو سکے۔ اس موقع پر کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے بتایا کہ آسام کے مختلف علاقوں میں اردو

کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کہا اس طرح کے پروگرام کے انعقاد کے پیچھے بنیادی مقصد یہ ہے کہ متعدد اسکولوں، مدرسوں، غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں کے ساتھ تبادلہ خیال کرتے ہوئے انھیں کونسل کی اسکیموں سے آگاہ کرایا جائے اور ان مسائل کے حل کے لیے ہر طرح کی سہولیات فراہم کی جائیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایسے پروگراموں سے اردو کے Stakeshoder **کے درمیان بیداری پیدا ہوگی اور امید ہے کہ کونسل کی مختلف اسکیموں سے لوگ حسب ضابطہ فائدہ اٹھائیں گے۔**

کے 33، دو سالہ عربی ڈپلومہ کے 07، عربی سرٹیفکیٹ کورس کے 16، فارسی زبان کے 02، کیلی گرافی اور گرافک ڈیزائن کے 01اور CABA-MDTP کے 30 سینٹرز چل رہے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ آبادی کے لحاظ سے یہ تناسب کم ہے اسے مزید اور بڑھانے کی ضرورت ہے۔ واضح ہو کہ شمال مشرقی ریاستوں میں اردو کے فروغ کے لیے فنڈ مختص ہے۔ اس موقع پر کونسل کے مندوبین کے ساتھ حکومت آسام کے متعلقہ محکموں کے سکریٹریز سے بھی اردو کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے تبادلہ خیال کیا گیا۔ اردو کے فروغ کے لیے حکومت آسام نے ہر ممکن تعاون کی یقین دہانی کرائی ۔کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کہا کہ اس طرح کے پروگرام کے انعقاد کے پیچھے بنیادی مقصد یہ ہے کہ متعدد اسکولوں، مدرسوں، غیر سرکاری تنظیموں اور اداروں کے ساتھ تبادلہ خیال کرتے ہوئے انھیں کونسل کی اسکیموں سے آگاہ کرایا جائے اور ان مسائل کے حل کے لیے ہر طرح کی سہولیات فراہم کی جائیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ایسے پروگراموں سے اردو کے Stakeshoder کے درمیان بیداری پیدا ہوگی اور امید ہے کہ کونسل کی مختلف اسکیموں سے لوگ حسب ضابطہ فائدہ اٹھائیں گے۔

شمالی مشرق کی دوسری ریاست منی پور میں کونسل کے زیر اہتمام ہوٹل امپھال میں انٹرا ایکٹیو پروگرام منعقد کیا گیا۔ اس پروگرام میں منی پور کی گورنر عزت مآب محترمہ نجمہ ہپت اللہ نے بطور مہمان خصوصی شرکت کی۔ انھوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو بے حد مقبول اور خوبصورت زبانوں میں سرفہرست ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انھوں نے اردو کو روزگار سے جوڑنے کے لیے قومی اردو کونسل سے عملی اقدامات کرنے پر زور دیا اور کہا کہ ملک میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اردو بول سکتے ہیں لیکن لکھ نہیں سکتے، انھیں اس بات کے لیے ترغیب دی جائے کہ وہ اردو رسم الخط سیکھ سکیں۔

منی پور کے قیام کے دوسرے دن حکومت منی پور کے متعلقہ افسران اور کونسل کے مندوبین کے مابین اردو کے فروغ اور اس کی ترویج و اشاعت کے لیے مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا گیا۔ میٹنگ میں ریاست منی پور میں ابتدائی سطح پر اردو زبان و ادب کے فروغ اور اردو منی پوری تہذیب کو مشترکہ طور پر ریاست منی پور میں پھیلانے کے امکانات پر تفصیلی گفتگو ہوئی۔ مذاکرے میں ایک یہ بھی اہم فیصلہ لیا گیا کہ قومی اردو کونسل حکومت ہند منی پور کے ساتھ مشترکہ طور پر منی پور میں 30-21 نومبر 2019 میں منعقد ہونے والے شنگھائی نیشنل فیسٹیول میں اردو غزل اور اردو ڈراما پیش کرے گی۔ میٹنگ میں یہ بھی فیصلہ لیا گیا کہ حکومت منی پور فوری طور پر ایک اردو سیل کا قیام کرے گی تاکہ کونسل اپنی اسکیموں کے نفاذ کے لیے اردو سیل سے کوآرڈینیٹ کر سکے۔ اس موقع پر کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کہا کہ ان تمام اسکیموں کو نافذ کرنے کے لیے اردو اکادمی کا قیام ضروری ہے۔ میٹنگ میں دوسرے امور مثلاً: مدرسہ بورڈ کا قیام، سرکاری و غیر سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے لیے اردو اساتذہ کی تقرری اور اردو کتابوں کی فراہمی جیسے اہم مسائل پر بھی گفتگو کی گئی۔

”اردو بے حد مقبول اور خوبصورت زبانوں میں سر فہرست ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہ درست نہیں ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو کو روزگار سے جوڑنے کے لیے قومی اردو کونسل سے عملی اقدامات کرنے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ ملک میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو اردو بول سکتے ہیں لیکن لکھ نہیں سکتے، انھیں اس بات کے لیے ترغیب دی جائے کہ وہ اردو رسم الخط سیکھ سکیں۔“

”کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے کہا کہ ان تمام اسکیموں کو نافذ کرنے کے لیے اردو اکادمی کا قیام ضروری ہے۔ میٹنگ میں دوسرے امور مثلاً : مدرسہ بورڈ کا قیام، سرکاری و غیر سرکاری اسکولوں میں اردو کی تعلیم کے لیے اردو اساتذہ کی تقرری اور اردو کتابوں کی فراہمی جیسے اہم مسائل پر بھی گفتگو کی گئی۔“

مذکورہ ریاستوں کے علاوہ انٹرا ایکٹیو پروگرام ملک کے دیگر ریاستوں میں بھی عنقریب منعقد کیے جائیں گے ساتھ ہی کونسل کی تمام اسکیموں کو ملک بھر، بالخصوص جن علاقوں میں ہنوز کونسل کی اسکیمیں نہیں پہنچائی گئی ہیں وہاں پہچایا جائے گا۔ قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد پورے جوش و خروش کے ساتھ کونسل کی سرگرمیوں کو شہر شہر اور قریہ قریہ لے جانے کے لیے شب و روز کوشاں ہیں۔

■

Dr. Shahid Akhtar Ansari
Shaheen Bagh
New Delhi - 110025

سہیل ارشد

تکنالوجی میں اردو کے کامیاب مستقبل کا راز پوشیدہ ہے

اردو رسائل میں اردو زبان کے تعلق سے جو بھی گفتگو ہوتی ہے ان سے حقیقی صورتِ حال کا ادراک نہیں ہوپاتا۔ زبان کی زمینی صورت حال کیا ہے اس سے آگہی کے لیے ضروری ہے کہ تحریکات و رجحانات کے بجائے ان بنیادی مسائل پر توجہ دی جائے جن کا زبان کے فروغ اور تحفظ سے تعلق ہے۔ عموماً اردو کے حقیقی مسائل سے اجتناب کیا جاتا ہے اور یہ جاننے کی کوشش نہیں کی جاتی کہ کن کن علاقوں میں اردو کی حقیقی صورتِ حال کیا ہے؟

ماہنامہ 'اردو دنیا' میں سوال نامے کے ذریعے دراصل اردو زبان کے بنیادی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ ملک کے مختلف علاقوں میں تعلیم، تدریس اور دیگر سطحوں پر اردو زبان کی صورت حال کیا ہے اور وہاں کس طرح کی دشواریاں اور مشکلات پیش آرہی ہیں۔ جب تک اردو زبان کے بنیادی مسائل پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا جائے گا تب تک اردو زبان کے تحفظ اور بقا کے لیے مربوط لائحہ عمل تیار کرنا مشکل ہوگا۔

سوال: زبانوں کی موت کے اسباب کیا ہیں؟

جواب : زبانیں جب اپنے دور کی سائنسی اور اقتصادی ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتیں اور اپنے اندر وسعت نہیں رکھتیں تو رفتہ رفتہ دوراز کار ہوجاتی ہیں۔ ان کے بولنے والوں کی تعداد کم ہوتی جاتی ہے اور وہ بالآخر مرجاتی ہیں۔

سوال: زبانوں کو زندہ رکھنے کے لیے کون سا طریقۂ کار اختیار کیا جانا چاہیے؟

جواب : زبان کو زندہ رکھنے کے لیے اس کو نئے دور کے تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ زبان کو بنیادی سطح سے لے کر اعلی سطح تک رواج دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ پرائمری سطح پر بچوں کو مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ اعلی سطح پر زبان کو سائنسی اور اقتصادی میدانوں میں قابل استعمال اور قابل عمل بنانے کے لیے اصطلاح سازی پر زیادہ توجہ دینی چاہیے اور اس کے لیے قومی اور عالمی سطح پر کمیٹی بنائی جائے اور ان اصطلاحوں کو آفاقی طور پر قابل قبول بنایا جائے۔ سائنسی اصطلاحات کو ثانوی بلکہ پرائمری سطح سے ہی بچوں میں مقبول بنایا جائے نیز مادری زبان میں ہی ذرائع ابلاغ کے استعمال کو یقینی بنایا جائے۔ اس جانب قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی ایک خوش آئند پیش رفت ہے۔ اس کو آگے بڑھانے کی ضرورت ہے۔

سوال: زبان کا تہذیب وثقافت سے کیا رشتہ ہے؟

جواب: ہر زبان کی اپنی تہذیب بھی ہوتی ہے اور ہر زبان کے بولنے والوں کا اپنا تہذیبی وثقافتی سرمایہ ہوتا ہے۔ اردو میں جتنا اسلامی سرمایہ محفوظ ہے اتنا کسی دوسرے مذہب کا سرمایہ نہیں ہے۔ آزادی سے قبل تک اردو ہندوؤں، سکھوں اور مسلمانوں کی مشترکہ زبان تھی مگر آزادی کے بعد دھیرے دھیرے اردو صرف مسلمانوں کی زبان بن کر رہ گئی۔ مگر اس میں بھی نصف صداقت ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ ملک کے تمام مسلمانوں کی زبان اردو ہے۔ مختلف ریاستوں کے مسلمان اسی ریاست کی علاقائی زبان کو اپناتے ہیں کیونکہ ریاستی زبانیں مسلمانوں کی اقتصادی ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ آسام کے مسلمانوں کی اکثریت آسامی کو اپناتی ہے، کیرالا کے مسلمانوں کی اکثریت ملیالم کو اپناتی ہے اور تمل ناڈو کے مسلمانوں کی اکثریت تمل کو۔ بنگال میں بنگلہ داں مسلمانوں کی خاصی آبادی ہے جن کی مادری زبان بنگلہ ہے۔ اردو داں طبقہ کی بھی بنگال میں اچھی آبادی ہے اور یہاں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ بھی دیا گیا ہے۔ یہی صورت حال دیگر ریاستوں میں بھی ہے۔ ان ریاستوں میں اردو کو مادری زبان قرار دینے والوں کی بھی خاصی آبادی ہے مگر ملک کے تمام مسلمانوں کی مادری زبان اردو نہیں ہے۔ پھر بھی اردو میں مسلمانوں کا مذہبی اور تہذیبی سرمایہ محفوظ ہے اور اس سرمائے کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لیے اردو کا تحفظ لازمی ہے۔ اس زبان کے تحفظ سے مسلمانوں کی مذہبی اور ثقافتی شناخت کا مسئلہ جڑا ہوا ہے۔

سوال: کیا زبانوں کی موت سے انسانی وراثت کے تحفظ کا مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے؟

جواب: جیسا کہ پہلے ہی کہا جاچکا ہے کہ ہر زبان ایک خاص تہذیب وثقافت کی امین ہوتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ مجموعی انسانی وراثت بھی ہر زبان میں محفوظ رہتی ہے۔ مثال کے طور پر سنسکرت، پالی اور ہندوستان کی ایک قدیم زبان سدھّم (Siddham) میں علمی اور تاریخی مواد محفوظ تھا۔ سنسکرت میں ویدوں اور اپنشدوں کا فلسفہ

محفوظ ہے۔ان زبانوں کے ختم ہونے سے ہندوستان کی تاریخ، فلسفہ، تہذیب و ثقافت کا ایک بڑا سرمایہ پردۂ خفا میں چلا جائے گا جو نسل انسانی کے لیے نقصان عظیم ہوگا۔

سوال: کیا کسی زبان میں خواندگی، سائنسی، سماجی مواد کی کمی سے زبان پر منفی اثرات پڑتے ہیں؟

جواب: سائنسی مواد کی کمی زبان پر سب سے زیادہ منفی اثرات ڈالتی ہے کیونکہ ہر زمانے میں سائنسی ترقیات انسانوں کی زندگی پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہیں۔ اس لیے اگر زبان بھی سائنسی ترقی کا ساتھ نہ دے سکے تو اس سے زبان ترقی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتی ہے۔ زبان اگر سماجی علوم کے فروغ کے ساتھ ساتھ آگے نہیں بڑھتی تو یہ بھی اس کی ترقی میں حائل ہوتی ہے۔

سوال: موجودہ حالات میں اردو زبان کو کس طرح کے خطرات لاحق ہیں؟

جواب : میرے خیال میں اردو کے ساتھ بقا کا مسئلہ نہیں ہے۔ یہ ترقی کر رہی ہے اور سائنس اور تکنالوجی کے ساتھ خود کو ہم آہنگ کر رہی ہے۔ مگر دوسری طرف اردو والوں میں مطالعہ سے بے رغبتی خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ یہ طبقہ صرف مذہبی ضرورتوں کے تحت ہی کتابیں خریدتا ہے۔ مثلاً قرآن شریف، حدیث کی کتابیں، نماز کا طریقہ اور چند مذہبی رسائل ہی مسلم گھرانوں میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس طبقے کو سائنس، تاریخ، ادب، سائنس اور دیگر علوم وفنون کے مطالعہ میں دلچسپی نہیں ہے۔ یہ طبقہ اردو اخبارات بھی بہت کم پڑھتا ہے۔ بہت سے اردو داں پروفیسر اور اساتذہ حضرات بھی اردو اخبار کے خریدار نہیں ہیں۔ واٹس ایپ کی سہولت کی وجہ سے صرف مطلوبہ خبر کا تراشہ ہی موبائیل پر ایک دوسرے کو بھیج دیتے ہیں۔

دوسرا خطرہ جو اردو زبان کو درپیش ہے وہ زبان کی صحت اور معیار کو ہے۔ درست اردو بولنے اور لکھنے والے بہت کم ملتے ہیں۔ بہت سے شاعر ادیب بھی درست اردو نہیں لکھ سکتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ معیاری ادب تخلیق نہیں ہو رہا ہے۔ ادب کے نام پر تعریفی و توصیفی مضامین لکھنے کی روایت چل پڑی ہے۔ تحقیق کا معیار افسوسناک ہے۔

سوال: کیا اردو کا چہرہ مسخ ہو رہا ہے؟ کیا اردو کی شکل بگڑ رہی ہے؟

جواب : یہ ایک مسئلہ ہے جو موجودہ دور میں اردو کے سامنے سنگین صورت میں موجود ہے۔ اخبارات اور ٹی وی پر غلط زبان کے چلن سے زبان کی شکل بگڑ رہی ہے اور اردو اپنی فصاحت، شائستگی، شستگی اور نزاکت سے دور ہوتی جارہی ہے۔ الفاظ کی نشست و برخاست کا خیال نہیں رکھا جاتا۔ لوگ زبان کے اصولوں کی پاسداری نہیں کرنا چاہتے۔ وہ الفاظ کو اپنی مرضی اور لسانی استعداد کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور اعتراض کرنے پر نہ صرف بگڑ جاتے ہیں بلکہ گالی گلوچ پر اتر آتے ہیں۔ اردو اخبارات نے زبان کو بگاڑنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ اردو اخبارات مالی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں اس لیے قابل افراد کو ملازمت نہیں دے سکتے۔ کم پڑھے لکھے افراد اخبار میں رکھ لیے جاتے ہیں جنھیں معمولی تنخواہ دی جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اخباروں میں خبروں کی زبان خامیوں سے پر ہوتی ہے۔ اکثر سرخیوں میں زبان کی فاش غلطیاں ہوتی ہیں۔ ایک اخبار نے مصر کی تنظیم مسلم برادر ہوڈ (Muslim Brotherhood) کا ترجمہ اخوان المسلمین کی بجائے مسلم بھائی چارہ کر دیا۔ اردو کے شاعر عباس علی خاں بیخود کو بیخود علی خاں لکھ دیا۔ تذکیر و تانیث کی غلطیاں تو عام ہیں۔ اب تو بچوں کے رسائل میں بھی زبان کی فاش غلطیاں دیکھی جارہی ہیں جبکہ ان کی ترتیب و تہذیب میں سخت نگرانی کی ضرورت ہے۔ مجموعی طور پر ٹی وی پر بولی جانے والی مخلوط زبان کو اردو زبان میں بگاڑ کا سبب بتایا جاتا ہے جو کہ نصف صداقت ہے۔

سوال: اردو کا مستقبل کیا ہے؟

جواب : اردو کے مستقبل کا اندازہ اس کے حال سے لگایا جاسکتا ہے۔ حال مایوس کن نہیں ہے۔ چند بنیادی مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہے۔ اردو کے مستقبل کے تئیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اردو جدید تکنالوجی سے آراستہ ہو رہی ہے۔ اس میں اس کے کامیاب مستقبل کا راز پوشیدہ ہے۔

ماہنامہ 'اردو دنیا' میں مشاہیر ادب کے انٹرویوز شائع کیے جاتے تھے، یہ ایک مقبول کالم تھا۔ یہ کالم ہنوز جاری ہے۔ بس اس کی شکل وصورت ذرا سی تبدیل کر دی گئی ہے تاکہ اردو کے تعلق سے غیر ضروری مباحث کے بجائے قارئین اردو زبان کی حقیقی صورت حال سے آگاہ ہو سکیں۔

س: زبانوں کی موت کی وجوہات کیا ہیں؟
س: زبانوں کو زندہ رکھنے کے لیے کون سا طریقہ کار اختیار کیا جانا چاہیے؟
س: زبان کا تہذیب وثقافت سے کیسا رشتہ ہے؟
س: کیا زبانوں کی موت سے انسانی وراثت کے تحفظ کا مسئلہ بھی جڑا ہوا ہے؟
س: کیا کسی زبان میں خواندگی، سائنسی، سماجی مواد کی کمی سے زبان پر منفی اثرات پڑتے ہیں؟
س: موجودہ حالات میں اردو زبان کو کس طرح کے خطرات لاحق ہیں؟
س: کیا اردو کا چہرہ مسخ ہو رہا ہے؟ کیا اردو کی شکل بگڑ رہی ہے؟
س: اردو کا مستقبل کیا ہے؟
س: زبان کی سطح پر جو بگاڑ پیدا ہو رہا ہے اس کو روکنے کے لیے کون سی ترکیبیں استعمال کی جاسکتی ہیں؟
س: کیا اردو کے ادارے، تنظیمیں، زبان سے زیادہ ادب پر توجہ دے رہے ہیں اور زبان سے متعلق کتابوں کی اشاعت تقریباً رک سی گئی ہے؟
س: کیا کلاسیکیت، جدیدیت وغیرہ پر گفتگو سے زبان کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟
س: آپ کے علاقے میں کتنے اردو میڈیم اسکول ہیں اور ان میں اساتذہ کی کتنی تعداد ہے؟
س: آپ کے علاقے میں کتنی لائبریریاں ہیں اور وہاں کون سے اخبارات اور رسائل آتے ہیں؟
س: آپ کے علاقے میں کتنی اردو تنظیمیں، ادارے اور انجمنیں ہیں اور وہ کس نہج پر اردو کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں؟
س: آپ کے علاقے میں اردو سے جڑی ہوئی کتنی شخصیات ہیں جن کی خدمات کا اعتراف علاقائی، قومی سطح پر نہیں کیا گیا ہے؟
س: آپ مقامی سطح پر اردو کے فروغ کے لیے کیا کوششیں کر رہے ہیں؟
س: آپ کے ذہن میں فروغ اردو کے لیے کیا تجاویز اور مشورے ہیں؟
س: اردو رسم الخط کی بقا کے لیے کیا کوششیں کیا جاسکتی ہیں؟
س: دوسری علاقائی زبانوں میں اردو کے فروغ کی کیا صورتیں ہو سکتی ہیں؟
س: کیا آپ کے اہل خانہ اردو زبان لکھنا پڑھنا اور بولنا جانتے ہیں؟
س: آپ کے بعد کیا آپ کے گھر میں اردو زندہ رہے گی؟
س: غیر اردو حلقے میں فروغ اردو کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جانی چاہیے؟
س: آپ کے علاقے میں کتنے کالجز یا یونیورسٹیز ہیں جن میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟
س: ملکی سطح پر غیر سرکاری تنظیموں سے اردو کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں کس طرح سے مدد لی جاسکتی ہے؟
س: سینٹرل اسکولوں اور نوودے ودیالیہ میں اردو کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام ہے؟

ماہنامہ 'اردو دنیا' میں اسی سوالنامے کی روشنی میں ان لوگوں کے انٹرویوز شائع کیے جائیں گے جو اردو زبان و ادب سے جڑے ہوئے ہیں اور اردو کی خدمت کا بے پناہ جذبہ رکھتے ہیں مگر انھیں اپنے خیالات کے اظہار کا موقع نہیں ملتا۔ یہ سوالنامہ ہر اس فرد کے لیے ہے جو اردو کاز اور مشن سے جڑا ہوا ہے۔ اس سوالنامے کے ذریعے ہمیں اردو زبان کے تعلق سے حقیقی صورت حال کا علم ہوگا اور اسی کی روشنی میں فروغ اردو کے لیے ایک روڈ میپ تیار کیا جائے گا۔ اپنے جوابات کے ساتھ سوانحی کوائف مع تصویر درج ذیل ای میل آئی ڈی پر بھیجیں: editor@ncpul.in ➢ urduduniyancpul@yahoo.co.in ➢

سوال: زبان کی سطح پر جو بگاڑ پیدا ہورہا ہے اس کو روکنے کے لیے کون سی ترکیبیں استعمال کی جاسکتی ہیں؟

جواب: زبان کے بگاڑ کا مسئلہ صرف اردو کے ساتھ نہیں ہے۔ صارفی کلچر نے دنیا بھر میں زبان کی صحت کو متاثر کیا ہے۔ عالمی طور پر زبان کو صرف خرید وفروخت کے وسیلے کے طور پر دیکھا جانے لگا ہے۔ بیچنے والا اور خریدنے والا جو زبان سمجھ لے بس اسی کو معیار قرار دیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سماجی طور پر غیر صحت منداور غیر معیاری زبان کو فروغ ہوا۔ اس کا منفی اثر اردو پر بھی پڑا۔ اس صارفی کلچر نے زبان کو آسان بنانے پر زور دیا اور اس نظریے کو اردو داں طبقے نے تقلید میں قبول کرلیا۔

اس نظریے کے نقصانات پر غور نہیں کیا۔ زبان صرف اظہار کا وسیلہ نہیں ہے بلکہ زبان سے ذہنی اور فکری تربیت بھی ہوتی ہے۔ زبان جتنی متمول اور Sophisticated ہوتی ہے اس کے بولنے والے بھی ذہنی طور پر اتنے ہی تیز اور ترقی یافتہ ہوتے ہیں۔ انگریزی ایک مشکل اور Sophisticated زبان ہے اس لیے اس کے بولنے والے دوسری لسانی قوموں سے سائنسی اور سیاسی میدان میں آگے ہیں۔ جاپانی زبان دنیا کی مشکل ترین زبانوں میں سے ایک ہے اس لیے جاپانی قوم نے بہت جلد دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کو سائنس کے میدان میں پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہی بات چینی زبان اور چینی قوم کے متعلق کہی جاسکتی ہے۔ لہذا، زبان کا مشکل ہونا کوئی عیب نہیں ہے جس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ابھی چار پانچ برس قبل ہندوستان کے ایک ادارے نے ایک سروے کیا تھا جس میں پایا گیا تھا کہ اردو ایک مشکل زبان ہے اور اسی لیے اس کے بولنے والے زیادہ ذہین ہوتے ہیں اور اردو شاعری کا مطالعہ ذہن کو صیقل کرتا ہے۔ لہذا، زبان کو اس زاویے سے بھی دیکھنا چاہیے۔ صرف صارفی ذہنیت یا نقطۂ نظر سے زبان کو دیکھنا غلط ہے۔ یہ مغربی قوموں کا نقطۂ نظر ہے جن کی نظر میں صارفیت اور اقتصادی اجارہ داری ہی اہم ہے۔

زبان کے بگاڑ کو روکنے کے لیے ٹی وی پر گرفت نہیں کی جاسکتی مگر اردو اخبارات میں زبان کے بگاڑ کا علاج کیا جاسکتا ہے۔ زیادہ تر اخبارات اپنے نامہ نگاروں کو مناسب تنخواہ نہیں دیتے۔ انھیں مفت خوری کی عادت چھوڑنی ہوگی۔ بغیر تنخواہ کے نااہل لوگ کام کرنے کے لیے تیار ہوجاتے ہیں اور وہ جو کچھ لکھ کر بھیجتے ہیں وہ من و عن چھپ جاتا ہے کیونکہ اخبار کے پاس ایڈیٹنگ اور پروف کے لیے الگ سے عملہ نہیں ہوتا۔ اخبارات کو صرف سند یافتہ صحافی رکھنے اور انھیں مناسب تنخواہ دینے کا پابند قانون کے ذریعہ بنانا ہوگا۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کو بھی اردو اخبارات کو اشتہار کے لیے کچھ شرائط رکھنی چاہئیں۔ اخبارات جاری کرنے کے لیے بھی پبلشر کو اس کا پابند بنانا ہوگا۔ اس سے زبان کے ساتھ ساتھ اردو صحافت کا معیار بھی بلند ہوگا۔

جاپانی زبان دنیا کی مشکل ترین زبانوں میں سے ایک ھے اس لیے جاپانی قوم نے بھت جلد دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کو سائنس کے میدان میں پیچھے چھوڑدیاھے۔ یھی بات چینی زبان اور چینی قوم کے متعلق کھی جاسکتی ھے۔ لھذا، زبان کا مشکل ھونا کوئی عیب نھیں ھے جس کو دور کرنے کی کوشش کی جائے۔ ابھی چار پانچ برس قبل ھندوستان کے ایک ادارے نے ایک سروے کیاتھا جس میں پایا گیاتھا کہ اردو ایک مشکل زبان ھے اوراسی لیے اس کے بولنے والے زیادہ ذھین ھوتے ھیں اور اردو شاعری کا مطالعہ ذھن کو صیقل کرتاھے۔ لھذا، زبان کو اس زاویے سے بھی دیکھنا چاھیے۔ صرف صارفی ذھنیت یا نقطۂ نظر سے زبان کو دیکھنا غلط ھے۔ یہ مغربی قوموں کا نقطۂ نظر ھے جن کی نظر میں صارفیت اور اقتصادی اجارہ داری ھی اھم ھے۔

تعلیمی سطح پر بھی اردو زبان کی صحت کے لیے اساتذہ کی زبان کی لیاقت اور صلاحیت کو لازمی بنایا جائے۔ بہت سے اساتذہ درست اردو لکھ نہیں سکتے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے محکمہ تعلیم کو ضابطے وضع کرنے ہوں گے۔

سوال: کیا اردو کے ادارے، تنظیمیں زبان سے زیادہ ادب پر توجہ دے رہی ہیں اور زبان سے متعلق کتابوں کی اشاعت تقریباً رک سی گئی ہے؟

جواب: اردو کے ادارے اور اکادمیاں زبان کے معیار کو بہتر بنانے کے بجائے ادب پر روپے خرچ کر رہی ہیں۔ ادب کا فروغ بھی صحیح خطوط پر نہیں ہورہا ہے۔ اکادمیاں غیر معیاری مسودوں کی مالی اعانت کرکے غیر معیاری ادب کو فروغ دے رہی ہیں اور سرکاری فنڈ کو استعمال کرنے کے نام پر غیر معیاری کتابوں کو انعام دے دیتی ہیں۔ ایسے لوگ بھی کتاب کے مصنف بن جاتے ہیں جنھیں معیاری مضمون لکھنے کا بھی تجربہ نہیں ہوتا۔ سمینار، کانفرنس اور مشاعرے ہی اردو اداروں کی جھولی میں رہ گئے ہیں۔ اردو اکادمیوں کے زیر اہتمام جو سمینار منعقد ہوتے ہیں ان میں بھی پڑھے گئے زیادہ تر مقالوں کا معیار پست ہوتا ہے۔ اکادمیاں ایسے مقالوں پر پانچ ہزار سے سات ہزار دے دیتی ہیں۔ کچھ اکادمیاں معمولی شاعروں کو ہوائی جہاز کے سفر کا خرچ، قیمتی ہوٹل میں قیام کی سہولت اور موٹی رقم دے دیتی ہیں کیونکہ ان کے پاس سرکاری فنڈ ہوتا ہے جسے خرچ کرنا ہوتا ہے اور ان کے پاس اردو کے فروغ کے لیے ٹھوس اسکیمیں نہیں ہوتیں۔

سوال: کیا کلاسیکیت، جدیدیت وغیرہ پر گفتگو سے زبان کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے؟

جواب: ادبی نظریات اور علمی وفکری مباحث ادب کو مالا مال کرتے ہیں اور کوئی زبان اپنے ادب سے ہی زندہ رہتی ہے۔ لہٰذا، ادب کو زندہ رکھنے اور اسے ترقی دینے کے لیے عالمی ادبی نظریات سے استفادہ کرنا ضروری ہے۔

سوال: آپ کے علاقے میں کتنے اردو میڈیم اسکول ہیں اور ان میں اساتذہ کی تعداد کتنی ہے؟

سوال: ہمارے علاقے ضلع پچھّم بردوان میں تقریباً پندرہ اردو میڈیم جونیئر ہائی اسکول، ہائی اسکول اور ہائر سکنڈری اسکول ہیں جن میں اساتذہ کی تعداد سو سے زیادہ ہے۔ یہاں کے اسکولوں میں اساتذہ کی پچاس فیصد اسامیاں خالی ہیں۔ اس وجہ سے تعلیم کا معیار متاثر ہوتا ہے۔

سوال: آپ کے علاقے میں کتنی لائبریریاں ہیں اور ان میں کون سے اخبارات ورسائل آتے ہیں؟

جواب: ہمارے علاقے میں چھ سات لائبریریاں ہیں جن میں ادبی ونیم ادبی رسائل، مسابقتی امتحانات کے لیے تیاری کرنے والوں کے لیے جنرل نالج کے رسائل کے علاوہ اردو دنیا، امنگ، بچوں کی دنیا و دیگر ادبی رسائل آتے ہیں۔ دو سرکاری لائبریریاں رانی گنج اور آسنسول میں ہیں جن میں اردو کی کتابیں بھی ہیں۔ کچھ لائبریریوں میں سرکاری ملازمت کے لیے امتحانات کی تیاری کا نظم بھی حال میں کیا گیا ہے جو ایک قابل تعریف قدم ہے۔

سوال: آپ کے علاقے میں اردو سے جڑی ہوئی کتنی شخصیات ہیں جن کی خدمات کا اعتراف علاقائی اور قومی سطح پر نہیں کیا گیا ہے؟

جواب: ضلع پچھّم بردوان میں کئی ادبی شخصیات ہیں جنھوں نے یہاں اردو زبان اور ادب کے فروغ کے لیے سخت جدوجہد کی۔ مگر ان کی خدمات کا اعتراف ریاستی

اور قومی سطح پر نہیں کیا گیا۔ یہاں کے ایک عظیم شاعر اور افسانہ نگار سہیل واسطی تھے جن کے افسانے آزادی کے بعد کے مقتدر رسائل میں شائع ہوئے اور گوپال متل نے اپنی کتاب 'آزادی کا ادب' میں ان کا افسانہ 'شانتی پیدا ہوئی' کو شامل کیا تھا۔ مگر قومی سطح پر ان کی خدمات کا اعتراف نہیں ہوا۔ دوسرے افسانہ نگار شمس ندیم تھے جنھوں نے جدید اردو افسانے میں نام کمایا۔ ان کے افسانے بھی قومی رسائل میں شائع ہوئے۔ شریف ارشد شاعر اور نقاد تھے اور عنوان چشتی، شمس الرحمان فاروقی، صلاح الدین پرویز، بشیر بدر، کرامت علی کرامت، علقمہ شبلی اور اشہر ہاشمی جیسے نامور شاعروں اور ادیبوں کے ادبی دوستوں میں شامل تھے۔ ان کے تنقیدی مضامین شب خون، الفاظ، شیرازہ، فکر و آگہی، پہچان، جیسے معیاری رسائل میں شائع ہوئے۔ انھوں نے اپنے شہر انڈال میں اقبال اکادمی نام کا اسکول قائم کیا اور اسے سرکاری منظوری دلوائی۔ انھوں نے انڈال میں اردو زبان و ادب کی ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ مگر ان کی خدمات کا بھی اعتراف نہیں کیا گیا۔ اردو کے معتبر اور مستند شاعر رونق نعیم بھی اسی علاقے کے قدیم شہر رانی گنج سے تعلق رکھتے تھے۔ انھیں بنگال اردو اکادمی نے انعام سے نوازا اور ان پر مونوگراف بھی لکھوایا۔ مگر قومی سطح پر ان کے فکر و فن پر جو کام ہونا چاہیے تھا وہ نہیں ہوا۔

سوال: آپ مقامی طور پر اردو کے فروغ کے لیے کیا کوششیں کر رہے ہیں؟

جواب: میں کالج کے زمانے سے ہی اردو کے فروغ میں سرگرم حصہ لے رہا ہوں۔ 1991 میں ضلع بردوان کی انتظامیہ نے پورے ضلع میں خواندگی مہم چلائی تھی۔ میں اس مہم کا ایک رکن تھا۔ نیشنل لٹریسی مشن کی طرف سے ماسٹر ٹرینروں کو تربیت پٹنہ کے علی امام صاحب نے دی تھی۔ میں بھی ان ماسٹر ٹرینروں میں سے ایک تھا۔ میں نے درجنوں والنٹیر ٹرینروں کو تربیت دی اور تعلیم بالغان کے کئی مراکز کھولے اور وہاں ناخواندہ لوگوں کی تعلیم کی نگرانی کی۔ اس مہم کے دوران سیکڑوں ناخواندہ مرد اور خواتین نے اردو لکھنا پڑھنا سیکھا۔ میں نے کئی مقامی اور ریاستی سطح کے مشاعرے کرائے اور بچوں کے لیے ڈراموں کی ہدایت دی۔ میں نے اردو ڈرامے کے فروغ کے لیے آغا حشر ڈراما اکادمی کی بنیاد ڈالی اور انڈال میں اردو ڈرامے کی پیشکش کا باقاعدہ آغاز کیا۔ میری مختصر سی تحقیقی کتاب ''ضلع بردوان میں اردو ڈراما'' انڈال سے شائع ہونے والی پہلی کتاب ہے۔ میں نے رانی گنج میں میزان سوسائٹی فار پیس اینڈ ہارمونی نام کا ادارہ قائم کیا ہے۔ میں رانی گنج کی اردو لائبریری کا ایک اہم رکن تھا۔ اس کے زیر اہتمام ایک مجلّہ 'ہلال' میری ادارت میں شائع ہوا۔ اردو کے مسائل پر میرے مضامین مقامی اور قومی اردو اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ میں نے ایک سہ ماہی رسالہ 'جاپانی ادب' بھی جاری کیا جس کا ایک شمارہ شائع ہوا۔ میرے صحافتی مضامین صحافت (دہلی)، چوتھی دنیا، عزیز الہند، قومی تنظیم، فاروقی تنظیم، سنگم، راشٹریہ سہارا، اخبار مشرق، آبشار اور آزاد ہند اور دیگر اخبارات میں شائع ہوئے۔ میری شعری اور نثری تخلیقات ماہنامہ آجکل، شاعر، نیا ورق، کتاب نما، ایوان اردو، اردو دنیا، روح ادب، انشا، زبان و ادب، ادیب، سب رس، امید سحر، گلبن، موج اردو، جہاں نما، امنگ، پرواز ادب، تعمیر ہریانہ، جمنا تٹ، فروغ اردو، پاسبان، نیا دور جیسے معیاری رسائل میں شائع ہوئیں۔

هر اکادمی اور سرکاری اداره ایک سائنس سب کمیٹی بنائے اور سائنسی ماهرین کی خدمات حاصل کرے۔ اس کے تحت سائنسی ادب کے فروغ کے اقدامات کیے جائیں۔ اردو داں سائنس دانوں کو اعزازات سے نوازا جائے۔ ان کی ایجادات اور دریافتوں کو منظر عام پر لائے۔ طلبه میں سائنسی پروجیکٹ کی حوصله افزائی کی جائے اور انهیں انعامات سے نوازا جائے۔

سوال: آپ کے ذہن میں فروغ اردو کے لیے کیا تجاویز اور مشورے ہیں؟

جواب: فی زمانہ حکومتیں اردو کے فروغ کے لیے کروڑوں روپئے دے رہی ہیں۔ ان کا بڑا حصہ سمیناروں، مشاعروں اور کتابوں کی اشاعت پر خرچ ہو رہا ہے۔ اقربا پروری اور بدعنوانی کی بھی خبریں آتی رہتی ہیں۔ کل ملا کر یہ رقم سوا ارب کروڑ روپئے سالانہ تک پہنچتی ہے۔ اتنی بڑی رقم کے استعمال کے لیے ٹھوس لائحہ عمل اور منظم حکمت عملی نہ ہونے کی وجہ سے اردو زبان و ادب کے فروغ کا کام خاطر خواہ طریقے سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ اس رقم کا استعمال صحیح خطوط پر ہو تو ملک میں اردو کی تقدیر بدل سکتی ہے۔ اس کے لیے چند تجاویز مندرجہ ذیل ہیں:

سمیناروں کی تعداد بالکل محدود کردی جائے

پورے ملک میں اردو خواندگی مراکز کھولے جائیں

اردو زبان کے فی البدیہہ تحریری مقابلے منعقد کیے جائیں اور طلبہ کو مناسب رقم انعام میں دی جائے۔

ہر اکادمی اور سرکاری ادارہ ایک سائنس سب کمیٹی بنائے اور سائنسی ماہرین کی خدمات حاصل کرے۔ اس کے تحت سائنسی ادب کے فروغ کے اقدامات کیے جائیں۔

اردو داں سائنس دانوں کو اعزازات سے نوازا جائے۔ ان کی ایجادات اور دریافتوں کو منظر عام پر لائے۔ طلبہ میں سائنسی پروجیکٹ کی حوصلہ افزائی کی جائے اور انھیں انعامات سے نوازا جائے۔

علاقائی سطح پر اردو کے فروغ کے لیے کوئی نئی اور مفید تجویز دینے والے ادارے یا فرد کو مالی تعاون دیا جائے۔

ہائی اسکول سے گریجویشن کی سطح تک سائنس میں امتیازی نمبر لانے والے طلبہ کو انعام یا اسکالرشپ دی جائے۔ اردو کے سائنس ٹیچروں میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

اردو زبان کی خدمت کرنے والے غیر مسلم تخلیق کاروں اور کارکنوں کو ہر سال ایوارڈ دیا جائے۔

کوئی طالب جس کی مادری زبان اردو نہ ہو اگر وہ اردو کو ذریعہ تعلیم کے طور پر اپناتا ہے تو اسے اسکالرشپ دی جائے۔ اردو کے اہم اور مفید تحقیقی پروجیکٹوں کو ہی منظوری دی جائے۔

اردو رسم الخط کو کوئی خطره در پیش نهیں هے۔ اردو کے کچھ احساس کمتری کے شکار ادیبوں اور دانشوروں نے اس کو مسئله بنا کر پیش کیا تھا۔ اور اس پر طویل بحث چھیڑی تھی۔ میں نام لینا نهیں چاهتا۔ آج وه لوگ خود حقیقت دیکھ رهے هیں که واٹس ایپ اور فیس بک پر بھی اردو داں لوگ اردو رسم الخط میں هی پوسٹ لگاتے هیں۔

سوال: اردو رسم الخط کی بقاء کے لیے کیا کوششیں کی جاسکتی ہیں؟

جواب: اردو رسم الخط کو کوئی خطرہ درپیش نہیں ہے۔ اردو کے کچھ احساس کمتری کے شکار ادیبوں اور دانشوروں نے اس کو مسئلہ بنا کر پیش کیا تھا۔ اور اس پر طویل بحث چھیڑی تھی۔ میں نام لینا نہیں چاہتا۔ آج وہ لوگ خود حقیقت دیکھ رہے ہیں کہ واٹس ایپ اور فیس بک پر بھی اردو داں لوگ اردو رسم الخط میں ہی پوسٹ لگاتے ہیں۔

سوال: دوسری علاقائی زبانوں میں اردو کے فروغ کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟

جواب: اردو کے معیاری ادب کو فروغ صرف علاقائی زبانوں میں نہیں بلکہ عالمی زبانوں میں بھی دینا ہوگا۔ اردو کی معیاری تصنیفات و تخلیقات کا ترجمہ علاقائی اور عالمی زبانوں میں کیا جائے۔ آج اردو کا ادب دنیا کی کئی

زبانوں مشمول نی ہونگو (جاپانی زبان) میں ہورہا ہے۔ اس دائرے کو وسعت دی جائے اور اردو کے ادب کو عالمی سطح پر فروغ دیا جائے۔ تبھی اردو کو عالمی سطح پر پہچان ملے گی اور اردو کی تصنیفات کو عالمی ادبی انعامات سے نوازا جائے گا۔ اردو کا ادب دیگر عالمی زبانوں کے ادب سے کسی بھی طرح کم تر نہیں ہے۔ 2012 میں امریکہ کے ایک سرکاری ادارے نے دنیا کی بارہ زبانوں کے سولہ ناولوں کا انتخاب کیا تھا۔ ان میں ہندوستان سے صرف ایک ناول منتخب ہوا تھا اور وہ ناول تھا پیغام آفاقی کا 'مکان'۔ لہٰذا، اردو ادب کے تراجم سے اردو کو عالمی سطح پر پہچان دلانے میں مدد ملے گی۔

سوال: کیا آپ کے اہل خاندان اردو لکھنا پڑھنا جانتے ہیں؟

جواب: جی ہاں

سوال: کیا آپ کے بعد آپ کے گھر میں اردو زندہ رہے گی؟

جواب: زندہ ہی نہیں رہے گی تابندہ بھی رہے گی۔

سوال: غیر اردو داں حلقے میں اردو کے فروغ کے لیے کیا حکمت عملی اختیار کی جانی چاہیے؟

جواب: غیر اردو داں طبقہ تب ہی اردو سیکھنے اور پڑھنے پر مائل ہوگا جب اسے اردو میں اپنی ضرورت کی چیزیں ملے گی۔ اردو اخبارات کو مسلمانوں کا اخبار بنادیا گیا ہے۔ اردو زبان کو مسلمان بنانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ غیر اردو داں طبقہ اردو پڑھے۔ ایک افسوس ناک واقعہ کا ذکر کرتا چلوں۔ ایک اخبار کے ایڈیٹر نے مجھے بتایا کہ ایک دن ہمارے پاس پاکستان کے ایک قدیم مندر پر ایک فیچر آیا۔ اس کے ساتھ اس مندر کی تصویر بھی تھی۔ میں نے پیج میکر سے کہہ دیا کہ اس فیچر کو شامل کرلو اور تصویر بھی لازمی طور پر لگادو۔ اس نے فیچر کو تصویر کے ساتھ لگادیا۔ جب اخبار کے ایک مذہبی مزاج رکھنے والے اسٹاف نے دیکھا کہ اخبار میں مندر کی تصویر لگائی گئی ہے تو وہ چراغ پا ہوگیا۔ اس نے کہا کہ اردو اخبار میں مندر کی تصویر کی اشاعت بہت بری بات ہے۔ تصویر کو ہٹادو۔ پیج میکر نے اس کے اصرار پر وہ تصویر ہٹادی۔ جب میرے پاس اخبار کی فائنل کاپی آئی تو میں نے فیچر کے ساتھ تصویر نہ دیکھ کر پیج میکر سے جواب طلب کیا۔ اس نے سارا واقعہ بتایا۔ میں نے پیج میکر سے کہا کہ وہ تصویر لگاؤ۔ چنانچہ اس نے پھر تصویر لگادی۔ یہ دیکھ کر اس اسٹاف نے اخبار کے مالک سے جو ہندو تھے جا کر کہا کہ ایڈیٹر صاحب اخبار میں مندر کی تصویر لگارہے ہیں اس سے مسلمانوں میں شدید ردعمل ہوگا اور اخبار کے سرکولیشن پر برا اثر پڑے گا۔ ہندو مالک نے مجھے بلاکر سمجھانے کی کوشش کی کہ اگر واقعی اس تصویر کی اشاعت پر مسلمانوں کو اعتراض ہوگا تو آپ وہ تصویر نہ لگائیں۔ مگر میں نے کہا کہ وہ تصویر لگے گی کیونکہ فیچر کی جان وہ تصویر ہے۔ چنانچہ وہ فیچر تصویر کے ساتھ اخبار میں شائع ہوا۔ مگر دوسرے دن اس اسٹاف نے احتجاجاً ہمارا اخبار چھوڑ دیا۔ اردو اخبارات میں دیگر مذاہب کے تہواروں اور دیگر ثقافتی تقریبات کی خبریں اور ان پر مضامین نہیں چھاپے جاتے چند ایک کے استثناء کے ساتھ۔ اردو زبان کے تئیں اس طرح کی ذہنیت کو بدلنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم کہتے ہیں کہ اردو صرف مسلمانوں کی نہیں ہندوؤں کی بھی زبان ہے تو ہمیں اس کا عملی ثبوت دینا ہوگا۔ تب ہی غیر

غیر اردو داں طبقہ تب ہی اردو سیکھنے اور پڑھنے پر مائل ہوگا جب اسے اردو میں اپنی ضرورت کی چیزیں ملے گی۔ اردو اخبارات کو مسلمانوں کا اخبار بنادیاگیاہے۔ اردو زبان کو مسلمان بنانے کی بھی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ہم یہ بھی چاہتے ہیں کہ غیر اردو داں طبقہ اردو پڑھے۔ ایک افسو س ناک واقعہ کا ذکر کرتاچلوں۔ ایک اخبار کے ایڈیٹر نے مجھے بتایا کہ ایک دن ہمارے پاس پاکستان کے ایک قدیم مندر پر ایک فیچر آیا۔ اس کے ساتھ اس مندر کی تصویر بھی تھی۔ میں نے پیج میکر سے کہہ دیا کہ اس فیچر کو شامل کرلو اور تصویر بھی لازمی طور پر لگادو۔

مسلم اردو سیکھنے اور پڑھنے پر مائل ہوں گے۔

سوال: آپ کے علاقے میں کتنے کالجز اور یونیورسٹیز ہیں جن میں اردو کی تعلیم دی جاتی ہے اور وہاں اردو پڑھنے والوں کی تعداد کتنی ہے؟

جواب: ضلع بردوان کئی لحاظ سے تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ بنگلہ کے مشہور شاعر اور مجاہد آزادی اسی ضلع کے ایک گاؤں چرولیا میں پیدا ہوئے۔ یہاں کے ایک قدیم شہر رانی گنج میں ہائی اسکول کی تعلیم حاصل کی اور آسنسول کی ایک بیکری میں کچھ ماہ کام کیا۔ بنگلہ کے نوبل انعام یافتہ شاعر رابندر ناتھ ٹیگور کے دادا دوارکا ناتھ ٹھاکر کی رانی گنج میں کوئلے کی کانیں تھیں۔ یہ بنگال میں کلکتہ کے بعد اردو زبان کا ایک بڑا مرکز ہے۔ یہاں قومی سطح کے کئی اردو شاعر و ادیب ہوئے۔ ضلع پچھم بردوان میں چار کالج ہیں جہاں اردو کا شعبہ ہے۔ ان میں تقریباً چھ سو طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ ہمارا ضلع پہلے ضلع بردوان کہلاتا تھا۔ گزشتہ سال اسے تقسیم کرکے پچھم بردوان اور پوربی بردوان بنادیا گیا۔ غیر منقسم بردوان میں بردوان یونیورسٹی تھی جواب بھی ہے۔ مگر اس میں کبھی بھی اردو کا شعبہ قائم نہیں ہوا۔ اب تقسیم کے بعد آسنسول میں قاضی نذرالاسلام یونیورسٹی قائم ہوئی ہے مگر اس میں بھی اردو کا شعبہ قائم نہیں کیا جارہا ہے جبکہ یہاں کا اردو طبقہ روز اول سے ہی اس کا مطالبہ کررہا ہے۔ اس ضلع میں بنگلہ داں بیوروکریسی میں لسانی عصبیت اتنی زیادہ ہے کہ وہ یونیورسٹی کے کامپلیکس میں اردو کو دیکھنا نہیں چاہتے۔ اس لیے وہ اردو کا شعبہ کسی کالج میں ہی قائم کردیتے ہیں مگر یونیورسٹی میں اردو کو داخل نہیں ہونے دیتے۔ ہندی کا شعبہ اس یونیورسٹی میں قائم کردیا گیا ہے۔ مگر اردو میں ایم اے اور ایم فل کا شعبہ یہاں کے دو کالجوں کو دے دیا گیا ہے۔ اس سے قبل بردوان یونیورسٹی نے بھی اردو کا شعبہ نہیں قائم کیا تھا اور ہگلی کے ایک کالج کو ایم اے کا شعبہ دے دیا تھا۔ اس معاملے کو پارلیامنٹ میں اٹھانے کی ضرورت ہے۔

سوال: ملکی سطح پر غیر سرکاری تنظیموں سے اردو کی ترویج و اشاعت کے لیے کس طرح کی مدد لی جاسکتی ہے؟

جواب: غیر سرکاری تنظیموں کو اردو خواندگی مراکز، تعلیم بالغان مراکز، اردو زبان میں تحریری استعداد بڑھانے کے لیے طلبہ کے لیے ماہانہ تحریری و تقریری مقابلے کے لیے مراکز، سائنسی مضمون میں طلبہ کا ٹیلنٹ ہنٹ (Talent Hunt)، اردو زبان میں دیگر زبانوں سے اردو میں اور اردو سے دیگر علاقائی اور عالمی زبانوں میں ترجموں کی ذمے داری، اردو تھیئٹر کو فروغ اور ادب اطفال سے متعلق پروگراموں اور اسکیموں کے نفاذ میں مدد لی جاسکتی ہے۔ کمپیوٹر کے اعلی پیشہ ورانہ کورس کے لیے بھی قومی کونسل کے علاقائی تربیتی مراکز کھولے جائیں اور سمیناروں اور مشاعروں پر روپے خرچ کرنے کی بجائے ان عملی پروگراموں پر ہی تمام روپے خرچ کیے جائیں۔

سوال: کیندریہ ودیالیہ اور نودے ودیالیہ میں اردو کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام ہے؟

جواب: ضلع بردوان کے کیندریہ ودیالیہ میں اردو کی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ اردو داں طبقے کے بچوں کو ہندی پڑھنا پڑتا ہے۔ اس سلسلے میں سرکاری سطح پر کوشش ہونی چاہیے۔

■

Sohail Arshad, Raja Baandh, J.C. Ghosh Road
PO: Raniganj - 713347 (WB)
Mob.: 9647926816
Email: s_arshad7@rediffmail.com

شمیم احمد صدیقی

تضمین نگاری

ہمارے برِصغیر میں عرصہ سے یہ رواج چلا آرہا ہے کہ کسی مشہور ادیب، شاعر، محقق یا زبان و ادب کے فروغ کے لیے خود کو وقف کر دینے والی کسی ہستی کے دارِفانی سے کوچ کر جانے کے بعد اُس سے عقیدت ومحبت رکھنے والے متوسلیں نیز ادبی جرائد کے مدیران گوشے شائع کر کے خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اِدھر کچھ عرصہ سے اس رواج میں یہ خوشگوار ترمیم ہوئی ہے کہ اُردو زبان وادب کے وہ سپاہی جو فی الوقت بقیدِ حیات ہیں لیکن پرواز کے لیے پرتول رہے ہیں اُن صاحبان کے بھی گوشے شائع کیے جانے لگے ہیں۔ان گوشوں کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نئی نسل میں اپنی صلاحیتوں کو مثبت کاموں میں صرف کرنے کی ترغیب کے ساتھ اُس کے حوصلہ اور ہمت میں اضافہ ہوتا ہے۔اور وہ اپنے بزرگوں کے ورثہ کی حفاظت کرتے ہوئے ان کے ذریعہ شروع کیے گئے کسی ترقیاتی پروگرام کی تکمیل کے لیے کم بستہ بھی ہوتی ہے۔ہم آج ان سطور کے ذریعہ جس مخلوق کے گوشہ کی بات کر رہے ہیں وہ نہ تو انسانوں کی طرح سوچنے سمجھنے اور ہاتھ پیر ہلانے کی صلاحیت رکھتی ہے اور نہ وہ ہم انسانوں کی طرح اپنی رگوں میں دوڑنے والا گرم خون رکھتی ہے البتہ وہ صاحبِ ذوق انسانوں کی شریانوں میں گردش کرنے والے خون کو مزید گرم کرنے، جذبات میں خوشگوار تحریک جگانے اور قلب و دماغ کو سکون بخشنے اور ان سب کے نتیجے میں اُن کے قلم کو حرکت میں لانے کی بے پناہ صلاحیت رکھتی ہے۔جی ہاں! ہم تضمین نگاری کے اُس تخلیقی عمل کی صفات کا ہی ذکر کر رہے ہیں جس کے ذریعہ کوئی عصری شاعر عموماً اپنے استاد یا کسی دوسرے بزرگ کی شاعرانہ عظمت یا دیگر اوصاف کے اعتراف میں اُن سے اپنے تعلق، عقیدت اور محبت کا اظہار اس طور پر کرتا ہے کہ اُن کے کلام کے کسی جُز کو اپنی کسی شعری تخلیق میں ضم کر کے پیش کرتا ہے۔1 تضمین سے متعلق یہ گوشہ شائع کرنے کا مقصد اُردو زبان وادب کے دانشوران اور اعلیٰ تعلیم کے نصاب تیار کرنے والے ذمہ داران کو یہ احساس دلانا ہے کہ تضمین گوئی یا تضمین سازی، جس کے اندر نئی نسل کو سُخن دانی اور سُخن فہمی کے نکات سے باخبر کرنے اور فکر کو قوی کرنے کی بے مثل صلاحیت ہے وہ ہماری دانش گاہوں کے اُردو شعبہ جات میں مسلسل بے توجہی کا شکار ہونے کی بنا پر ادبی منظر نامے سے بالکلیہ نہیں تو بڑی حد تک محو ہو چکی ہے اور اگر اس کے احیا اور ترویج کے تئیں جلد فکر نہ کی گئی تو آئندہ آنے والی نسل کے نوجوان ادبی و شعری استعداد رکھتے ہوئے بھی اس فن پر طبع آزمائی کو تضیع اوقات گردانتے ہوئے یکسر فراموش کر بیٹھیں گے۔خاکسار کو گذشتہ چند برسوں میں دیگر فنون کے علاوہ کم وبیش دو درجن شعری مجموعوں پر تبصرے قلم بند کرنے کا اتفاق ہوا ہے جن میں صرف ایک شاعر ذوالقدر خمار سہارنپوری کے شعری مجموعہ 'شاخِ گل' میں تو چند تضمینات

تضمین سے متعلق یہ گوشہ شائع کر نے کا مقصد اُردو زبان و ادب کے دانشوران اور اعلیٰ تعلیم کے نصاب تیار کرنے والے ذمہ داران کو یہ احساس دلانا ہے کہ تضمین گوئی یا تضمین سازی، جس کے اندر نئی نسل کو سُخن دانی اور سُخن فہمی کے نکات سے باخبر کر نے اور فکر کو قوی کر نے کی بے مثل صلاحیت ہے وہ ہماری دانش گاہوں کے اُردو شعبہ جات میں مسلسل بے تو جہی کا شکار ہونے کی بنا پر ادبی منظر نامے سے بالکلیہ نہیں تو بڑی حدتک محو ہو چکی ہے اور اگر اس کے احیا اور ترو یج کے تئیں جلد فکر نہ کی گئی تو آئندہ آنے والی نسل کے نو جوان ادبی و شعری استعداد رکھتے ہوئے بھی اس فن پر طبع آزمائی کو تضییع اوقات گردانتے ہوئے یکسر فراموش کر بیٹھیں گے۔

دیکھنے کوملیں ورنہ کسی دیگر مجموعہ میں ایک بھی تضمین نہ تھی۔مزید یہ کہ خمار سہارنپوری اپنی عمر کی ساٹھ سے زائد بہاریں دیکھ چکے ہیں۔

تضمین کی تخلیق کسی غزل یا نظم کے ایک مصرعہ کو بنیاد بنا کر بھی کی جاتی ہے لیکن عموماً یہ کسی غزل یا نظم کے ایک شعر یا تمام اشعار کو اپنی تخلیق میں ضم کر کے انجام دی جاتی ہے۔ہئیت کے اعتبار سے یہ ایک شعر،قطعہ،رُباعی، مخمّس یا مسدس کچھ بھی ہوسکتی ہے۔ہم ذیل میں بطور نمونہ اوّلاً ایک مصرعہ پھر ایک شعر اور آخر میں پوری نظم یا غزل کے تمام اشعار کو ضم کرتے ہوئے تخلیق کی گئی تضمینات کی مثالیں پیش کررہے ہیں:

(الف) صرف ایک مصرعہ کی بنیاد پر مرتب تضمینات

(1) شعر کی تخلیق:امیر مینائی کی پرنواسی ثریا صولت حسین (مقیم حال نئی بمبئی) نے حکیم مومن خاں مومن کے مشہورِ زمانہ شعر۔

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

کے مصرعہ ثانی کو اپنے شعر میں خوبصورتی سے ضم کیاہے۔2دیکھیے

دل کی دھڑکن سنائی دیتی ہے
''جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا''

(2) قطعہ کی تخلیق: کشمیری شاعر پنڈت کیلاس نرائن کول بیدل دہلوی نے مرزا محمد رضا برق لکھنوی کے شعر۔

اے صنم وصل کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے
''وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے''

کے مصرعہ ثانی کو بڑی عمدگی سے درجِ ذیل قطعہ میں ضم کیا ہے۔3

کوئی کہتا ہے کہ انسان کا کیا ہوتا ہے
کوئی کہتا ہے مقدّر کا لکھا ہوتا ہے
ہے تعجب کہ ابھی تک نہیں سمجھی دنیا
''وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے''

(3) رُباعی کی تخلیق: بھوپال کے ظفر نسیمی صاحب نے مشہور رُباعی گو شاعر میر انیس کی ایک رباعی کے آخری مصرعہ کو رُباعی کے تین مصرعہ تخلیق کر کے اپنی رُباعی مکمل کی گویا تضمینی رباعی کی تخلیق کی۔4ہم وہ دونوں رباعیات نقل کررہے ہیں۔

میر انیس۔

مانا ہم نے کہ عیب سے پاک ہے تو
مغرور نہ ہو جو اہلِ ادراک ہے تو
بالفرض گر آسماں ہے تیرا مقام
انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو

ظفر نسیمی۔

دہشت ہے ترا پیشہ وہ سفّاک ہے تو
جلاّد ہے، وحشی ہے، غضبناک ہے تو
مل جائے گا مٹی میں کسی دن تو بھی
''انجام کو سوچ لے کہ پھر خاک ہے تو''

(4)مخمس کی تخلیق : نظیر اکبرآبادی کی مشہور مخمس نظم 'بنجارا نامہ' کے ہر بند کا اختتام اس مصرعہ پر ہوتا ہے۔

سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

کلکتہ کے عوامی شاعر اشک امرتسری نے اسی مصرعہ کو بنیاد بناتے ہوئے گیارہ بند کی مخمس نظم مرتب کی جس کا اولین بند یہ ہے5۔

کیا دشت و دمن، کیا سرو سمن، کیا صحنِ چمن کیا فوّارہ
کیا شیشہ و مے کیا نغمہ و نے، کیا رقصِ بتانِ مہ پارہ
کیا بنتِ عنب، کیا سازِ طرب، کیا ڈھولک، نوبت نقّارہ
کیا وائرلس، کیا ریڈیوسٹ، کیا پیانو، بنجو، اکتارا
''سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا''

(ب) کسی ایک شعر کی بنیاد پر تخلیق کر دہ تضمینات

اس زمرے کی تضمینات عموماً مخمس اور مسدس کی شکل میں تخلیق کی جاتی رہی ہیں اور ان کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔

(1) صرف ایك بند کی تخلیق: 1950 کی دہائی میں مولانا آزاد کالج کلکتہ (قدیم نام اسلامیہ کالج) میں ایک طرحی مشاعرہ ہوا تھا۔جن شعرا نے اس مشاعرہ میں غزلیات پیش کی تھیں اُن کے ایک ایک پسندیدہ شعر کی مخمس تضمین اشک امرتسری نے تخلیق کی تھی۔ہم یہاں صرف دو شعرا کے پسندیدہ اشعار پر کہی گئی تضمین نقل کرتے ہیں۔5

تضمین بر شعر جُرم محمد آبادی۔

یہ مرا ذوقِ سخن میرے کام آ نہ سکا
یہ مرا نغمۂ رنگین گل کھلا نہ سکا
ہجومِ شوق بھی منزل قریب لا نہ سکا
''جنون عشق کوئی معجزہ دکھا نہ سکا
جگر کے چاک سے دامانِ دل ملا نہ سکا''

تضمین بر شعر رضا مظہری۔

اگر چہ قطرۂ خوں بھی نہیں رہا دل میں
مگر وہ درد ہے باقی ابھی جو تھا دل میں
نہ پوچھ مجھ سے مرے ہمنوا ہے کیا دل میں
''تمام عمر کھٹکتا رہا رضا دل میں
وہ ایک حرفِ تمنّا جو لب پہ آ نہ سکا''

(2) مکمّل نظم کی تخلیق: سید محمد مرتضٰی بیان میرٹھی (فارسی شاعری کا تخلّص یزدانی) نے نواب سید محمد خاں رند کی ایک غزل کے مطلع کی بنیاد پر تیرہ بند کی مسدس نظم تخلیق کی تھی6۔ہم یہاں اس نظم کا گیارہواں بند پیش کررہے ہیں۔

دل کے آجانے سے تم ناز سدا کرتے تھے
دلِ خود کام پہ ہم جبر کیا کرتے تھے
لو وہ دل دور کیا جس سے جلا کرتے تھے
کھو کے کیا ڈھونڈتے ہو ہم نہ کہا کرتے تھے
''پھینک دیں گے اسے ہم چیر کے پہلو اپنا
تجھ پہ قابو نہیں دل پر تو ہے قابو اپنا''

(ج) مکمل غزل یا نظم کے ہر شعر پر تخلیق کر دہ تضمینات

اس زمرے کی تضمینات میں بھی اکثر شعرا نے مخمس اور مسدس نظموں کی ہی تخلیق کی ہے

(1)تضمین بہ شکلِ مخمس: رامپور کے کہنہ مشق شاعر اظہر عنایتی نے 1970 میں میر تقی میر کی اُس غزل کے ہر شعر کو اپنی مخمس نظم کے ایک ایک بند کے آخر میں ضم کیا تھا جس کا مقطع یہ ہے7۔

میر ان نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

مذکورہ تضمینی نظم کا ایک بند بطور نمونہ پیشِ خدمت ہے۔

ندرتِ فکر سے سوا کہیے
ہر لطافت کا تکملہ کہیے
بس نزاکت کی انتہا کہیے
''نازکی اُس کے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی گلاب کی سی ہے''

(2) **تضمین بہ شکل مسدس:** سیوان (بہار) کے نوجوان شاعر التفات امجدی نے شیخ ابراہیم ذوق کی اُس غزل کی تضمین مرتب کی ہے جس کا مطلع ہے۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

مذکورہ تضمین کا پہلا بند اس طرح ہے۔

فرزانگی چلے نہ تو دیوانگی چلے
محکومیت چلے نہ یہاں سروری چلے
جذبِ وفورِ شوق نہ زورِ خودی چلے
مرضی سے اپنی کیسے یہاں کوئی بھی چلے
''لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے
اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے''

ہم نے اس مضمون کے ابتدائی حصّہ میں عرض کیا تھا کہ عام طور پر کوئی عصری شاعر اپنے استاد یا کسی دیگر بزرگ شاعر کی شاعرانہ عظمت کے اعتراف میں اُن کے کلام کے کسی جُز کو اپنی کسی شعری تخلیق میں ضم کر کے اُن سے عقیدت اور محبت کا اظہار کرتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ استاد کو بھی اپنے ہونہار شاگردوں سے بے پناہ محبت ہوتی ہے لہٰذا تضمین نگاری کے میدان میں بھی اس قسم کی چند مثالیں دیکھنے میں آئی ہیں جن میں کسی استاد شاعر نے اپنے کسی شاگرد کی محبت سے سرشار ہو کر اور اس کے صاحبِ فن ہونے کے اعتراف میں اس کے شاعرانہ کلام کو تضمین کا جامہ پہنایا۔ چنانچہ مومن خاں مومن نے اپنے شاگرد شیفتہ کی ایک غزل کے اشعار کو ضم کرتے ہوئے ایک مخمس تضمین تخلیق کی تھی جس کا آخری بند درجِ ذیل ہے[9]۔

مومن کو دیکھ چشم میں آیا لہو اُتر
یہ حال تھا کہ مضطر و حیراں تھے چارہ گر
کہتا تھا اک رفیق کو ہر بار دیکھ کر
''ایسی ہی بیقراری رہی متصل اگر
اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک''

تضمین نگاری کی ایک اور شکل یہ بھی ہے کہ کوئی شاعر اپنے ہی کلام کے کسی جُز کو بنیاد بنا کر کسی دیگر صنفِ سخن میں ضم کر دے۔ چنانچہ بیان میرٹھی نے اپنی ایک غزل کے تمام دس اشعار کو ایک مخمس نظم میں ضم کیا جو ماہنامہ 'مخزن' لاہور میں اپریل 1908 میں شائع ہوئی۔ مذکورہ تضمین کا تیسرا بند یہاں پیش کیا جارہا ہے۔

تم تو وہ شعلۂ سوزاں ہو کہ کیا ہوئے گی شمع
ہاتھ پروانے سے کیا گریہ سے منھ دھوئے گی شمع
سوگ بے سود ہے کیا پائے گی، جان کھوئے گی شمع
''اب مجھے کھو کے نہ روؤ کہ اگر روئے گی شمع
جان پڑ جائے گی کیا راکھ میں پروانے کی''

طنز و مزاح کے میدان میں طبع آزمائی کرنے والے بعض شعرائے کرام نے تضمین نگاری کو اپنا کر اُردو شاعری میں بھی پیروڈی سازی کے عمل کو راہ دی ہے۔ چنانچہ طنز و مزاح کے مشہور پاکستانی شاعر سید محمد جعفری نے اس میدان میں خوب خوب جولانیا بکھیری ہیں۔ انھوں نے نہ صرف نظیر اکبر آبادی جیسے عوامی شاعر کی نظموں کی پیروڈیاں تخلیق کیں بلکہ اقبال کی سنجیدہ اور فکر انگیز شاعری میں بھی اپنی پھلجھڑیاں داخل کر کے خوب خوب داد وصول کی۔ ہم نمونہ کے طور پر اُن کے ذریعہ تیار کی گئی نظیر کی مشہور مخمس نظم 'بنجارہ نامہ' اور اقبال کی مشہور مسدس نظم 'شکوہ' کی پیردڈیوں کا ایک ایک بند یہاں درج کررہے ہیں(1)۔

جب وفد بنا کر چودھریوں کا لے جاتا ہے طیارہ
کچھ اس میں افسر جاتے ہیں کچھ بیوپاری ناکارہ
ایکسچنیج انھیں دے دیتا ہے یہ ملک ہمارا بے چارہ
ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
''سب ٹھاٹ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارہ''

شہر میں گوشت کی خاطر صفتِ جام پھرے
ہم پھرے، جملہ اعزہ پھرے، خدّام پھرے
جس جگہ پہنچے اُسی کوچے سے ناکام پھرے
محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے
شب میں چڑیوں کے بسیرے بھی نہ چھوڑے ہم نے
''بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے''

هر سخن شناس قاری ازخود ادراک کر سکتا هے که تضمین نگاری کا عمل عام شاعری کے مقابله خاصه دشوار هے کیونکه کسی دوسرے شاعر، جوکه تضمین نگار کا استاد هے یا جس کا سُخن طرازی کا تجربه تضمین نگار سے زیاده هے، اس کے کلام کے کسی جُز میں اپنے مصرعوں کی اس خوبصورتی سے پیوند کاری کر نا که اس کے پیوند هو نے کا احساس ختم هوجائے اور تمام مصرعے ایک دوسرے میں معنوی اور صوتی اعتبار سے بالکلیه ضم هو جائیں اسی وقت ممکن هے جبکه تضمین نگار نے نه صرف فن میں مهارت حاصل کر لی هو بلکه الفاظ کو بر تنے کا سلیقه اور شعر فهمی اور شعر کے مر کزی خیال تک پهنچنے کی اهلیت بهی حاصل کر لی هو کیو نکه تضمین نگاری کا عمل ایک طرف عقیدت کا اظهار اورفنیَ مهارت کا اعلان هے تو دوسری جانب فن پارے یا اس کے جُز کی تفهیم، تشریح اور تو ضیح کا آئینه دار بهی هے۔

ماہرانِ سخن نے تضمین نگار کے لیے دو ضوابط کی پابندی لازم کی ہے۔ اوّل تو یہ کہ اس کو اپنی تضمینی تخلیق کی پیشانی پر اس امر کی وضاحت کرنا چاہیے کہ وہ کس شاعر کے کس فن پارے کی تضمین پیش کر رہا ہے دوسرے یہ کہ اس نے جس مصرعہ یا شعر کو بنیاد بنا کر اپنی تضمین تخلیق کی ہے اس کو واوین ('' '') سے محصور بھی کرے تا کہ ناواقفیت کی بنا پر کوئی قاری غلط فہمی کا شکار نہ ہونے پائے۔

ہر سخن شناس قاری ازخود ادراک کر سکتا ہے کہ تضمین نگاری کا عمل عام شاعری کے مقابلہ خاصہ دشوار ہے کیونکہ کسی دوسرے شاعر، جو کہ تضمین نگار کا استاد ہے یا جس کا سخن طرازی کا تجربہ تضمین نگار سے زیادہ ہے، اس کے کلام کے کسی جُز میں اپنے مصرعوں کی اس خوبصورتی سے پیوند کاری کرنا کہ اس کے پیوند ہونے کا احساس ختم ہوجائے اور تمام مصرعے ایک دوسرے میں معنوی اور صوتی اعتبار سے بالکلیہ ضم ہو جائیں اسی وقت ممکن ہے جبکہ تضمین نگار نے نہ صرف فن میں مہارت حاصل کر لی ہو بلکہ الفاظ کو برتنے کا سلیقہ اور شعر فہمی اور شعر کے مرکزی خیال تک پہنچنے کی اہلیت بھی حاصل کر لی ہو کیونکہ تضمین نگاری کا عمل ایک طرف عقیدت کا اظہار اور فنی مہارت کا اعلان ہے تو دوسری جانب فن پارے یا اس کے جُز کی تفہیم، تشریح اور توضیح کا آئینہ دار بھی ہے۔ اگر تضمین نگار کی شاعری ان صفات سے متصف نہیں تو اُس کی تخلیق کردہ تضمین میں بھونڈے پن کا ظاہر ہونا کچھ بعید نہیں۔

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض تضمین نگاروں نے تساہلی سے کام لیتے ہوئے تضمین سازی کے ان ضوابط کی پابندی نہیں کی جن کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا یعنی انھوں نے نہ تو اپنی تضمینی تخلیق کی پیشانی پر اس امر کی وضاحت کی کہ وہ کس شاعر کے کس سخن پارے کی تضمین ہے اور نہ ہی انھوں نے اس مصرعہ یا شعر کو واوین سے گھیرنے کا اہتمام کیا کہ جس کو بنیاد بنا کر وہ تضمین تخلیق کی گئی تھی۔ اُن صاحبان کی اس دانستہ یا نادانستہ غفلت کا بھلے ہی کوئی اثر اُن کے زمانے کے قارئین پر نہ پڑا ہو لیکن اگر اُن تضمینات کے منظرِ عام پر آنے کے بعد نصف صدی یا

اس سے بھی زائد کا وقفہ ہو چکا ہو تو آج کے مشینی دور میں جبکہ معنی خیز تحقیقی کام کرنے کے لیے درکار ہمتوں اور صبر آزما جستجو میں خاصا زوال آچکا کسی دانش گاہ کے ریسرچ اسکالر کے لیے اس بات کا تجزیہ کرنا انتہائی دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے کہ جس مخمس یا مسدس نظم کو وہ کسی ایک شاعر کی تخلیق سمجھ رہا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے دو شعرا کی سخن دانی کا ثمرہ ہے یعنی کہ ایک تضمین ہے۔ یہ مغالطہ اُس وقت زیادہ شدید ہو جائے گا جبکہ کسی تضمین میں ضم کیا گیا کوئی مصرعہ یا شعر کسی ایسے شاعر کے کلام کا جز ہو جو طبع زاد شکل میں منظر عام پر نہ آسکا ہو یا وہ اس قدر قدیم ہو کہ کسی کتاب خانہ میں گوشۂ گمنامی میں پڑا ہوا اور اس کے حصول کے لیے انتہائی درجہ کی ذوقِ جستجو درکار ہو۔ راقم السطور کا گزشتہ دو برسوں میں اس قماش کی دو الجھنوں سے واسطہ پڑ چکا ہے جن کو سُلجھانے اور جن سے وابستہ صاحبان کو اصل بات سمجھانے میں کئی ماہ صرف کرنا پڑے۔ بندہ اُن دونوں کو اختصار سے یہاں نقل کر رہا ہے۔

18 جولائی 2012 کو لکھنؤ سے شائع ہونے والے روزنامہ 'آگ' میں اپنے مراسلہ کے ذریعہ رفعت عزمی صاحب نے یہ حوالہ دیتے ہوئے کہ محمد حسین آزاد نے 'آبِ حیات' میں ایک شعر نقل کیا ہے لیکن اس کے خالق کا نام درج نہیں کیا، یہ فرمائش کی کہ اگر کسی صاحب کو شاعر کا نام معلوم ہو تو مطلع کریں۔ وہ شعر یہ ہے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

خاکسار کو کافی جستجو کے بعد بنارس سے شائع ہونے والے ادبی جریدے 'تحریکِ ادب' کے سلسلہ نمبر 6 و 7، 2010 میں شائع ہوئے ذرّہ حیدر آبادی (مقیم امریکہ) کے تحقیقی مضمون ''شاعر کوئی اور ہے...''10 میں اور ناگپور کے ڈاکٹر شرف الدین ساحل صاحب کی کتاب 'گلدستۂ نگاہ' 2011 11 میں اس شعر کے خالق کا نام نواب امین الدّولہ مہر مل گیا تو عزمی صاحب کو مطلع کیا لیکن انھوں نے فرمایا کہ ایک دوسرے ذریعہ سے یہ پتہ چلا ہے کہ مذکورہ شعر مضطر خیر آبادی کے حمد یہ دیوان 'نذرِ خدا' میں شائع ہوئی کسی نظم میں موجود ہے۔ کم و بیش ڈیڑھ سال کی تگ و دو کے بعد خیر آباد کی خدیجہ لائبریری کے ناظم اور اُردو کے مخلص سپاہی عارف علی انصاری صاحب کے توسط سے 1913 میں مطبع احمد خاں صوفی۔ آگرہ سے شائع ہوئے مذکورہ دیوان کی فوٹو کاپی دستیاب ہوئی جس کے صفحہ 271 و 272 پر سات بند پر مشتمل ایک مسدس نظم کے ہر بند کے آخر میں مذکورہ بالا شعر کی تکرار تھی 12۔ لُطف کی بات یہ ہے کہ عارف علی انصاری صاحب کو مضطر کا حمد یہ دیوان رفعت عزمی صاحب ہی نے مہیا کرایا تھا۔ ہم طوالت سے بچنے کے لیے صرف مطلع اور مقطع کے بند ہی یہاں نقل کر رہے ہیں۔ مطلع

خدا جو چاہے تو مٹے ہجومِ رنج و ملال
خدا جو چاہے تو کاٹے زمانِ درد و نکال
خدا جو چاہے تو پورے کرے زباں کے سوال
خدا جو چاہے تو سوکھے شجر کو کردے نہال
خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

نواب امین الدوّلہ مہر کا زمانہ شاہِ اودھ واجد علی شاہ اختر سے قبل کا ہے یعنی 1847 سے پہلے کا اور مضطر خیر آبادی کی ولادت ہی 1865 میں ہوئی تھی اور 'تحریک ادب' میں نواب امین الدولہ مہر کا جو ذکر ہے اُس میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مذکورہ شعر ڈیڑھ سو اشعار کی طویل غزل کا 149 واں شعر ہے۔ ایسی صورت میں یہ فیصلہ کرنا کچھ دشوار نہیں کہ یہ شعر نواب امین الدولہ مہر ہی کا تخلیق کردہ ہے اور اس کو مضطر خیر آبادی نے بڑی چابکدستی سے تضمین کے قالب میں ڈھالا ہے۔ یہاں غور طلب امر یہ ہے کہ مضطر نے نہ تو اپنی نظم کی پیشانی پر اس کے تضمین ہونے کا کوئی اشارہ کیا اور نہ ہی کسی مسدس بند میں اس شعر کو واوین سے محصور کیا۔ ہم مضطر جیسے قادر الکلام شاعر سے

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ بعض تضمین نگاروں نے تساہلی سے کام لیتے ہوئے تضمین سازی کے ان ضوابط کی پابندی نہیں کی جن کا ذکر سطورِ بالا میں کیا گیا یعنی انہوں نے نہ تو اپنی تضمینی تخلیق کی پیشانی پر اس امر کی وضاحت کی کہ وہ کس شاعر کے کس سُخن پارے کی تضمین ہے اور نہ ہی انہوں نے اس مصرعہ یا شعر کو واوین سے گھیر نے کا اہتمام کیا کہ جس کو بنیاد بنا کر وہ تضمین تخلیق کی گئی تھی۔اُن صاحبان کی اس دانستہ یا نا دانستہ غفلت کا بھلے ہی کوئی اثر اُن کے زمانے کے قارئین پر نہ پڑا ہو لیکن اگر اُن تضمینات کے منظر عام پر آنے کے بعدنصف صدی یا اس سے بھی زائد کا وقفہ ہو چکا ہو تو آج کے مشینی دور میں جبکہ معنی خیز تحقیقی کام کر نے کے لیے در کار ہمتوں اور صبر آز ما جستجو میں‌خاصا زوال آچکا کسی دانش گاہ کے ریسرچ اسکا لر کے لیے اس بات کا تجز یہ کر نا انتہائی دشوار بلکہ تقریباً ناممکن ہو جا تا ہے کہ جس مخمس یا مسدس نظم کو وہ کسی ایک شاعر کی تخلیق سمجھ رہا ہے وہ حقیقت کے اعتبار سے دوشعرا کی سُخن دانی کا ثمرہ ہے یعنی کہ ایک تضمین ہے۔

جس کو حضرت امیر مینائی جیسے صاحبِ طریقت بزرگ کی شاگردی کا بھی شرف حاصل تھا ہرگز اس بات کی توقع نہیں کرتے کہ انھوں نے کسی بدنیتی کے تحت اور مذکورہ شعر کو اپنے کھاتے میں ڈالنے کی غرض سے اپنی مسدس نظم کے تضمینی کردار کے بارے میں وضاحت سے گریز کیا بلکہ ہمارا گمان ہے کہ مذکورہ شعر اُس زمانے میں اس قدر زبان زدِ خاص و عام ہوگا کہ مضطر نے اس بات کی قطعی کوئی ضرورت ہی نہ محسوس کی کہ وہ اس وضاحت کو ضبط تحریر میں لائیں کہ مذکورہ شعر کسی اور شاعر کا ہے اور یہ کہ انھوں نے اس کی تضمین تخلیق کی ہے۔ قارئین خود غور کر سکتے ہیں کہ آج جبکہ اس نظم کی اشاعت کو سو برس گزر چکے ہیں اور راقم السطور کو مضطر خیر آبادی کے 'حمد یہ دیوان' کو حاصل کرنے میں ڈیڑھ سال کا وقت لگا تو ہم آج کے کسی نوجوان سے یہ امید کس طرح کریں کہ وہ مضطر خیر آبادی سے کئی دہائی قبل گزر چکے ایک قطعی غیر معروف شاعر، جس کے نام اور تخلص سے پختہ عمر کے شعرا اور محققین بھی ناواقف نظر آئے، کے کلام تک رسائی حاصل کر کے یہ کہہ سکے کہ مضطر خیر آبادی کی مذکورہ نظم واقعتاً ایک تضمین ہے۔

ماٰخذ:

1۔ فنِ تضمین نگاری (تنقید و تجزیہ) ڈاکٹر شیخ عقیل احمد 2001 غازی آباد
2۔ اشک رواں (شعری مجموعہ) مصنفہ ثریا صولت حسین 2009، کھارگھر، نوی ممبئی
3۔ تصوراتِ بیدل (شعری مجموعہ) پنڈت کیلاس نرائن کول بیدل دہلوی 1971، نامی پریس لکھنؤ
4۔ غیر مطبوعہ کلام، ظفر نسیمی بھوپال 2014 بازار جہان آباد بھوپال [بشکریہ ظفر نسیمی بھوپال]
5۔ اشک امرتسری (تعارف، تنقید اور کلام) ڈاکٹر معصوم شرقی۔ 2012، کولکاتا
6۔ دیوانِ بیان میرٹھی، ڈاکٹر محمد شرف الدین ساحل 2007۔ ناگپور
7۔ تضمین بر غزل میر، روزنامہ 'لازم' رامپور 23 اکتوبر 1970
8۔ غیر مطبوعہ کلام۔ ڈاکٹر التفات امجدی، سیوان 2001، [شکریہ التفات امجدی سیوان]
9۔ فرہنگ ادبیات، سلیم شہزاد 1998، مالیگاؤں [بشکریہ سید شاہ حسین نہری۔ اورنگ آباد]
10۔ تحریکِ ادب، بنارس شمارہ 6 و 7۔ ایڈیٹر جاوید انور 2011
11۔ گلدستۂ نگاہ (پسندیدہ اشعار کا مجموعہ) ڈاکٹر شرف الدین ساحل 2011، ناگپور
12۔ نذرِ خدا (حمد یہ دیوان) سید محمد افتخار حسین مضطر 1913، مطبع احمد خاں صوفی آگرہ [بشکریہ عارف علی انصاری۔ خیر آباد]

■

Dr. Shamim. A Siddiqui
C-2, Naseem Manzil, Madah Ganj Cahowki
Seetapur Road, Lucknow - 226020 (UP)
dr.sas46@yahoo.in Mob:09307065182

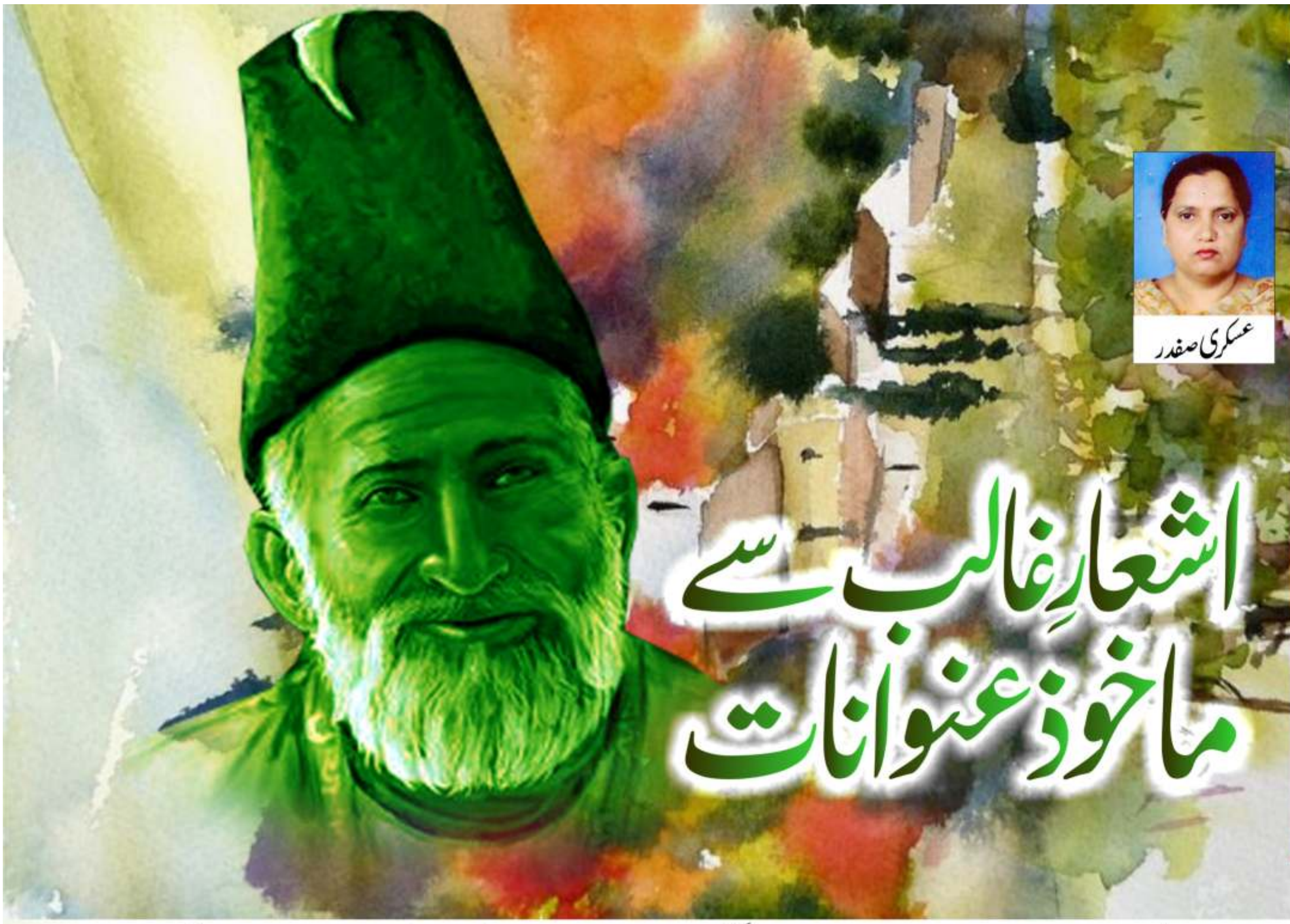

عسکری صفدر

اشعارِ غالب سے ماخوذ عنوانات

مرزا غالب کی شاعرانہ عظمت کا دائرہ مشرق سے مغرب تک ہے۔ ان کے اشعار ہمہ جہتی معنویت رکھتے ہیں اور یہ اشعار ہر دل کی آواز بن جاتے ہیں۔ کلامِ غالب پر اتنا کچھ لکھا جانے کے باوجود آئے دن نئے نئے پہلو سامنے آتے جارہے ہیں۔ معروف ادیب و محقق فاروقی ارگلی لکھتے ہیں: ''غالب نے اپنی بات کہنے کے لیے رمزیت، ایمائیت، تشبیہات، استعارات، تراکیب اور لفظ و معنی کا ایسا طلسم تخلیق کیا، جس کی سحرانگیزی نے پوری دنیا کو مسحور کردیا ہے۔ ایک بے جان لفظ بھی غالب کے شعر میں آکر بولنے لگتا ہے۔''

(وارداتِ غالب ص 7، فرید بک ڈپوئی دہلی 2014)

غالب نے مروجہ الفاظ کو روایت کے تنگ دائرے سے اٹھا کر نئے معنوں سے ہم آہنگ کرتے ہوئے نئی طرز ادا سے اپنے اسلوب کو پیش کیا۔ ان کے کلام کی ہمہ گیری اور افکار ان کے وقت سے آگے تھے۔ انھوں نے شاعری اور نثر کو نئی راہ پر گامزن کیا۔ اس طرح غالب کے اثرات آنے والے اردو ادیبوں اور شاعروں پر نہایت دیرپا اور گہرے ثابت ہوئے۔

غالب سے اپنی شعری کاوشوں میں بعد میں آنے والے بہت سے شعرا نے استفادہ کیا ہے۔ اسی طرح غالب کے اشعار سے نئے الفاظ اور نئی تراکیب کو شاعروں، ادیبوں اور فکشن نگاروں نے اپنی کتابوں کے عنوانات کے لیے طرہ امتیاز قرار دیتے ہوئے استعمال کیا۔ کلام غالب کی معنویت اور مقبولیت کا یہ بھی ایک نمایاں پہلو ہے۔

ذیل میں ان ادیبوں اور شاعروں کی کتابوں کے نام ہیں اور ساتھ ہی وہ شعر یا مصرعے بھی دیے گئے ہیں جن سے عنوانات اخذ کیے گئے ہیں۔

علامہ اقبال (1877-1938) نے اپنے شعری مجموعے کا عنوان 'بال جبریل' (1935) غالب کے اس شعر سے اخذ کیا۔

تیرا انداز سخن شانۂ زلف الہام
تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

اس کے بعد مشہور ادیب و ماہر تعلیم مولانا حبیب الرحمٰن شروانی (1867-1950) نے جو اپنے آخری دور میں اپنے ایک رسالے کا عنوان 'نقش وفا' رکھا جو غالب کے اس شعر سے لیا گیا۔

دہر میں نقش وفا وجہ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اسی طرح مشہور شاعر جعفر علی خاں اثر (1885-1967) نے اپنی رباعیات کے مجموعے کا عنوان 'لالہ وگل' غالب کے اس شعر سے لیا۔ مشہور ادیب ابوسفیان اصلاحی نے بھی اپنے خاکوں کے مجموعے کا عنوان 'لالہ وگل' ہی رکھا۔

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

رشید احمد صدیقی (1894-1977) نے اپنی دو کتابوں کے عنوان 'آشفتہ بیانی میری' اور 'گنج ہائے گراں مایۂ غالب' کے ان اشعار سے منتخب کیے۔

کیا بیاں کرکے مرا روئیں گے یار
مگر آشفتہ بیانی میری

مقدور ہو تو خاک سے پوچھوں کہ اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

آنند نرائن ملا (1901-1997) نے اپنے شعری مجموعے 'جوئے شیر' کا عنوان اور عبدالحمید عدم نے بھی اپنے شعری مجموعے کا عنوان 'جوئے شیر' غالب کے اس مصرعے سے رکھا۔

صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

لاہور (پاکستان) کے ادیب وصحافی مولانا صلاح الدین احمد (1902-1964) نے اپنے مجموعہ مقالات کا عنوان 'صریر خامۂ غالب' کے اس شعر سے اخذ کیا۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریر خامہ نوائے سروش ہے

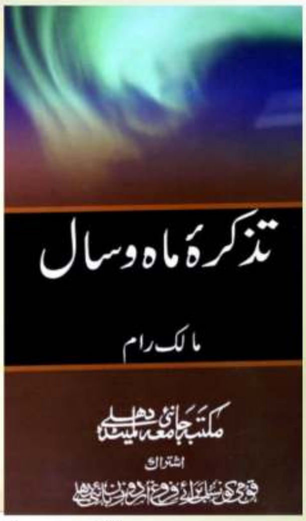

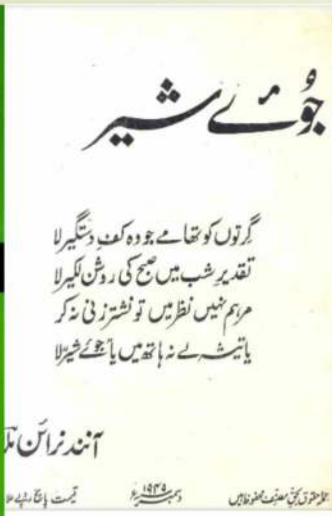

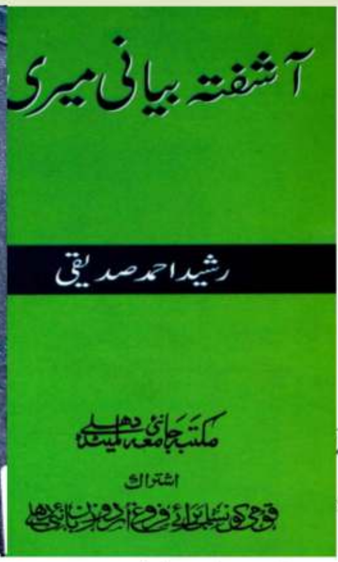

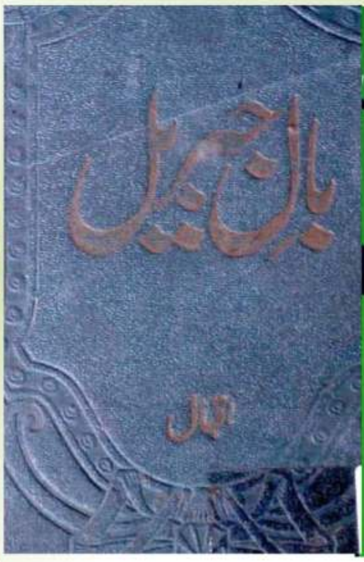

اسی مصرعے سے محقق و ادیبہ ڈاکٹر رفیعہ شبنم عابدی نے اپنی کتاب کا عنوان 'نوائے سروش' منتخب کیا۔

ادیب و مورخ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (1903-1981) نے اپنی کتاب کا عنوان 'صید زبوں' منتخب کیا۔ مشہور ادیب ونقاد مجنوں گورکھپوری (1904-1988) نے بھی اپنے ناول کا عنوان 'صید زبوں' غالب کے اسی شعر سے لیا۔

خیال مرگ کب تسکیں دل آزردہ کو بخشے
مرے دام تمنا میں ہے اک صید زبوں وہ بھی

اس کے علاوہ مجنوں گورکھپوری نے ناول کے بعد اپنے تنقیدی مضامین کے مجموعے کا نام 'غزل سرا' اس مشہور شعر سے اخذ کیا۔

کچھ تو پڑھیے کہ لوگ کہتے ہیں
آج غالب غزل سرا نہ ہوا

نامور محقق و ماہر غالبیات مالک رام (1906-1993) نے یوں تو غالب پر بہت سی کتابیں لکھی ہیں لیکن اس کتاب 'تذکرۂ ماہ وسال' کا عنوان غالب کے اس شعر سے رکھا۔

وہ فراق اور وہ وصال کہاں
وہ شب و روز و ماہ و سال کہاں

فکشن نگار اور ناقد اختر اورینوی (1910-1977) نے اپنے ناول 'حسرت تعمیر' اور ناول و افسانہ نگار میرزا ادیب (پ 1914) نے اپنے افسانوی مجموعے کا عنوان 'حسرت تعمیر' اور اکرام بریلوی (پاکستان) نے اپنے ناول کا عنوان 'حسرت تعمیر' غالب کے اس شعر سے لیا۔

گھر میں تھا کیا کہ ترا غم اسے غارت کرتا
وہ جو رکھتے تھے ہم اک حسرت تعمیر سو ہے

عبدالحمید عدم (1910-1981) نے اپنے اور دو شعری مجموعوں 'زلف پریشاں' اور 'دہان زخم' کے عنوان غالب کے ان اشعار سے منتخب کیے۔

نینداس کی ہے، دماغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہوگئیں

جب تک دہان زخم نہ پیدا کرے کوئی
مشکل کہ تجھ سے راہ سخن وا کرے کوئی

مشہور طنز و مزاح نگار کنہیا لال کپور (1910-1977) نے اپنے دو مجموعوں کے عنوان 'بال و پر' اور 'سنگ و خشت' غالب کے ان اشعار سے لیے۔

بال و پر دوچار دکھلا کر کہا صیاد نے
یہ نشانی رہ گئی ہے اب بجائے عندلیب

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں
روئیں گے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

لداخ کے مشہور ادیب و فکشن نگار عبدالمغنی شیخ نے بھی اپنے ناول 'دل ہی تو ہے' کا عنوان مندرجہ بالا شعر سے اخذ کیا۔

برصغیر کے عظیم شاعر فیض احمد فیض (1911-1984) نے اپنے دو شعری مجموعوں 'نقش فریادی' اور 'دست تہہ سنگ' کے عنوان ان اشعار سے منتخب کیے۔

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

مجبوری و دعویٰ گرفتاری الفت
دست تہہ سنگ آمدہ پیمان وفا ہے

مندرجہ بالا اشعار کے پہلے مصرعے 'نقشِ فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا' سے شاعر وطنز ومزاح نگار فرقت کاکوروی (1914-1978) نے اپنے مجموعہ کا عنوان 'شوخیِ تحریر' اخذ کیا اور دوسرے مصرعے 'کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا' سے عصمت چغتائی (1915-1991) نے اپنی کتاب کا 'کاغذی ہے پیرہن' عنوان رکھا۔ اسی طرح مشہور شاعر و نقاد خلیل الرحمٰن اعظمی (1927-1978) نے اپنے شعری مجموعے کا عنوان 'کاغذی پیرہن' منتخب کیا اور معروف محقق و ادیبہ ڈاکٹر رشید موسوی (پ: 1935) نے طنز و مزاح کے اپنے مجموعے کا عنوان 'کاغذی ہے پیرہن' ہی رکھا۔ ان کے علاوہ شاعر رحیم رامش (پ: 1952) نے اپنے شعری مجموعے کو 'کاغذی پیرہن' نام دیا۔

شہرۂ آفاق افسانہ نگار سعادت حسن منٹو (1912-1955) نے اپنے افسانوی مجموعوں کے عنوان 'لذتِ سنگ' اور 'نمرود کی خدائی' غالب کے ان اشعار سے اخذ کیے۔

سر کھجاتا ہے جہاں زخم سر اچھا ہوجائے
لذت سنگ باندازۂ تقریر نہیں

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

ان کے علاوہ جن ادیبوں اور شاعروں نے مرزا غالب کے اشعار سے عنوان اخذ کیے وہ حسب ذیل ہیں:

ادیب وناول نگار صالحہ عابد حسین (1913-1973) 'قطرے سے گہر ہونے تک (ناول)

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کام نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرہ پہ گہر ہونے تک

شاعر، طنز و مزاح نگار فرقت کاکوروی (1914-1978) 'کف گل فروش' (مزاحیہ مضامین)

یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہر گوشۂ بساط
دامانِ باغباں و کف گل فروش

مشہور شاعر سعید شہیدی (پ 1914) 'کف گل فروش' (شعری مجموعہ)

معروف ادیب، فکشن نگار، صحافی وفلمساز خواجہ احمد عباس (1914-1987) 'کہتے ہیں جس کو عشق' (افسانوی مجموعہ)

کہتے ہیں جس کو عشق خلل ہے دماغ کا

مشہور ادیب وطنز و مزاح نگار وجاہت علی سندیلوی (پ 1916) 'حیف ان چارگرہ' (انشائیے)

حیف اس چارگرہ کپڑے کی قسمت غالب
جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

ماہر اقبالیات شورش کاشمیری (1917-1975) 'بوئے گل نالۂ دل دود چراغ محفل' (خودنوشت سوانح)۔

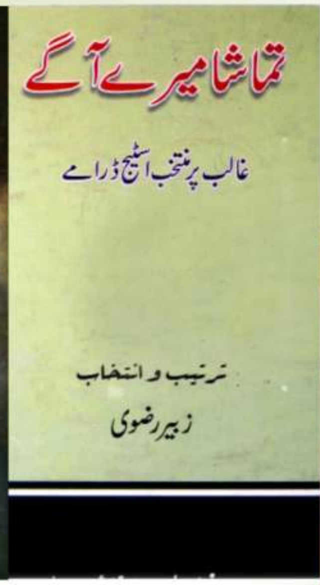

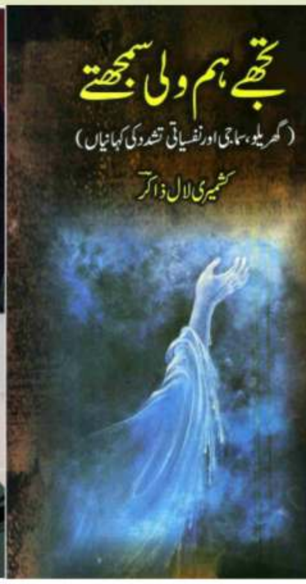

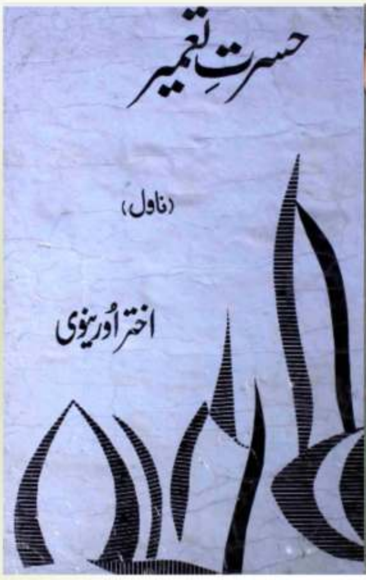

بوئے گل، نالۂ دل، دود چراغ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

ادیب وفکشن نگار کشمیری لال ذاکر (1919-2016) 'تجھے ہم ولی سمجھتے' (افسانوی مجموعہ)

یہ مسائلِ تصوف، یہ ترا بیان غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے، جو نہ بادہ خوار ہوتا

شاعر سیف الدین سیف (1922-1983) 'خم کاکل' (شعری مجموعہ)

تو اور آرائشِ خم کاکل
میں اور اندیشہ ہائے دور دراز

مشہور دانشور نقاد، ڈرامہ نگار ڈاکٹر محمد حسن (1926-2010) 'عرض ہنر' (مضامین)

ہمارے شعر ہیں اب صرف دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرض ہنر میں خاک نہیں

ادیب و نقاد منظر شہاب (1927-2016) 'اور پھر بیاں اپنا' (مضامین)

دانشور و نقاد ڈاکٹر انور سدید (1928-2016) 'ذکر اس پری وش کا' (انشائیے)

ذکر اس پری وش کا اور پھر بیاں اپنا
بن گیا رقیب آخر جو تھا رازداں اپنا

شہرۂ آفاق ناول نگار ابن صفی (1928-1980) 'دست قضا' (ناول)

چھوڑا مہ نخشب کی طرح دست قضا نے
خورشید ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا

ادیب و شاعر حبیب جالب (1928-1993) 'گوشے میں قفس کے' (شعری مجموعہ)، 'گنبد بے در' (شعری مجموعہ)

معروف افسانہ نگار دلیپ سنگھ 'گوشے میں قفس کے' (افسانوی مجموعہ)

نے تیر کماں میں ہے، نہ صیاد کمیں میں
گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

ان کی امت میں ہوں میں، میرے رہیں کیوں کام بند
واسطے جس شہ کے غالب! گنبد بے در کھلا

معروف ادیب و نقاد ڈاکٹر اسلم پرویز (1932-2017) 'گنجینۂ معنی کا طلسم' (مطالعۂ غالب)

گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھیے
جو لفظ کہ غالب مرے اشعار میں آوے

مشہور شاعر و صحافی زبیر رضوی (1935-2016) 'تماشا مرے آگے' (اسٹیج ڈرامے)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

طنز و مزاح نگار ادیبہ پروفیسر حبیب ضیا (پ 1935) 'گویم مشکل' (مزاحیہ مضامین)

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمائش
گویم مشکل و گرنہ گویم مشکل

شہرۂ آفاق طنز و مزاح نگار مجتبیٰ حسین (پ 1936) 'ہوئے ہم دوست جس کے' (خاکے)

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو

معروف ادیب و اسلامی اسکالر پروفیسر اختر الواسع 'کچھ اور چاہیے وسعت' (مضامین)

بقدر شوق نہیں ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لیے

مشہور فکشن نگار عبدالصمد (پ 1952) 'شکست کی آواز' (ناول)

نہ گل نغمہ ہوں نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز

ناول نگار فضل احمد کریم فضلی 'خون جگر ہونے تک' (ناول)

عاشقی صبر طلب اور تمنا بیتاب
دل کا کیا رنگ کروں خون جگر ہونے تک

مشہور ناول نگار و شاعرہ رضیہ فصیح احمد (آدم ایوارڈ یافتہ) 'آبلہ پا' (ناول) پاکستان

کانٹوں کی زباں سوکھ گئی پیاس سے یارب
اک آبلہ پا وادیِ پرخار میں آوے

ناول نگار نشاط پیکر 'شمع ہر رنگ میں جلتی ہے' (ناول) پاکستان

غم ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

افسانہ نگار صابر بدر جعفری 'اندوہ وفا' (افسانوی مجموعہ) پاکستان

میں نے چاہا تھا کہ اندوہ وفا سے چھوٹوں
وہ ستمگر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

صادق الخیری خاکہ نگار 'گنجینۂ گوہر کھلا' (خاکے) پاکستان

بزم شاہنشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا
رکھیو یارب! یہ درِ گنجینۂ گوہر کھلا

معروف ادیب عبدالقوی ضیا علیگ 'وہ آئیں گھر میں ہمارے' (خاکے) پاکستان

وہ آئیں گھر میں ہمارے، خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم اُن کو، کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

ان کے علاوہ بھی کئی مصنفین نے اپنی کتابوں کے عنوان غالب کے اشعار سے منتخب کیے، جو اس مختصر سے مضمون میں نہ آسکے۔ غالب وہ خوش قسمت شاعر ہیں جن کے اشعار سے بے شمار قلمکاروں نے استفادہ کیا۔ ان کے علاوہ علامہ اقبال دوسرے ایسے شاعر ہیں جن کے اشعار سے بھی بہت سی کتابوں کے عنوان رکھے گئے۔ ■

Dr. Askari Safdar
Flat No: 202, United Residency
Noor Khan Bazar
Hyderabad - 500024 (Telangana)
Mob: 9848640915

شہاب ظفر اعظمی

جمیل مظہری کی نظموں میں عظمت آدم اور احترام انسانیت

اردو شعروادب کی تاریخ لکھنے والوں نے عام طور پر عہد اور علاقے کے شعری رجحانات کو سامنے رکھ کر اردو شاعری کو مختلف دبستانوں میں تقسیم کیا ہے۔ مثلاً دبستان دہلی، لکھنؤ، دکن، رامپور، عظیم آباد وغیرہ۔ مگر میرا خیال ہے کہ اردو شاعری کے افکار و موضوعات اور رجحانات و اسالیب کو مدنظر رکھا جائے تو اسے صرف دو مختلف دبستانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ اول وہ دبستان جس کے شعرا غزلیہ شاعری میں فارسی کی عشقیہ شاعری کی روایت کو آگے بڑھاتے ہوئے واردات قلبیہ اور واقعات عشقیہ پیش کرتے ہوئے غزل میں محض حسن و عشق کا اظہار کرتے رہے اور انفرادیت پر زور دیتے رہے۔ دوسرا وہ دبستان جس کی خشت اول امیر خسرو نے رکھی اور عمارت تعمیر کی نظیر، سودا، انیس، اقبال اور جوش وغیرہ نے۔ یعنی ثقافت، اجتماعیت اور فکر وفلسفہ کے شاعر۔ علامہ جمیل مظہری کا تعلق بھی اسی دوسرے دبستان شعر سے ہے۔ جمیل مظہری کے یہاں حسن و عشق اور واردات قلبیہ بھی ہیں مگر ان کی شعری عظمت کا اصل دارومدار ان کے فلسفۂ حیات پر ہے جو ان کے ذاتی فکر وتدبر کا نتیجہ ہے اور جو حیات و کائنات کے دوسرے مسائل سے متعلق بھی اپنا مخصوص نقطۂ نظر رکھتا ہے۔ ہر چند کہ انہوں نے روایتی طور پر غزلیں کہیں، اور رعنائیِ خیال، تغزل و لطافت سے بھرپور ایسی غزلیں کہیں کہ اُن کی غزل کے بعض اشعار انسانی نفسیات کے محاورے بن گئے۔ بقول شخصے غزل کا ایک شعر تو ایسا کہا جو شہرت میں شاعر سے آگے نکل گیا یعنی

بقدر پیمانۂ تخیل سرور ہر دل میں ہے خودی کا
اگر نہ ہو یہ فریب پیہم تو دم نکل جائے آدمی کا

مگر میرا خیال ہے کہ جمیل کے فکر وفلسفہ اور تصورات عمرانی کے اظہار کی جو وسیع دنیا ہے اسے غزل کا تن نازک نہیں سنبھال سکتا۔ اس لیے جمیل مظہری کی نظمیں جمیل کی تفہیم میں زیادہ معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ان کی نظموں میں جس نوع کے فکری، معاشرتی اور نفسیاتی عناصر پائے جاتے ہیں وہ اردو کی فکری اور فلسفیانہ شاعری کو ایک نئی جہت دیتے ہیں بلکہ درجۂ کمال تک پہنچا دیتے ہیں۔

جمیل مظہری کے فکر وفلسفہ کی اساس عظمت آدم اور تصور حرکت و عمل پر ہے۔ اردو شاعری میں جمیل سے قبل اقبال ان فلسفوں کو پیش کر چکے تھے۔ جمیل مظہری نے اقبال کی طرح ہی عظمت آدم کے ترانے گائے ہیں مگر انہوں نے اقبال کی طرح اپنی فکر کو کسی مخصوص آئینِ مذہب وملت کا پابند کرنے کے بجائے اس کا سرا عام تصور اخلاق سے جوڑ دیا ہے، اور یہی جمیل کے افکار کی انفرادیت ہے۔ انھوں نے اپنے شعری عقیدے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

''شاعری اپنے دل کی دھڑکنوں کے گننے کا نام نہیں ہے۔ شاعر وہی ہے جو دوسروں کے دل کی دھڑکنوں کو بھی اپنے اشعار میں سمو سکے۔''

اسی لیے جمیل شیکسپیئر کو پسند کرتے ہیں، نظیر، انیس، اقبال اور جوش کو پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ اِن شعرانے اپنی کم اور دوسروں کی زیادہ بلکہ اس سے زیادہ تاریخ و تہذیب، ماضی اور حال کے مختلف جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ جمیل اپنے مضمون 'میرا نظریۂ شعر اور میری شاعری' میں لکھتے ہیں:

''مجھے دنیا کے انھیں شاعروں سے عقیدت رہی جنہوں نے جنسی جذبے کے علاوہ اور بھی جذبوں کی ترجمانی کو اپنا مقصود بنایا۔ شیکسپیئر کو میں تمام مغربی شاعروں کا سرتاج اِس لیے سمجھتا ہوں کہ اُس نے مختلف جذبات کی ترجمانی کی اور صرف ترجمانی ہی نہیں کی بلکہ اُن گمشدہ جذبوں کا سراغ بھی لگایا جو ہم میں موجود رہ کر ہمارے لیے گم تھے۔ ہندستانی شعرا میں کبیر، تلسی داس اور ایرانی شعرا میں فردوسی وسعدی کے سامنے عقیدت کی پیشانی اس لیے جھکاتا ہوں کہ انہوں نے ہمارے سیکڑوں جذبوں کا پتہ ہمیں بتایا اور سیکڑوں جذبوں سے ملاقات کرائی۔''

یہ جمیل مظہری کے وہ خیالات ہیں جن پر ان کی شعری اور فکری کائنات منحصر ہے۔ نقش جمیل میں شامل اولین تینوں ابواب کی نظمیں پڑھ جائیے تو پتہ چلتا ہے کہ شاعر شاعری کے ابتدائی دنوں سے ہی نہ صرف عظمت آدم کا معترف رہا ہے بلکہ اپنی فکر ودانش کی کمندیں حیات وکائنات پر پھینکتا رہا ہے۔ پہلے باب 'تفکرات وتاثرات' کی نظمیں 1929 سے 1948 کے درمیان کی تخلیق ہیں۔

ان میں پیام، شاعر کی تمنا، فسانۂ آدم، اور 'ہم کون ہیں ہم کیا ہیں' جیسی نظموں میں نہ صرف جمیل مظہری کا فلسفۂ عمل نظر آتا ہے بلکہ انسان کی ذت میں بے پایاں امکانات کی تلاش بھی ملتی ہے۔ ان نظموں پر اقبال کا اثر واضح طور پر ہے مگر فنکارانہ سطح پر جمیل کی انفرادیت بھی آپ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ 'پیام' کا یہ بند دیکھیے۔

جز سعی دوام اور کیا ہے شاعر کا پیام اور کیا ہے
یعنی اس میکدہ کی رونق جز گردش جام اور کیا ہے
انسان کا کام اور کیا ہے؟

فکر اور جذبے کی آمیزش اِس نظم کی تاثیر کا سبب ہے۔ نظم میں پیش کردہ سوالات خارجی سطح پر قاری کو پریشان نہیں کرتے بلکہ انداز بیان اور مخصوص انفرادی اسلوب نظم میں ایک رجائی آہنگ پیدا کر دیتا ہے۔ انسان کی عظمت، سربلندی، خودی اور انا کو 'فسانۂ آدم' میں اس سے بہتر طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔

خرد کے نشہ میں اللہ رے بے خودی میری
بدن سے چادرِ عصمت بھی پھینک دی میں نے
ہوا حدود نظر سے نکل کے آوارہ
ہوائے شوق میں جنت بھی چھوڑ دی میں نے
بڑھیں ستاروں کی دنیائیں میرے لینے کو
اتر کے عرش کے نیچے نظر جو کی میں نے
بڑھا تو بڑھ گیا پیچھے مرے زمانۂ حال
رکا تو وقت کی رفتار روک دی میں نے
بلندیوں کا تصور بھی رہ گیا پیچھے
پہنچ کے اتنی بلندی پہ سانس لی میں نے

اسی طرح 'آدم نو کا ترانۂ سفر' پیش نظر رکھیے جس میں انسان کے مادّی اکتسابات وفتوحات کو جمیل نے بڑے شاعرانہ اسلوب میں پیش کیا ہے۔

فریب کھائے ہیں رنگ و بو کے سراب کو پوجتا رہا ہوں
مگر نتائج کی روشنی میں، خود اپنی منزل پہ آرہا ہوں
جو دل کی گہرائیوں میں صبح ظہور آدم سے سو رہی تھیں
میں اپنی فطرت کی اُن خداداد قوتوں کو جگا رہا ہوں
میں سانس لیتا ہوں ہر قدم پر کہ بوجھ بھاری ہے زندگی کا
ٹھہر ذرا گرم رو زمانے کہ میں ترے ساتھ آرہا ہوں
طلسم فطرت بھی مسکراتا ہے میری افسوں طرازیوں پر
بہت سے جادو دکھا چکا ہوں، بہت سے جادو جگا رہا ہوں
یہ مہر تاباں سے کوئی کہہ دے کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
میں اپنے صحرا کے ذرے ذرے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

اس نظم میں جمیل مظہری کا انسان نہ صرف طاقت و قوت کا سرچشمہ ہے بلکہ خود اعتماد، حوصلہ منداور ایسے تمام جدید علوم وفنون سے بہرہ ور ہے جو ایک جہان نو کی تعمیر و تشکیل میں معاون ہو سکتے ہیں۔ وہ تسخیر مہر و ماہ کی قدرت رکھتا ہے اور اپنے وجود کی عظمت سے آشنا ہے۔ یہ نظم اپنے غنائی آہنگ کی وجہ سے بھی قابل توجہ ہے۔ اس کا رِدم اسے غزلیہ آہنگ کے قریب لے جاتا ہے مگر شاعر کا فکری نظام اُسے سرعت سے دائرۂ نظم میں لاکر ایک مخصوص رجائی اور تفکیری آہنگ بخش دیتا ہے۔ نظم ''ہم کون ہیں ہم کیا ہیں'' بھی عظمت آدم اور انسان کے تشخص کی آئینہ دار ہے اور اپنی شعریت اور موسیقیت کی وجہ سے ہمیں متوجہ کرتی ہے۔ صرف ایک بند ملاحظہ کیجیے۔

ہم کون ہیں ہم کیا ہیں/ ہم ساز حقیقت ہیں
اک نغمۂ رسوا ہیں/ اک فتنۂ برپا ہیں
ہے جس کے تلاطم سے/ اک محشر بے خوابی
ہنگامۂ بے تابی/ امواج ہوا پیچاں
تقدیر عمل رقصاں/ حرکات میں کیفیّت
ذرات میں بیداری/ اک عالم سرشاری
ہر رنگ میں ہم پیدا/ ہر چیز پہ ہم طاری
ہم کون ہیں ہم کیا ہیں

اس نظم کی موسیقیت اور آہنگ سے متاثر ہو کر خلیل الرحمٰن اعظمی نے کہا تھا کہ اس کے ہر بند میں ایک رقص کی سی کیفیت ہے۔ ممتاز نقاد سلیم احمد نے بھی جمیل مظہری کی شاعری میں انفرادی آہنگ کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''اُن کی شاعری میں مترنم بحروں کا استعمال یہ ظاہر کرتا ہے کہ انھوں نے شاعری کے ایک اہم راز کو ضرور دریافت کر لیا ہے، یعنی موسیقیت''

شاعر اگر اپنا انفرادی آہنگ پالے تو شاعر اور شاعری دونوں کی معراج ہوا کرتی ہے۔ جمیل مظہری کے یہاں یہ آہنگ محض اسلوب واظہار یا زبان و بیان کی خوش سلیقگی سے پیدا نہیں ہوا بلکہ ان کی فکر کا بھی اپنا ایک خاص آہنگ ہے جو عام الفاظ میں بھی حرکت وحرارت پیدا کر دیتا ہے اور میر انیس کی طرح غیر فصیح کو فصیح اور فصیح کو فصیح تر بنا دینے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فکر کا یہ آہنگ جمیل مظہری کے یہاں بالکل ابتدائی دور کی نظموں سے ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ وہ نظمیں جو عین عالم شباب میں کہی گئی ہیں مثلاً عورت، یا مالن کی بیٹی وغیرہ تو حیرت ہوتی ہے کہ وہاں بھی تذکرۂ حسن و جمال کی بجائے مشاہدۂ حق وحیات زیادہ نظر آتا ہے۔ 'مالن کی بیٹی' 1924 کی نظم ہے، یہ شاعر کی عمر کا وہ حصہ ہے جس میں عام طور پر نوجوان شعرا عذرا، سلمٰی، حسینہ، نازنینہ وغیرہ کو موضوع بنا کر شعر کہتے ہیں۔ مگر جمیل اس عمر میں بھی 'مالن کی بیٹی' پر نظم کہہ رہے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب حسن وعشق کا روایتی تصور بدل رہا تھا اور حقیقی دنیا کے مسائل شاعر کو خیالی دنیا سے نکال کر کائنات شاعری ہی نہیں بلکہ شعریات کے قواعد کو بدلنے پر مجبور کر رہے تھے۔ بقول پروفیسر علی احمد فاطمی:

''اِن سب کی پشت پر اقبال تھے جو اپنی سنجیدہ فکری اور فلسفیانہ شاعری کے ذریعے حقیقت اور معروضیت اور کہیں کہیں اشتراکیت اور انقلابیت کا ایسا صور پھونک رہے تھے کہ اُس کی گھن گرج سے نکل پانا ناممکن نہ سہی تو مشکل ضرور تھا۔''

اقبال کے ذریعے خضر راہ میں زندگی اور انسان سے متعلق اٹھائے گئے سوالات ہوں یا جوش کے ذریعہ لکھی گئی نظم ''کسان'' کا انسان۔ ان سب کا اثر کہیں نہ کہیں جمیل مظہری ضرور قبول کرتے ہیں۔ اسی لیے وہ 'مزدور کی بات'، 'مزدور کی بانسری' اور 'ارتقا' جیسی نظم کہہ پاتے ہیں۔

ابھی ابھی ہم نے فسانۂ آدم، آدم نو کا سفر، اور ہم کون ہیں ہم کیا ہیں، جیسی نظمیں دیکھیں جن میں جمیل مظہری کی سنجیدہ بلکہ عمرانی اور فکری شاعری کا مرکز ومحور حضرت انسان اور اس کے علم وعمل سے جنم لینے والی سرگرمیاں ہیں، اور جو عظمت آدم کا دم بھرتی ہیں۔ اسی سلسلے کی ایک اور نظم 'ارتقا' بھی نظر میں رکھی جائے جس میں شاعر نے انسان کو قدرت کا شاہکار قرار دیا ہے۔ ایسا شاہکار جو اپنی فطری صلاحیتوں اور حرکت وعمل کی وجہ سے ترقی کی جانب گامزن ہے۔ اس سفر میں لغزش بھی رہنمائی کا کام کرتی ہے اور اُس کی قوت ارادی اُسے صاحب کردار بناتی جاتی ہے۔ صرف تین اشعار دیکھیے۔

ہر حال میں مشیت مجھ کو بنا رہی ہے
میں اس کی قدرتوں کا شہکار بن رہا ہوں
خود اپنی جنتوں کی تخلیق کر رہا ہوں
خود اپنی زندگی کا معمار بن رہا ہوں
یہ جبر وقدر کی اک منزل ہے درمیانی
مجبور تو ہوں لیکن مختار بن رہا ہوں

اس نظم کی خوبصورتی اور انفرادیت یہ ہے کہ اس میں انسان کے ارتقا کا سبب اس کی مادی فتوحات کے بجائے اس کی ذہنی تبدیلیوں اور اخلاقی ترقیوں کو بتایا گیا ہے۔ انسان کی ارضی اور مادی زندگی کی بہبود و بہتری کے سلسلے میں شاعر نے خیالات پیش کرتے ہوئے نہ صرف فنی لوازمات اور تخلیقیت کو پوری طرح مدنظر رکھا ہے بلکہ اپنے خیالات و احساسات کو دردمندانہ احساسات سے ہم آہنگ کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِس مزاج کی اور بھی کئی نظمیں ہیں جن کے مطالعے سے آشکارا ہوتا ہے کہ جمیل

مظہری نے حضرت انسان کی عظمت اور اس کی سرشت و کیفیات کو ہی موضوع نہیں بنایا بلکہ انسان پر ہونے والے مظالم، استحصال سرمایہ و محنت کے تضاد سے انسان پر ہونے والے اثرات پر بھی غور وفکر کیا ہے جو اُن کی شاعری کو سماجیات اور سیاست کی طرف لے جاتے ہیں۔جمیل مظہری نے جو موضوعاتی نظمیں لکھی ہیں مثلاً مزدور کی آواز، زمزمہ، مزدور کی بانسری سے، مالن کی بیٹی، جوانوں سے، صدائے جرس اور موسم کے اشارے وغیرہ (جن میں سے اکثر نقش جمیل میں سیاسیات و عمرانیات کے تحت شامل ہیں) یہ بھی عظمت آدم کے اعتراف اور انسانی و اخلاقی اقدار پر ہی ٹکی ہوئی ہیں۔مثلاً مزدور کی آواز انہوں نے اس وقت لکھی جب ترقی پسند تحریک کا وجود بھی نہیں تھا۔اس میں انھوں نے مزدور کی طاقت واہمیت کا اعتراف کرواتے ہوئے اسے ارتقا کا پیشوا اور تعمیر کی بنیاد قرار دیا ہے۔کہتے ہیں

دنیا میں کھلائے ہیں گلزار ارم میں نے
کعبہ میں اٹھائی ہے دیوار حرم میں نے
میں دوں نہ اگر جنبش بازوئے مشقت میں
رعشہ ابھی آجائے اعضائے حکومت میں

ایک دوسری نظم 'مزدور کی بانسری سے' میں بھی شاعر کے دردمند دل نے محنت اور سرمایہ کے تضاد کو پیش کرتے ہوئے انسان دوستی اور دردمندی کو ایک مخصوص لطافت اور رنگِ حقیقت بخشا ہے:

ہم سے ہے بازار کی رونق ہم سے چہروں کی لالی ہے
جلتا ہے ہمارے دل کا دیا، دنیا کی سبھا اُجیالی ہے
بازار تمدن بھی اُن کا، دنیائے سیاست بھی اُن کی
مذہب کا ادارہ بھی ان کا، عادل کی عدالت بھی اُن کی
پابند ہمیں کرنے کے لیے سو راہیں نکالی جاتی ہیں
قانون بنائے جاتے ہیں، زنجیریں ڈھالی جاتی ہیں

پوری ترقی پسند شاعری کسان اور مزدور کے نغموں سے پر ہے مگر جمیل مظہری کی طرح انسان دوستی اور دردمندی سے بھرا یہ پر اعتماد لہجہ اور فکر کی پختگی کہیں نہیں ملتی۔ ہر چند کہ اِن نظموں میں اقبال کا لحن اور جوش کی گونج سنائی دیتی ہے لیکن ان میں جمیل کی اپنی جمالیات اور شعریات بھی نظر آتی ہے جو اُن کی انفرادیت کے در کھولتی ہے۔ بقول مظہر امام:

''(اس عہد کے) تمام نظم گو شعرا کے یہاں اقبال کا اثر کسی نہ کسی لحاظ سے موجود ہے۔جمیل مظہری کے یہاں بھی یہ تاثر پذیری ملتی ہے۔اقبال کو انہوں نے اپنا مرشد فن کہا ہے۔لیکن اِس تاثر پذیری کے باوجود انھوں نے ہر جگہ اپنی انفرادیت برقرار رکھی ہے۔اُن کی فکر اپنی ہے، ان کا لب ولہجہ اپنا ہے''

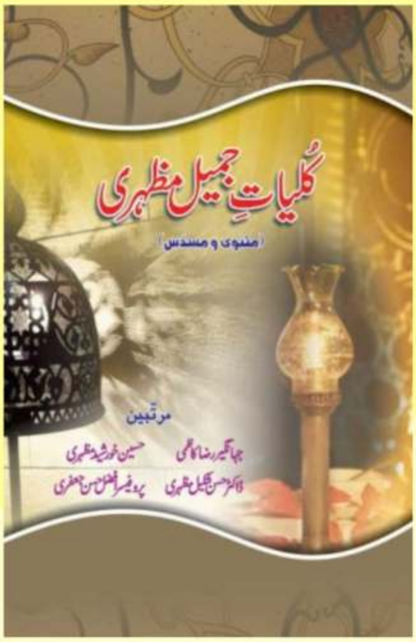

مختصر یہ کہ جمیل مظہری کا شعری سرمایہ نہ صرف زیادہ ہے بلکہ رنگا رنگ بھی ہے۔ان کی مختلف سمتیں اور جہتیں ہیں جنہیں ایک مختصر مضمون میں سمیٹنا ممکن نہیں۔ہاں ان رنگوں میں ایک رنگ عظمت آدم اور احترام انسانیت پر مشتمل نظموں کا بھی ہے جو اُن کی فکری، فلسفیانہ، عشقیہ اور صوفیانہ نظموں سے کسی طرح کم نہیں۔ بلکہ یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اُن کی رومانی، صوفیانہ، عشقیہ اور فکری شاعری بھی انسانی واخلاقی اقدار پر ٹکی ہوئی ہے۔ثبوت کے طور پر آپ عشق ناتمام، دھارے اور موسم کے اشارے وغیرہ نظموں کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔جمیل مظہری کے یہاں انسان اور آدمیت کے مجرد تصور کے بجائے آج کے مسائل سے نبرد آزما انسان ملتا ہے، جو اپنے جینے کے حق کا طلبگار ہے۔وہ شکست کے سامنے سرنگوں یا اس سے خوف زدہ نہیں اور نہ وہ کسی طرح کی خوش فہمی میں گرفتار ہے۔وہ اپنی تقدیر کو بنانا اور اپنے حق کو حاصل کرنا جانتا ہے۔وہ برابر کا حق، آزادیِ اظہار اور مشترک انسانی رشتوں کا احترام چاہتا ہے اور ساتھ ساتھ ایک بہتر دنیا کی تعمیر کا خواہاں ہے۔

احترام آدمیت کا یہ تصور کم از کم یہ ضرور ثابت کرتا ہے کہ جمیل مظہری ایک بیدار اور دردمند شاعر ہیں۔وہ ایک خاص فلسفۂ حیات رکھتے ہیں جو کہیں سے مستعار نہیں بلکہ ان کے ذاتی فکر و تدبر اور دردمند دل کا نتیجہ ہے، اور جس کی اساس عظمت آدم اور حرکت و عمل پر ہے۔لیکن کمال فن یہ ہے کہ اپنے اِن خیالات و افکار کا اظہار کرتے وقت وہ رعنائی خیال، لطافت، شعریت اور تخلیقیت کا دامن ہاتھوں سے نہیں جانے دیتے۔فلسفیانہ خشکی اور سپاٹ پن کا ان کے یہاں گزر نہیں۔انہوں نے اپنے خیالات، افکار اور اظہار و اسلوب میں ایک خوبصورت ہم آہنگی برقرار رکھی ہے جو ان کی نظموں کو نہ صرف غنائیت اور موسیقیت عطا کرتی ہے بلکہ سطحیت اور سپاٹ پن سے بھی دور رکھتی ہے۔ان کی نظموں میں الفاظ اور معنی الگ الگ نہیں ہوتے۔ایسا نہیں کہ وہ سوچتے پہلے اور نظم بعد میں کرتے ہوں۔ان کے ذہن میں دونوں عمل ایک ساتھ چلتے ہیں۔ان کی شاعرانہ فکر اور احساس جمال ان کے خیال کو اشعار میں ڈھال ڈھال کر نکالتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ فلسفہ، مذہب، تصوف اور اخلاق و نصیحت کی خشکی ان کے جذبہ اور تخیل کی آمیزش سے شعریت میں، اور حقیقت حسن میں تبدیل ہو جاتی ہے۔تخلیقی جودت اور عشق و مزاولت کی یہ ایسی منزل ہوا کرتی ہے جہاں عام شاعر آسانی سے نہیں پہنچ سکتا۔جمیل مظہری کی رسائی وہاں تک ہو چکی تھی اس لیے انہوں نے اپنا ایک انفرادی اسلوب پالیا تھا۔یہ فطری اور لفظی اسلوب ہی ان کی شناخت ہے۔میں اپنی گفتگو خلیل الرحمٰن اعظمی کے ان جملوں پر ختم کرتا ہوں جو انہوں نے جمیل مظہری کی نظموں کے حوالے سے لکھے تھے:

''جمیل مظہری نے...اپنے کلام کو جس اعلیٰ سطح پر رکھنے کی کوشش کی ہے، اس کی مثال اقبال کے بعد والی نسل میں کسی اور شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔وقتی طور پر مقبولیت حاصل کرنے والے شعرا میں سے کسی کی پرواز جمیل مظہری تک نہیں۔فکر وفن کے اعتبار سے ان کا کوئی ہم عصر اُن کا حریف ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔''

کتابیات

1۔ نقش جمیل: علامہ جمیل مظہری، بہار اردو اکادمی، پٹنہ
2۔ فکر جمیل: علامہ جمیل مظہری، بہار اردو اکادمی، پٹنہ
3۔ منثورات جمیل مظہری: مرتبہ پروفیسر اعجاز علی ارشد، بہار اردو اکادمی پٹنہ
4۔ جمیل مظہری: (مونوگراف) مرتبہ مظہر امام، ساہتیہ اکادمی، دہلی
5۔ تاریخ ادب اردو، پروفیسر وہاب اشرفی۔ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
6۔ بہار کی بہار: (جلد اول) پروفیسر اعجاز علی ارشد، خدابخش لائبریری، پٹنہ
7۔ ماہنامہ 'آج کل' دہلی، جمیل مظہری نمبر

Shahab Zafar Azmi
P.G.Department of Urdu
Patna University
Patna- 800005 (Bihar)

علیم صبا نویدی

بدایوں کا ایک غزل گو
منشی دیبی پرشاد سحر

شمالی ہندوستان کے ہندوؤں میں 'کائستھ' قبیلے کے لوگوں نے ہی سب سے پہلے فارسی زبان سیکھی اور مسلمان بادشاہوں کے ہاں دیوان کے منصبوں اور مالیاتی شعبوں کے گماشتوں کے عہدوں پر فائز ہوئے۔ یہ لوگ ذات پات اور نسل و فرقہ کے امتیازات سے بے نیاز تھے۔ مزید یہ کہ اس قبیلے کے لوگ مسلمان صوفیائے کرام، علما و فضلا اور شعرا کے ساتھ آزادانہ طور پر اٹھتے بیٹھتے تھے اور فارسی فنون و ادب میں اپنی فطری دل چسپی اور شوق کا مظاہرہ کرتے تھے۔ فارسی زبان تقریباً ان کی مادری زبان بن گئی تھی۔ اس قبیلے کے کئی علما و فضلا مثلاً لکشمی نرائن شفیق، ٹیک چند وغیرہ نے فارسی ادب کی بہت سی صنفوں میں اپنی بے شمار قیمتی اور لازوال تخلیقات پیش کی ہیں۔

بعد کے مغلوں کے دور میں جب اردو نے بہت مقبول زبان کی حیثیت حاصل کرلی تو 'کائستھ' بھی اس زبان کے سیکھنے اور اپنے قبیلے کی عورتوں میں اردو زبان کی ترویج و اشاعت میں بڑی دل چسپی دکھائی۔ بہت جلد اردو زبان اس ملک کی رابطے کی زبان قرار پائی۔ مسلمانوں اور ہندوؤں نے متحدہ طور پر اس زبان کی نشو و نما اور ترقی کی راہیں استوار کیں۔ الغرض ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ہندو اور مسلم شعرا مشاعروں میں دوش بدوش شرکت کرتے تھے اور اپنا کلامِ بلاغت نظام گوش گزار کر کے اہل محفل سے دادِ تحسین پاتے تھے۔

منشی دیبی پرشاد سحر، جن کا تعلق 'کائستھ' خاندان کی ایک شاخ 'شری وستھ' سے تھا، آپ ایک عالم اور شاعر تھے۔ آپ نے اردو زبان و ادب کی شان دار خدمت سرانجام دی ہیں۔

دیبی کے آبا و اجداد ضلع لکھنؤ میں واقع ایک چھوٹے سے شہر 'بنگر مئو' کے باشندے تھے۔ آپ کے جدِّ امجد منشی حکومت رائے فارسی اور اردو کے جید عالم اور خوش نویس تھے۔ آپ خطِ شکستہ اور خطِ نستعلیق دونوں کے ماہر کاتب تصور کیے جاتے تھے۔ آپ بدایوں کے شعبۂ مالیات میں بحیثیتِ گماشتہ فائز تھے۔ آپ بڑے جری اور بہادر تھے۔ اپنے دشمنوں کا بغیر ہتھیار کے ہی مقابلہ پر کمر بستہ ہوجاتے تھے۔

دیبی کے والدِ ماجد منشی چنی لال اخگر بھی ایک عظیم عالم و فاضل اور مقبول شاعر تھے۔ انھیں فطری طور پر فارسی اور اردو شاعری کا ملکہ حاصل تھا۔ وہ بہت آزاد خیال اور وسیع النظر بزرگ تھے۔ جو قومی، مذہبی اور نسلی بالادستی سے مبرا تھے۔ وہ سادہ اور منکسر المزاج تھے مگر غیر کفایت شعار تھے۔ اپنے ہم پیشہ اور ماتحتین کا، ان کے رتبوں کے عین مطابق خاطر مدارت کرتے تھے۔

منشی دیبی پرشاد کی پیدائش 24 دسمبر 1840 کو بدایوں میں ہوئی۔ انھوں نے اپنی فارسی تعلیم مولوی طاہرالدین صاحب سے حاصل کی۔ اُن دنوں عربی مدرسوں میں علم منطق، فلسفۂ یونان، ریاضی، تاریخ، جغرافیہ وغیرہ نصاب کے عام موضوعات قرار دیے گئے تھے۔ انھوں نے اس نصاب کو کم عمری ہی میں پورا کرلیا۔ وہ بہترین خطاط اور نقش گر مانے جاتے تھے۔ شاعری میں آپ نے سحر تخلص اختیار کیا اور زیادہ تر اردو ہی میں شعر کہتے تھے اور اپنے دور کے بزرگ شعرا کے روبرو اپنا کلام پڑھتے تھے۔ شاعری میں آپ نے اپنے والد ماجد منشی چنی لال اخگر ہی کو اپنا استاد مانا تھا۔ بہت جلد آپ نے دہلی اور لکھنؤ کے اساتذۂ کرام سے روابط پیدا کر لیے تا کہ وہ اپنی زبان اور فن کو مزید بنا سنوار سکیں جس کا خود اپنے اشعار میں اعتراف کیا ہے۔

پسندیدہ نہ ہو اے سحر کیوں سب کو کلام اپنا
رہے ہم مدتوں دہلی میں، چھانا لکھنؤ برسوں
بسے خدمت نمودم شاعری تا کردہ ام حاصل
ہنر اے سحر کئے بے خدمتِ استاذی آید

ابتدا میں دیبی پرشاد سحر بدایوں کے ہائی اسکول میں اسکول اسسٹنٹ کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ بعد میں انھوں نے پورے ضلع کے لیے 'سب ڈپٹی انسپکٹر اسکولس' کے عہدے تک ترقی پائی۔ کئی سال تک شعبۂ تعلیمات کی خدمات پوری فرض شناسی اور دیانت داری کے ساتھ سرانجام دینے کے بعد وہ وظیفہ یاب ہوئے۔ آپ نے اپنے قبیلے کے لوگوں کی بہبودی اور ترقی میں بڑی دلچسپی لی اور 'کائستھا سبھا' کی کل ہند کانفرنسوں میں، جو ہر سال بریلی، گورکھ پور جیسے مقامات میں منعقد ہوتی تھی، حصہ لیتے تھے۔ مندوبین کے استقبالیہ، دعوت نامے نثر کے عوض وہ منظوم تیار کرتے تھے اور نام بہ نام پیش کرتے تھے۔

منشی دیبی پرشاد سحر کے ہم عصروں میں جن کے ساتھ آپ کی نشست و برخواست کی سعادت حاصل تھی۔ کئی بزرگ شعرا تھے مثلاً منشی گیندن لال گوہر، منشی رام دیال رسا، پنڈت رام جی مل تمکین، دیوان گردھاری لال عاجز، منشی انور حسین صاحب تسلیم اور مولوی بہادر علی صاحب وغیرہ جو آپ ہی ہم پلہ علما و فضلا اور شاعر تصور کیے جاتے تھے۔ یہ بزرگ منشی دیبی پرشاد سحر کی بڑی عزت اور قدر و منزلت کرتے تھے اور آپ کی شاعری کے مداح تھے۔ آپ کی شعری تخلیقات بہت مشہور اور مقبول ہوئیں۔ عوام کے مطالبات کے پیش نظر انھوں نے اپنے دیوان کا دوسرا ایڈیشن 1894 میں شائع کروایا۔ اسی دیوان کی اشاعت کے بعد وہ کچھ مدت تک علیل و صاحب فراش رہے اور اسی مرض میں آخر کار آپ نے وفات پائی۔

منشی دیبی پرشاد سحر نے بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں۔ جو علم منطق، فلسفہ، فصاحت و بلاغت، قیافہ شناسی جیسے موضوعات کا احاطہ کرتی تھیں۔ آپ کی بعض تصنیفات حسب ذیل ہیں:

1۔ نظمِ پروین: فن خوشنویسی کے موضوع پر ہے جو

1282ھ/ 1865 میں تصنیف ہوکر شائع ہوئی۔
2۔معیار البلاغت: بلاغت کے موضوع کا احاطہ کرتی ہے جو 1283ھ/ 1866 میں تصنیف واشاعت پائی۔
3۔ خلاصۃ المنطق: منطق کے موضوع پر ہے جو 1284 ھ/ 1867 میں تصنیف واشاعت پائی۔
4۔ معیار الاملا: فن تحریر کے موضوع پر ہے جو 1284ھ/ 1867 میں تصنیف واشاعت پائی۔
5۔رسالۂ قیافہ: قیافہ شناسی پر مختصر رسالہ 1284ھ/ 1867 میں تصنیف اشاعت پائی۔
6۔ محیط المساحت: علم ہندسہ پر مختصر مقالہ جو 1305ھ/ 1888 میں تصنیف واشاعت پائی۔
7۔ ارژنگ چین: کتابت، خوش نویسی کے اصول اور نمونے۔
8۔رکاز الفیوض
9۔مراۃ العلوم
10۔ پانچ واسوختیں: 1۔تحریر عشق، 2۔تقریر عشق، 3۔تدبیر عشق، 4۔تاثیر عشق، 5۔تصویر عشق
11۔دو دیوان: 1۔سحر سامری، 2۔تمات سحر

دیبی پرشاد سحر کی نظموں کی ایک کلیات (دیوان کی شکل میں) ان کے دو شاگردوں، چھوٹے لال صاحب اور منشی کرپاشنکر صاحب خوش نے دو بار اپنے استاد کی حینِ حیات میں شائع کیں پہلی بار اس کی اشاعت 1298ھ/ 1881 میں ہوئی، اس کا دوسرا ایڈیشن 1311ھ/ 1894 میں شائع کرایا۔ اس میں اکثر نظمیں اردو ہی میں تھیں اور بعض فارسی زبان میں۔ اس دیوان میں اردو اور فارسی نظموں کے علاوہ چند اردو رباعیات اور تہنیتی و سیاسی نظمیں اور نیز تاریخی قطعات شامل ہیں۔

دیبی پرشاد سحر کا دور انیسویں صدی کا وسطی دور تھا۔ جبکہ روایات کا رنگ بہت گہرا تھا۔ چنانچہ آپ کے ہاں روایتی عشق اور حسن سرائی کے موضوعات ہی تھے جو اس دور کے قارئین وسامعین کو فوری طور پر اپنی طرف متوجہ کرتے تھے۔ آپ کے اشعار میں سلاست، شگفتگی، شیرینی تھی اور ناشائستہ الفاظ سے گریز دکھائی دیتا تھا جن سے تخریب کے بدلے تعمیر ہی کا منشا اجاگر ہوتا ہے۔ اگرچہ آپ کو زبان و بیان پر حد درجہ دسترس حاصل تھی مگر تعلّی آپ کی ایک خامی ضرور تھی۔ جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے۔

سحر سانا چیز فیضِ صحت اوستاد سے
اوستادِ نظم اردوئے معلا ہوگیا
کس قدر ہے سحر اپنی فیض صحبت کا اثر
چار دن جو پاس بیٹھا وہ سخنور ہوگیا

صد حیف سحر شاعر یکتا تھا مرگیا
علامہ تھا، فصیح تھا، فخرِ زمانہ تھا

دیبی اپنے ہمعصروں سے پوری طرح سراہے گئے تھے۔ سوائے ان کے جو اُن سے ناواقف یا بغض وعناد رکھتے تھے۔ اسی کی طرف انھوں نے اپنے اشعار میں اشارہ بھی کیا ہے۔ بعض اوقات انھیں اپنی کم قدری کی شکایت بھی رہی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

بے کار فن شعر میں ہے خواہش کمال
یاں سحر کچھ بھی پرسشِ اہل ہنر نہیں
نہیں اے سحر اب زمانے میں
قدر داں کوئی اہل جوہر کا
کیا انقلاب سحر زمانے میں ہوگیا
وہ قدرداں رہے نہ وہ اہل ہنر رہے

وہ بعض جگہ کہتے ہیں اگر مرزا غالب، خواجہ آتش، ناسخ اور آباد زندہ ہوتے تو وہ ان کی شاعری کی داد دیتے۔ کہتے ہیں۔

جو ہوتے زندہ کہیں غالب آج کل اے سحر
تو ان سے ملنے کو ہم لے کے یہ غزل جاتے
کون دے دادِ سخن کی ترے اے سحر کہ اب
خواجہ آتش نہیں، ناسخ نہیں آباد نہیں

دیبی پرشاد سحر کا دعویٰ ہے کہ وہ اعلیٰ درجے کے غزل گو ہیں۔ وہ مشکل زمینوں میں بھی مختصر وقفہ میں غزل کہہ لیتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں۔

تونے یہ غزل لکھی ہے ایک گھڑی میں
اس طرح میں کہتے ہیں سخنور کئی دن سے
کیا زمینِ سخت میں لکھی ہے تونے واہ وا
یہ غزل اے سحر تیری مشتہر ہوجائے گی
کام تھا تیرا ہی، کیا مضمون لکھے ہیں سحر کے
اس زمیں میں سحر کوئی لکھ غزل سکتا نہیں
اس طرح میں غزل کا لکھنا ہے غیر ممکن
اے سحر کوئی باندھے گو اب ہزار پانچوں
لکھا مطلع ہی ملع شعر کی جا سحر کیا کہنا
غزل لکھ دوسری بھی اس زمین میں اپنے دیوان میں
نہ ہوا تو بھی مگر طرز سخن سے باہر

دیبی ایک دانشور شاعر تھے۔ خود شعر گوئی میں دوسروں کی نقالی نہیں کرتے تھے۔

تازہ مضمون سحر اپنی طبع موزوں سے نکال
ہو نہ تو طرزِ سخن میں آشنا تقلید کا

اکثر اوقات دیبی کی غزلیں اُن کے استاد بغیر اصلاح کے جوں کی توں واپس کردیتے تھے۔ اس لیے کہ وہ کسی خامی سے عاری سمجھی جاتی تھیں۔ شاعر اپنی تسکین کا اظہار کرتا ہے۔

صفتِ چشم میں استاد کو بھیجی جو غزل
ہو کے ہر شعر یہ اے سحر ترے صاد کیا

دیبی پرشاد سحر سناتن دھرم کے پیرو تھے۔ تاہم وہ مذہبی کٹرپن سے آزاد تھے۔ انھوں نے ایک نظم تحریر کی ہے جس میں انھوں نے حضرت عیسیٰ کی اسی ڈھنگ سے تعریف کی ہے جیسے کہ وہ عیسائی ہی ہیں۔ اس نظم کے دو بند درج ذیل ہیں۔

یا مسیحا تو ہے تسکین بخش جانِ عاصیاں
رحمتِ حق ہے تری ذاتِ مبارک سے عیاں
تو نہ آتا تو نجاتِ عاصیاں ہوتی کہاں
تو ہے فرزندِ خدا اے خالق کون و مکاں
ذات تیری عینِ ذات حق ہے نور عین ہے
عاصیوں کے واسطے تو ضامنِ دارین ہے
تونے فرمائی گنہ گاروں پہ شفقت کی نظر
آیا دنیا میں تمامی عیش و عشرت چھوڑ کر
خلق میں ظاہر کیا ہے اپنے تئیں شکلِ بشر
جان ہمارے واسطے دی اپنی بے خوف وخطر
رحم خالق خوب ہم پر آشکارا ہوگیا
ہم گنہ گاروں کے عصیاں کا کفارہ ہوگیا

دیبی پرشاد سحر آریہ سماج تحریک کے زبردست حامی تھے۔ جب اس کے قائد سوامی دیانند مہاراج کی موت اجمیر میں 30 اکتوبر 1883 میں ہوئی اور اس کی خبر دیبی کو ملی تو انھیں سخت صدمہ ہوا اور اس غم واندوہ کو انھوں نے ایک مرثیہ میں پیش کیا جس کے چند شعر ذیل میں دیے گئے ہیں۔

اس فکر میں آشفتہ سر بیٹھا ہوا تھا اپنے گھر
ناگاہ پہنچی یہ خبر اک شخص نے مجھ سے کہا
تھے علم میں جو بے بدل تھا وید پر جن کا عمل
بے مثل تھے جو آج کل کوئی نہ ثانی جن کا تھا
تھا راست جن کا ہر سخن جو کفر کے تھے بیخ کن
تھے واقفِ ہر علم وفن مذہب کے تھے جو پیشوا
رو غلط اثباتِ حق تھا رات دن جن کا سبق
ویدوں کا مضموں اوق تھا جن کے دل پر سب کھلا

■

Aleem Saba Naveedi
No: 192/266, Triplicane, High Road
Flat No: 16, Second Floor
Rice Mandi Street
Chennai - 600005 (TN)
Cell:9840361399

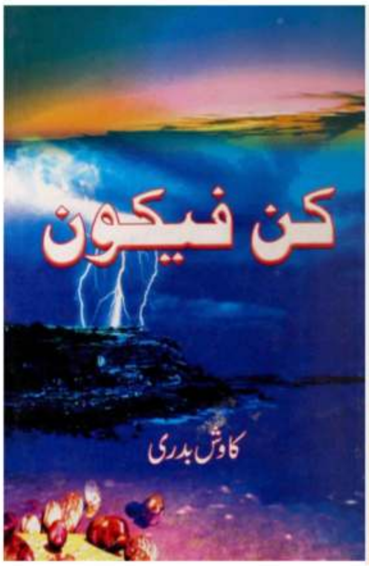

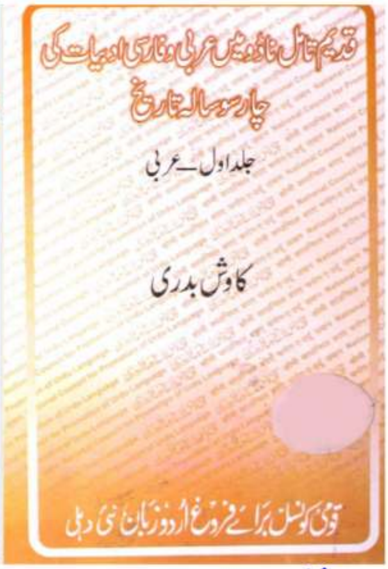

قاضی حبیب احمد

تمل ناڈو کا ایک انمول رتن

کاوش بدری

کاوش بدری کی زندگی جتنی پیچیدہ تھی ان کی شاعری اتنی ہی سنجیدہ ہے۔ کاوش کے فن کو سمجھنے کے لیے ان کی زندگی کی کتاب کے اوراق الٹنا ناگزیر ہے۔ اسی لیے میں نے ان کے فن پر گفتگو کے دوران ان کی شخصیت کے بھی اہم پہلوؤں کی طرف اشارے ضرور کیے ہیں۔ ہندوستان کے جنوب بعید کے ایک ایسے علاقے سے جہاں اردو بول چال کے درجے میں بھی خال خال ہی نظر آتی تھی، کاوش بدری نے جنم لے کر ثابت کردیا کہ آدمی کسی بھی خطے سے اٹھے اگر صحیح جذبہ رکھتا ہے تو افق پر چھا جانا کچھ مشکل کام نہیں ہے۔ کاوش نے اپنی مادری زبان تمل ہونے کے باوجود اردو زبان میں ایسا درک پیدا کیا کہ اردو کے منجھے ہوئے شاعروں میں شمار ہونے لگے اور اردو دنیا کے سامنے اپنی فنی عظمتوں کا لوہا منوایا۔ بقول خود:

گو زبان مادری اردو نہیں
مستند ہے ہم نے جو فرمادیا

کاوش کی صرف زبان کسبی تھی ورنہ وہ شاعر وہبی تھے۔ ان کی طبیعت میں موزونیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ بقول پروفیسر کلیم الدین احمد

''جناب کاوش بدری کی مادری زبان اردو نہیں ہے، لیکن موصوف اردو شعر وادب میں رچے بسے ہیں کہ اس کی مثال خال خال ہی ملتی ہے۔ آپ کی شاعرانہ صلاحیتوں کا اعتراف مختلف ادبی حلقوں سے کیا جاتا رہا ہے اور انھیں ایک صاحب اسلوب شاعر ماننے میں کسی کو تأمل نہیں ہے۔''

(کن فیکون: کاوش بدری، مطبوعہ 2004، آل انڈیا اردو منچ)

کاوش کے یہاں اسلوب سخن اور پیرایہ اظہار کا ایک جہان نو آباد ہے۔ ایک نئی فضا کی جلوہ سامانیاں موجود ہیں۔ جن سے تخئیل وتفکر کی نئی وسعتوں کا سراغ ملتا ہے۔ غزل سے کاوش کو عشق کی حد تک لگاؤ تھا۔ بقول خود ان کے۔

ادب میں گو کئی اصناف ہیں مگر کاوش
غزل کی صنف ہی میدان مار لیتی ہے

اور یہ شعر دیکھیے۔

خوب کاوش نے دکھایا ہے غزل میں اعجاز
فن کے راجہ کی طرف فکر کی رانی آئی

کاوش بدری نے غزل کے دامن کو نئے استعاروں، نئی لفظیات وتشبیہات سے وسعت دی ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری میں بڑی خوبصورت اور انوکھی تراکیب بھی استعمال کی ہیں۔ روز مرہ اور محاوروں کو شعری قالب عطا کرنے میں انھیں ید طولیٰ حاصل تھا۔ وہ مشہور محاوروں کو توڑ مروڑ کر شعر بنا لیتے تھے۔ اساتذہ کے کئی مشہور اشعار کی بڑی پیاری تضمینیں انھوں نے کہی ہیں۔ منفرد لب و لہجہ کے مالک کاوش بدری کی غزلیہ شاعری کے موضوعات بھی متنوع اور اچھوتے ہیں۔ جدید غزل تصوراتی حدوں سے آگے نکل کر حقیقت تک پہنچ چکی ہے۔ داخلیت کے نہاں خانوں سے نکل کر زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کو پا لینے کے لیے بے چین ہے۔ کاوش بدری غزل کے اس جدید رجحان سے بے خبر نہیں تھے۔ ان کا شعر ہے۔

غیب سے ہاتھ آگئے کاوش مضامین جدید
فکر کی جدت مرے دیوان میں موجود ہے

وہ 'مضامین جدید' اور 'فکر کی جدت' کے علاوہ غزل کو 'متقی صنف' بھی مانتے ہیں۔ جیسے ان کا یہ شعر۔

برتنے والوں کے اوصاف بھی ستودہ ہیں
نہیں ہے صنف کوئی متقی سوائے غزل

کاوش غزل کی جدید جہتوں سے آگاہ ضرور تھے، لیکن پھر بھی غزل کو روایتی تناظر ہی میں دیکھنے کے خواہش مند تھے۔ کیونکہ اس تناظر سے ہٹ کر غزل، غزل ہی نہیں رہتی۔ اسی لیے وہ غزل کو تفنن طبع کا وسیلہ مانتے ہیں۔ اس میں پازیب کی جھنکار کی گونج سننا چاہتے ہیں۔ یہ شعر ملاحظہ ہو۔

تھم جاتی ہے جب گردش ایام کی یورش
گونج اٹھتی ہے پازیب کی جھنکار غزل میں

کاوش بدری کا 'حسن وعشق' عام 'حسن وعشق' سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ وہ حسن وجمال میں کائنات کی رنگینیاں

دیکھتے ہیں۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

اب اس مقام حسن پہ ضو پاش ہے نظر
دنیا تمام کوچۂ دل دار ہوگئی

——

بلیغ حسن میں کیا حسیت کا عالم ہے
ہوا بھی چھولے تو بڑھتی ہے دلکشی اس کی

——

سنا ہے جب سے کہ چہرہ ترا کتابی ہے
لگا کے آگ ہم آئے ہیں سب کتابوں کو

——

لطف تو آئے گا غزلوں میں تغزل نہ سہی
کم سے کم تذکرہ عہد جوانی ہوجائے

——

سب تیرے ہی انداز کا منہ چوم رہے ہیں
کیا تیرا تصور ہے رخ یوسف کنعاں

کاوش بدری کو خوبصورت چیزوں سے بڑا انس تھا۔ ان کی یہی حس ان کے اشعار کے روپ میں ظاہر ہوئی ہے۔ بقول اکبر زاہد:

''کاوش کی زندگی حسن وعشق سے عبارت تھی۔ خوبصورت اور حسین چیزیں انھیں بے حد پسند تھیں۔ جس چیز میں بھی انھیں زندگی مسکراتی ہوئی نظر آتی تھی وہ چیز کاوش کے لیے حسین بن جاتی۔ وہ کبھی پھولوں میں حسن تلاش کرتے تو کبھی کانٹوں میں اپنے لیے حسن تلاش کرلیتے تھے۔ زندگی سے انھیں عشق تھا اور وہ زندگی کے ایک ایک پل کو جینا چاہتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں کئی عشق بھی کیے۔ لیکن ممتاز جان ادا ان کی زندگی میں وہ واحد خاتون تھیں جن سے انھوں نے ٹوٹ کر محبت کی اور وہ اپنی اس محبت کا بانگ دہل اعلان بھی کرتے رہے۔ شاید رشید احمد صدیقی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ بات کہی تھی کہ 'تمل ناڈو میں کچھ اور نہ ہوا ہو، شاعری اور عاشقی اس دھوم دھام سے ہوئی ہے کہ خدا کی پناہ!'''

(قلندر دکن کاوش بدری: فن اور شخصیت کے آئینے میں: اکبر زاہد، ماہنامہ'امتیاز اردو'وانمباڑی، فروری 2019)

کاوش بدری نے جدید لب ولہجہ تو اختیار کیا لیکن شعری جمالیات کو ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ ان کے الفاظ میں موسیقیت پائی جاتی ہے جو دل کے تاروں کو چھیڑتی ہے، کاوش نئی راہوں کے متلاشی تھے۔ غزلوں میں وہ اپنی طرز کے مختار نظر آتے ہیں۔ پامال راہوں پر چلنے سے انھیں گھن آتی تھی۔ مگر جدید لب ولہجہ اختیار کرتے ہوئے بھی انھوں نے اپنی غزلوں کو غزل کی مستحکم روایات سے پیوست رکھا۔ ان کی غزلوں میں رنگ تغزل بھرپور موجود ہے۔ کاوش کی غزلیہ شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے علیم صبا نویدی یوں رقم طراز ہیں:

''کاوش بدری کی غزلیں جمالیاتی اعتبار سے اپنی مثال آپ ہیں۔ ان میں کاوش صاحب کی قوس قزح ایسی بکھرتی ہے کہ سارا ذہنی ماحول جگمگا جاتا ہے۔ ان کا تخیل ہر افق کو چھوتا ہے اور ہر گہرائی میں اترتا ہے۔ شاعر شش جہتوں میں اپنے ذہن کو پھینک کر وہاں سے خزینوں کو لوٹنے کی کوشش کرتا ہے۔''

(کاوشم: مرتب: علیم صبا نویدی، ص11، مطبوعہ 2014، تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی)

کاوش بدری کے کلام سے کچھ متفرق اشعار ملاحظہ ہوں۔

محفوظ جب تلک تھا کوئی پوچھتا نہ تھا
قیمت بڑھی ہے دل کی مگر ٹوٹنے کے بعد

——

'قضا کا شکر ہے اس نے کفن تو بخشا ہے
مگر حیات تو کپڑے اتار لیتی ہے

——

خیریت اپنی اسی میں ہے کہ رولیں چپ چاپ
ورنہ کس کس کو یہ روداد سنائی جائے

——

زمانہ جس کی ملاقات کو ترس جائے
وہ بدنصیب تری رہ گذر میں رہتا ہے

کاوش بدری کی بعض غزلیں متصوفانہ رنگ لیے ہوئے ہیں۔ علم تصوف پر ان کی گہری نظر تھی۔ لیکن وہ خود صوفی نہیں تھے۔ وہ آزاد رہنا چاہتے تھے حتیٰ کہ مذہب، تصوف یا کسی بھی پابندی کے قائل نہیں تھے۔ ان کی طبیعت میں شوخی بھی تھی اور سیلانی بھی۔ ان متضاد اوصاف کے باوصف وہ ایک تیز وطرار مگر زرخیز ذہن رکھتے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ تمل ناڈو میں ترقی پسندی کی بنیاد رکھنے والوں میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ جس زمانے میں ان کی ادبی اٹھان ہوئی تھی، وہ ترقی پسندی کے شباب کا دور تھا۔ مذہب اور روایات کی جکڑ بندیوں سے پہلے ہی وہ بیزار تھے۔ اکثر ان کی زبان سے یا قلم سے ایسی باتیں نکلتی تھیں جو تنازعہ کا باعث بن جاتی تھیں۔ بلکہ ان کا وہی کلام شہکار بنا ہے جس میں متنازعہ باتیں پیش کی گئی ہیں۔ خود ان کی شعری تصانیف پر اسلامی معاشرے میں کافی لے دے ہوئی۔ کچھ لوگ ان کے حامی تھے اکثر لوگ ان کے مخالف تھے۔ شان استغنا اور بے نیازی کے سبب سے وہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ زندگی کے آخری دنوں میں اپنی تصانیف میں وہ خود کو'قلندر دکن' لکھتے تھے۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی نے اپنے ایک مکتوب میں انھیں'قلندر دکن' کہہ کر مخاطب کیا تھا، یہ خطاب انھیں اتنا پسند آیا کہ وہ اپنے نام کے ساتھ اسے ضرور لکھتے تھے اور'قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید' کے مصداق کچھ بھی کہہ گزرتے تھے۔ اس طرح ہمیشہ کسی نہ کسی تنازعے میں گھرے رہتے۔ کاوش بدری نہایت گنجلک شخصیت کے مالک تھے۔

کاوش بدری کی شاعری قومی یکجہتی اور حب الوطنی کی معراج کہی جاسکتی ہے۔ ان کی شاعری پر تاریخ، سیاست، مذہب، اساطیر و دیومالا اور تصوف کی گہری چھاپ نظر آتی ہے۔ کاوش بدری کو ہندوستان سے اور خاص طور پر اپنے علاقے کی مٹی یعنی تمل ناڈو سے بے پناہ محبت تھی جس کا اظہار ان کی شاعری میں جا بجا ہوا ہے۔ انھوں نے اپنی شاعری کو فخریہ طور پر دراوڑی کلچر، ریت و روایات، رسومات اور جذبات اور اس زبان و کلچر کی لفظیات سے آراستہ کیا ہے جس کا کھلا ہوا اظہار ان کی تصنیف'کاویم' میں ملتا ہے۔ یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

کمبر کے آگے پیچھے ہیں بحرین موجزن
اک بحر بے کراں ہے تو اک بحر علم وفن
دو مودلیار دونوں طرف شمع انجمن
اک خلوت بہار تو اک خلوت چمن

ان اشعار میں مذکور کردار اور لفظیات تمل زبان کے ہیں۔ مذکورہ اشعار میں'کمبر' تمل زبان کے ایک قدیم شاعر کی طرف اشارہ ہے جس نے تمل زبان میں منظوم رامائن لکھی تھی جو ایک کلاسک کا درجہ رکھتی ہے۔ مودلیار تمل ناڈو میں ہندوؤں کا ایک فرقہ ہے۔ اس فرقہ کے لوگ اپنے نام کے ساتھ مودلیار لکھتے ہیں۔ کاوش بدری ان اشعار میں اس زمانے کی دو سیاسی شخصیات کا ذکر کر رہے ہیں جن کا تعلق اس فرقے سے تھا۔ کبھی وہ اپنے اشعار میں باوجود اردو الفاظ ہونے کے تمل لفظیات اور تلفظ استعمال کرتے ہیں جیسے'رامائن' کے لیے رامائنم۔ کاویم سے ایک بند ملاحظہ ہو جس میں وہ اپنی روش کو حق بہ جانب بھی ٹھہراتے ہیں۔

مانا کہ سخت تھی تمل آمیز گفتگو
لیکن گراں نہیں تھیں نوا ہائے رنگ و بو
بھارت میں موجزن تھا تمل ناڈ کا لہو
لہرا اٹھی دراوڑی تہذیب چار سو
ہندی بنی نہ اردو بنی فارسی بنی
اک مادری زبان فقط شاعری بنی

’کاویم‘ میں کاوش بدری کی حب الوطنی سمٹ کر اپنی ریاست، اپنی مادری زبان یعنی تمل اور اپنے مخصوص علاقے کی تہذیب وتمدن اور کلچر کے ساتھ یکسو ہوگئی ہے۔ مثلاً ان اشعار میں تمل زبان کے دو چوٹی کے انقلابی شعراء بھارتی داسن اور بھارتیار کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔

ایسی جلا دراوڑی تہذیب کو ملی
صدیوں کے بعد خاک کی تقدیر جاگ اٹھی
یخ بستہ نبض سنگ بھی سرعت سے چل پڑی
گردن مہا بلی کی سر افراز ہوگئی
پھر سر ہوا تھا بھارتی داسن کا سر فراز
پھر چھڑ گیا تھا سبرامنی بھارتی کا ساز

’کاویم‘ پر تبصرہ کرتے ہوئے قمر رئیس یوں رقم طراز ہیں:

”دکن میں دراوڑی تہذیب کے فروغ، اس کی مادرانہ شفقت، جلال و جمال کے مظاہرے، اس کی ہم آہنگی، شوخی اور لطافت کے باوجود اس کی صلابت اور استحکام اور وسیع تناظر میں اپنے وطن ہندوستان کی عظمت کی بازیافت جس متانت اور فکر ونظر کے ساتھ کاوش نے کی ہے۔ اس نے جدید اردو شاعری کو ایک نئے تمثیلی مزاج اور ثقافتی ذائقے سے آشنا کیا ہے۔“

(کاویم: کاوش بدری، ص 30، مطبوعہ 1978، ماڈل آرٹ پریس، مدراس)

کاوش بدری کی شاعری میں ہندو دیوی، دیوتاؤں کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ ان کا مونولاگ ’کاویم‘، مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی رثائی نظم ’شردھانجلی‘ اور اس کے علاوہ مثنوی ’قبلہ نما‘ میں بھی اساطیر کو موضوع بنایا گیا ہے۔ وہ ہندوستانی کلچر اور تہذیب و روایات سے بہت متاثر تھے۔ ان کا مونولاگ یعنی خود کلامی پر مبنی نظم ’کاویم‘ کے یہ بند ملاحظہ ہوں۔

ادغامی لب و لهجه والی دراوڑی زبان ’تمل‘ کی لفظیات کو اردو جیسی شیریں و شائسته آریائی زبان میں اس طرح کھپانا که شعری توازن بھی برقرار رہے اور شعری آهنگ میں بھی فرق نه آئے، بے حد مشکل کام هے جو کاوش جیسے کهنه مشق شاعر هی کے بس کی بات هو سکتی هے۔ ’کاویم‘ کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں اردو ادب کے چوٹی کے ادیب شامل هیں جن میں ظ۔انصاری، قمر رئیس، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، عصمت چغتائی، انور سدید، مظهر امام، حفیظ بنارسی، وارث علوی کے نام قابل ذکر هیں۔

مُرگا سے دور ہو کے کدم با جھلس گیا
وشنو، شوا سے چھوٹ کے برگد کا رس گیا
کیا آدی سیشہ جھنڈ میں املی کے بس گیا
برہما کمارا اور گنیا کو ڈس گیا
پیپل سے آج نیم کا سنگم نہیں رہا
مرودھم سے آج رشتۂ ملّی ژرم نہیں رہا

اور یہ بند ملاحظہ ہو۔

دیوی سرسوتی کی جٹا کا وہ پھول تھا
قشقہ شوا کا پاروتی کا اصول تھا
وشنو کا بل تھا لکشمی کے چرنوں کی دھول تھا
تاریخ تموگم کی وہ شان نزول تھا
اس کے نقوش پا پہ صنم سجدہ ریز تھے
تانجور و ترپتی کے کلس جلوہ ریز تھے

ادغامی لب ولہجہ والی دراوڑی زبان ’تمل‘ کی لفظیات کو اردو جیسی شیریں و شائستہ آریائی زبان میں اس طرح کھپانا کہ شعری توازن بھی برقرار رہے اور شعری آہنگ میں بھی فرق نہ آئے، بے حد مشکل کام ہے جو کاوش جیسے کہنہ مشق شاعر ہی کے بس کی بات ہو سکتی ہے۔ ’کاویم‘ کو خراج تحسین پیش کرنے والوں میں اردو ادب کے چوٹی کے ادیب شامل ہیں جن میں ظ۔ انصاری، قمر رئیس، گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، عصمت چغتائی، انور سدید، مظہر امام، حفیظ بنارسی، وارث علوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

ڈاکٹر وزیر آغا کا یہ اقتباس ملاحظہ ہو:

”آپ کے ہاں الفاظ کا چناؤ بہت خوبصورت ہے، اور اسلوب زندہ وشاداب ہے۔ یہ چیز بڑی ریاضت اور محنت کے بعد حاصل ہوا کرتی ہے۔ نہ جانے آپ کب سے مشق سخن کر رہے ہیں۔ کیونکہ تیور بتا رہے ہیں کہ اس دشت کی سیاحی میں آپ نے عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ گذارا ہے۔“

(کاوشم: مرتب: علیم صبا نویدی، ص 129 مطبوعہ 2014، تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی)

دراوڑی تہذیب وتمدن میں ماں کا مقام بہت اونچا ہے حتیٰ کہ دراوڑی معتقدات کے مطابق ماں کا درجہ خدا سے بھی بڑھ کر ہے جو ترتیب تمل ادب میں رکھی گئی ہے وہ یہ ہے ’ماتا، پتا، گرو، دیوتا‘ یعنی پہلے ماں پھر باپ اور اس کے بعد استاد کا درجہ ہے اور آخر میں خدا کا درجہ ہے۔ کاوش بدری نے اپنی نظم ’کاویم‘ میں بارہ بندوں میں اپنی ماں کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

دودھ ہی دودھ ابلتا تھا مرے آنگن میں
پھول کھلتے تھے مرے گھر کے لیے گلشن میں

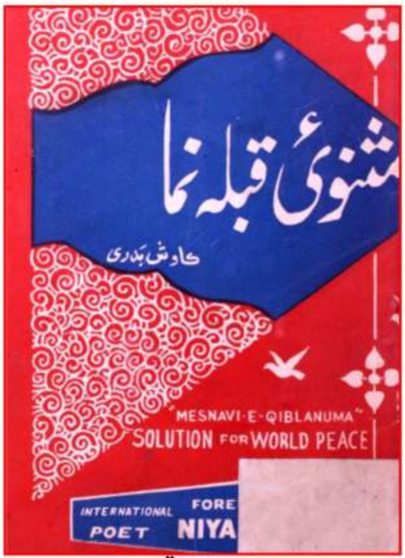

ماں کے ہونٹوں کی حیا کب تھی لب سوسن میں
آکے دم لیتی تھی خود قوس وقزح چلمن میں
ناک نقشے میں یلورا و اجنتا کی پھبن
قد موزوں پہ تصدق ہو خطوط پُرفن

اشعار کا یہ انداز بھی بڑا انرالا اور متنازعہ ہے جس میں ماں کو معشوقہ کی طرح مخاطب کیا گیا ہے لیکن عصمت چغتائی نے کاوش بدری کے اس انداز کی بڑی تعریف کی ہے۔ کاوش کے نام ایک خط میں وہ یوں رقمطراز ہیں

”آپ کے قلم میں الفاظ، استعاروں اور تشبیہات کا جو طوفان سمویا ہوا ہے اس نے دل کے تاروں کو چھو لیا، خاص طور پر وہ حصہ جو آپ نے ماں کے بارے میں پیش کیا ہے وہ ہر انسان کو خود اپنی ماں کی یاد تازہ کراتا ہے۔ آپ نے ماں کو صرف ماں نہیں ایک انسان کی شکل میں پیش کیا ہے۔“

(کاوشم: مرتب علیم صبا نویدی، ص 11، مطبوعہ 2014، تمل ناڈو اردو پبلی کیشنز، چنئی)

’شب خون‘ میں کاوش کا کلام کثرت سے اور بڑی وقعت سے چھپتا تھا۔ اکابرین ادب کے ساتھ کاوش کے بڑے اچھے مراسم تھے۔ افادہ واستفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ کاوش بدری کی شاعری کا سب سے بڑا وصف ان کا ہندوستانی مزاج تھا۔ ان کی شاعری کا بیشتر حصہ ہندوستانی عناصر سے مملو ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ کاوش بدری کی شاعری قومی یکجہتی کی بہترین مثال ہے اور ان کی شخصیت ہر مذہب و ملت کے ماننے والوں کے لیے یکساں قابل قبول ہے۔

■

Prof. Qazi Habeeb Ahmad
Head, Dept of Arabi, Farsi & Urdu
Madras University
Navalar Nagar, Chepauk, Triplicane,
Chennai-600005 (Tamil Nadu)

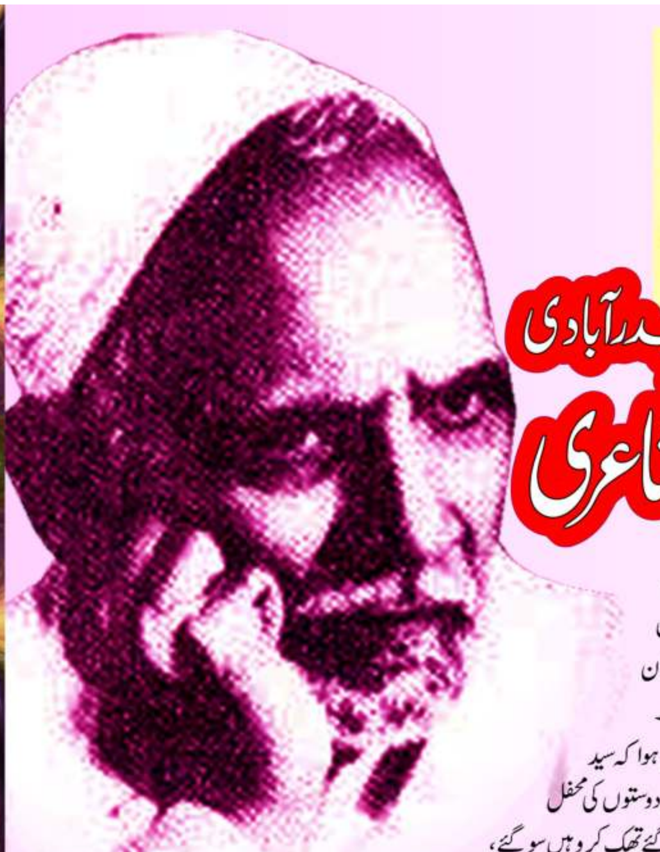

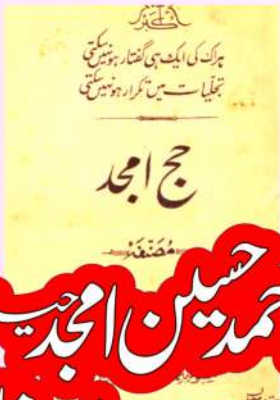

سید احمد حسین امجد حیدرآبادی
شخصیت اور شاعری

خدیجہ زبیر احمد

شخصیت

رب العالمین نے اس رنگ و نور کی دنیا میں ہنستی مسکراتی خوشی اور غم کو سمیٹے ایک عظیم ہستی کا وجود رکھا ہے جس کا کوئی نعم البدل کہیں بھی نہیں ہے۔ وہ سراپا محبت اور شفقت ہے۔ بے غرض اور بے لوث ممتا کا خزانہ ہے۔ ایسی ہی ایک پیاری ماں صوفیہ بی بی تھیں جن کے شوہر کا نام صوفی سید رحیم علی یا (سید رحیم حسین) تھا۔ یہ صوفی رحیم علی کی چوتھی بیوی تھیں۔ تینوں بیویاں اور ان سے کوئی بیس اولاد ہوئی تھیں جبکہ سب کی وفات ہوگئی۔ صوفیہ بی بی کے بھی دو یا تین نومولود بچوں کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے کے بعد اس ننھے وجود نے ماں کی گود میں کھل کر انھیں خوش کیا۔ قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ سید احمد حسین صرف چالیس دن کے تھے کہ فجر کی نماز سے واپسی پر فالج کے شدید حملے سے سید رحیم علی کی وفات ہوگئی۔

ماں نے غربت اور تنگ دستی کے باوجود پوری لگن اور بلند حوصلے کے ساتھ پرورش کی وہ خود پڑھی لکھی نہیں تھیں مگر ان کی شدید دلی خواہش تھی کہ وہ بیٹے کو اعلیٰ تعلیم اور تربیت دیں۔

کتاب کھول کر وہ ہر حرف پر بھرپور اعتماد کے ساتھ انگلی رکھا کرتیں کہ بیٹے کو طویل عرصے تک پتہ ہی نہ چلا کہ اماں کو تو پڑھنا لکھنا آتا ہی نہ تھا۔ سید احمد حسین بے حد ذہین تھے مگر شرارت میں دل لگا رہتا۔ کبھی کتاب اِدھر اُدھر چھپا دی۔ کبھی پالتو بکری کو اوراق گھاس کے ساتھ کھلا دیے۔ کبھی بیماری کا بہانہ کر کے بستر میں گھس گئے۔ غرض یوں ہی وہ آٹھویں جماعت میں آ گئے۔

بڑھتی عمر کے ساتھ ساتھ نئے دوست بھی بن گئے۔ ان ہی دوست احباب کے ساتھ زیادہ وقت گزرنے لگا۔ گلیوں میں گھومنا پھرنا بھی محبوب مشغلہ بن گیا۔ رات دیر ہوتی تو کسی نہ کسی دوست کے گھر سو جایا کرتے۔ اماں فکرمند رات بھر جاگ کر بیٹے کی سلامتی، بہتری کے لیے دعا گو ہوتیں۔ خدا کے حضور ہمیشہ سید احمد حسین کو اچھا اور نیک انسان بنانے کی دعا کیا کرتیں۔

پھر ایک بار یوں ہوا کہ سید احمد حسین شام سے کسی دوستوں کی محفل میں مگن تھے اور رات گئے تھک کر وہیں سو گئے، رات کے آخری پہر کوئی تین بجے گیٹ پر کوئی آہستہ دستک اور سید احمد حسین کو آواز بھی دے رہا تھا۔ خدا کا کرنا دیکھیے آواز پر احمد حسین کی آنکھ کھل گئی، پریشان ہو کر گیٹ پر آ گئے۔ انھوں نے دیکھا کہ چادر میں لپٹی ان کی والدہ محترمہ کھڑی ہیں۔

تعجب سے پوچھا: اماں اس طرح آدھی رات کو تم یہاں کیوں آ گئی ہو؟

ماں کی ممتا، ماں کی بے لوث محبت تو دیکھیے وہ کہنے لگیں۔ بیٹا شام کو رمضان المبارک کا چاند نظر آ گیا ہے۔ آج پہلی سحری ہے۔ صبح تم کو پتہ چلتا، تم تو بغیر سحری روزہ رکھ لیتے یہ میں کیسے برداشت کرتی۔ بس یہ تمھارے لیے کھانا لے کر آئی ہوں۔ سید احمد حسین شرم و غیرت سے نڈھال ہو گئے۔ اماں سے لپٹ کر خوب ہی روئے۔ اپنی نادان حرکتوں کی معافی مانگی اور پھر وعدہ کیا یوں کبھی بھی گھر سے باہر نہیں رہوں گا!!

یہ واقعہ زندگی کے راستے کو تبدیل کرنے کا بہترین موڑ تھا۔ سید احمد حسین کی پیدائش حیدرآباد دکن میں 1303ھ میں ہوئی ہے۔ والد کا نام سید رحیم علی یا سید رحیم حسین ہے جن کا تعلق اورنگ آباد یا میرٹھ سے تھا جس کا علم خود سید احمد حسین کو بھی نہیں تھا۔ والدہ حیدرآباد کی تھیں۔

قریبی رشتے دار کوئی نہ تھا۔ صوفیہ بی بی نے تنہا چالیس دن کے یتیم معصوم کی بے مثال پرورش کی ہے۔ سید احمد حسین گھر سے بستہ لے کر مدرسہ روانہ ہوئے مگر مدرسہ کے بجائے پارک میں باغوں میں اِدھر اُدھر دوستوں کے ساتھ آوارہ گردی کر کے شام کو گھر واپس آتے۔ محبت کی ماری اماں کو آخر ایک دن پتہ چل گیا۔ مار پیٹ سے بھی ہاتھ روک لیا مگر دعا کے لیے ہمیشہ ہاتھ پھیلائے رہیں۔ ایک دن پالکی میں سوار کوئی امیر گزر رہے تھے۔ پالکی کے ساتھ ایک آدمی دوڑ رہا تھا۔ ماں نے یہ نظارہ انھیں بتایا اور پوچھا بتاؤ تم کو کون پسند ہے؟؟ جھٹ سے انھوں نے جواب دیا ''پالکی سوار'' ماں نے کہا۔ ایسی زندگی تو بغیر علم کے کسی کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ تم جو چاہو تمھارا اختیار ہے۔ اس بات سے وہ سہم گئے اور اسی وقت آوارہ گردی سے توبہ کی۔ اس واقعے کے ساتھ یہ اشعار بھی انھوں نے تحریر کیے ہیں۔

دل پہ لگی جا کے ہتھوڑے کی طرح
کہنے کو ظاہر میں وہ اک بات تھی
کر دیا دم بھر میں اِدھر سے اُدھر
بات تھی یا کوئی کرامات تھی
کلمۂ توحید بھی اک بات تھی
حلق کو جو زیر و زبر کر گئی
رکھ دیا سرکش نے دل بھی سجدے میں سر
بات تھی سچ دل میں اثر کر گئی

مدرسہ نظامیہ اور مدرسہ دارالعلوم میں اپنی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی فاضل میں کامیابی حاصل کی۔ پھر محترم استاد فلسفہ سید نادر الدین کے شاگرد رشید رہے۔ یوں تعلیم مکمل ہوئی۔

چودہ سال کی عمر سے سید احمد حسین نے شاعری کی ابتدا کی۔ کچھ عرصہ حبیب کستوری اور حضرت ترکی کو اپنا بتایا کرتے۔ حضرت امجد فطری شاعر تھے انھیں پھر کسی استاد کی ضرورت نہ رہی۔

شاعری

عبادت گزار، نیک اور غم زدہ ماں کی بے پناہ دعائیں اور خدا کے فضل وکرم سے سید احمد حسین امجد کو راہ سیدھی مل گئی۔ احسن طریقے سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد اٹھارہ برس کی عمر میں شادی بھی ہوگئی۔ ملازمت کے لیے چند ماہ شہر بنگلور میں گزارے اور زندگی کے چند تلخ اور چند بہترین تجربے بھی حاصل ہوئے۔ پھر واپس حیدرآباد آئے تو مدرسہ دارالعلوم میں بہترین اور ہر دلعزیز استاد کا درجہ مل گیا۔

شاعری کی ابتدا پندرہ برس کی عمر سے یوں ہوئی کہ مدرسہ نظامیہ کے کتب خانہ میں دیوان ناسخ پڑھنے کو مل گیا۔ اس کو وہ بار بار پڑھتے رہے اور متاثر ہوتے رہے اور پھر پہلا شعر یہ کہہ دیا۔

نہیں غم گرچہ دشمن ہوگیا ہے آسماں اپنا
مگر یارب نہ ہو، نامہرباں وہ مہرباں اپنا

یوں اشعار لکھنے کی راہ مل گئی۔ انھوں نے اپنا کلام پہلے حبیب کستوری کو بتایا۔ پھر ترکی سے اصلاح بھی لی مگر خداداد صلاحیت بے پناہ تھی۔ رباعیات امجد کا حصہ اوّل طالب علمی کے دور میں شائع ہوئی اور مقبول عام کا درجہ مل گیا۔

مولانا الطاف حسین حالی نے جب ان رباعیات کا مطالعہ کیا تو بے اختیار کلام امجد کی توصیف وتعریف کی۔ علامہ اقبال نے کلام امجد کو بے حد سراہا اور دل کھول کر مدح سرائی کی۔ عرض یہ کہ کلامِ امجد کی ہر طرف شہرت پھیل چکی تھی۔ جب لوگ نوعمر سید احمد حسین امجد کو دیکھتے تو حیران رہ جاتے کہ اس نوجوان کی یہ لاجواب باکمال شاعری ہے۔ تعریف بے پناہ ہونے لگی۔

زندگی پرسکون تھی کہ وہ ہولناک حادثہ پیش آیا۔ ستمبر 1908 طغیانی اودموسیٰ۔ ہزاروں جانوں کی اندوہ ناک تباہی بے شمار گھروں کے نام ونشان مٹ گئے اور حضرت امجد نے پیاری ماں، بیوی اور ننھی سی بیٹی کو شوریدہ سر دریا کی بے رحم لہروں میں غرق ہوتے ہوئے بے بسی کے ساتھ دیکھا۔

اس عظیم تباہی کی جو نثر اور نظم انھوں نے لکھی ہے اگر کوئی پڑھ لے تو قاری بھی اس سیلاب کے ساتھ ڈوبنے لگتا ہے۔ آج تو ہم TV پر ایسی بھیانک تباہی کے بے شمار دل شکستہ مناظر دیکھ کر غم زدہ ہوجاتے ہیں۔ سو برس پرانی اس اندوہناک تباہی کی داستانِ الم چاہے جتنی دفعہ اس کو پڑھیے یوں لگتا ہے کہ آپ بھی اس سیلاب کے ساتھ رواں ہیں اور جانے انجانے آنسوؤں کا سیلاب آنکھوں سے رواں ہوجاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ ہم بھی وہیں موجود تھے۔ اس دردناک تباہی میں حضرت امجد کی جان بچ گئی اور اس کی تفصیل پڑھنے کے لائق ہے کہ ماں بیوی اور بیٹی کو نظروں کے سامنے ظالم لہروں میں ڈوبتے ہوئے دیکھا تو لمحے بھر کو انھیں خیال آیا کہ نہ جانے میری لاش کسی کنارے جا لگے اور جیب میں پاکٹ تھی جس میں روپے تھے انھوں نے شدید نفرت کے ساتھ دریا کی سرکش لہروں کے ساتھ اچھال دی اور کہتے ہیں کہ بچانے والے پروردگار نے اس لمحے ان خوفناک اور تیز وتند بہنے والی لہروں سے حضرت امجد کو اچھال کر کمزور اور سست رفتار بہنے والے دھار میں ڈال دیا جو کہ وکٹوریہ ہسپتال کی دیواروں سے ٹکرا کر گزر رہی تھی۔ ہسپتال کی بیمار خواتین نے وہاں کئی قیمتی جانیں بچائیں۔ ان کے الفاظ اس لمحے کے لیے یوں ہیں ”دریا نے روپیہ لے کر جان چھوڑ دی خدا کرے ملک الموت جان لے کر ایمان چھوڑ دے...!“

اس تباہی کے طویل مرثیہ کے یہ اشعار ان کے شدید دکھ درد کے ترجمان ہیں۔

کس وقت دلِ غم زدہ مغموم نہیں
رونے دھونے کی کس گھڑی دھوم نہیں
قبر مادر تو خیر بن ہی نہ سکی
لیکن گور پدر بھی معلوم نہیں

شہر حیدرآباد کی ایک مشہور ہستی سید محمد صابر حسینی اور ان کے تمام افراد خاندان نے ہر طریقے سے انھیں اس غم کو برداشت کرنے کے لیے سہارا دیا۔ ان کے استاد گرامی سید نادرالدین نے ہاتھ سر پر رکھا اور پھر چند سال بعد اپنی بڑی صاحبزادی محترمہ جمال النساء (جن کی عمر تیرہ برس تھی) سے عقد کروایا۔

سید نادرالدین ایک بلند پایہ عالم و بزرگ تھے۔ انھوں نے اپنی بیٹی کی تعلیم وتربیت پر بطور خاص توجہ دی تھی اور وہ بھی ایک اعلیٰ صفات کی مالک تھیں۔ شادی کے بعد حضرت امجد نے اس نیک ہستی کو نیا نام سلمٰی دیا۔ اس شادی کے ایک سال بعد ہی محترم سید نادرالدین کی وفات ہوگئی پھر سلمٰی کی والدہ اور چار بہنوں کی تمام تر ذمے داری حضرت امجد کی تھی جو انھوں نے خدا کے سہارے بخوبی انجام دی۔

یوں تو حضرت امجد پندرہ سال کی عمر سے شاعری کر رہے تھے اور عزت بھی حاصل ہوگئی تھی۔ سیلاب اود موسیٰ میں ابتدائی کلام دریا کی لہروں میں غرق ہوگیا مگر حضرت امجد کہتے ہیں کہ وہ کلام سارا کا سارا غزلیات پر مشتمل تھا جن کے غرق ہونے کا انھیں افسوس نہیں۔

حضرت امجد کے کلام میں صوفیانہ رنگ اور زندگی میں جو تبدیلی آئی وہ محترمہ جمال النساء سلمٰی سے شادی کے بعد شروع ہوئی۔ محترمہ سلمٰی ایک مکمل پارسا نیک اور خدا کی برگزیدہ ہستی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔

حضرت امجد اپنی بے رونق اور اداس زندگی میں یوں سوچا کرتے۔

اس نام کی زندگی میں کچھ جان تو ہو
گر بن نہ سکے فرشتہ انسان تو ہو
نیکی نہ ہوئی نہ ہو، بدی بھی تو نہ کر
صوفی نہ ہوا نہ ہو، مسلمان تو ہو

اور زندگی کے دشوار اور کٹھن راستہ کا ساتھی جب خدا نے سلمٰی کے روپ میں انھیں عطا کیا تو حضرت امجد کی زندگی میں انقلاب آ گیا۔

ایک عالم بے خودی ایک انجانی کیفیت میں وہ رباعی کہنے لگے۔ یہ خدا کا بیش بہا عطیہ الہامی شاعری سے انھیں نوازا گیا۔ سب سے پہلی رباعی یہ ہے۔

ہر ذرّے پہ فضل کبریا ہوتا ہے
ایک چشم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے
اصنام دبی زبان سے یہ کہتے ہیں
وہ چاہے تو پتھر بھی خدا ہوتا ہے

وہ اپنی الہامی شاعری کو استاد محترم سید نادر علی کی دعاؤں کا اثر بتاتے ہیں اور سلمٰی کے لیے یوں کہتے ہیں خدا اور اس کے رسول کی محبت کے آثار سلمٰی کے ہر انداز و اطوار سے ظاہر ہونے لگے، سلمٰی کی گفتگو ہر بات، ہر مسئلہ پر ایسی حیرت خوب ہوتی کہ وہ خود حیران رہ جاتے۔ مزید یوں کہتے ہیں ہم سلمٰی کو اکسا اکسا کر پوچھا کرتے کہ وہ مسئلہ چاہے مادیت ہو یا روحانیت بہترین جواب دلائل کے ساتھ مل جاتا۔

جمال النساء سلمٰی سے دو بچے اس عالم میں پیدا ہوئے مگر جلد ہی فوت ہوگئے اور جب تیسری مرتبہ حاملہ ہوئیں تو یہ دونوں کا حج وزیارت کا بلاوا آ گیا۔ سفرنامہ حج بھی اور وہاں کے واقعات پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ حج سے واپسی کے تقریباً دو ماہ بعد ایک حسین وجمیل بیٹے

کی پیدائش ہوئی مگر تقدیر کے رنگ بھی نرالے ہیں وہ ننھا معصوم صرف چند روز کے لیے اس دنیا کی رونق لیے آیا تھا۔ بچہ کی وفات کے صرف چند روز بعد 22 ربیع الاوّل 1347 کو نوجوان سلمیٰ بھی اپنے رب کے حضور لبیك اللهم لبیك کہتی ہوئی اس دنیا سے 33 سال کی عمر میں رخصت ہوئیں۔ وہ حضرت امجد صاحب کہا کرتی تھیں۔ وفات سلمیٰ پر وہ کہتے ہیں۔

تونے بے موت مجھ کو مارا
مرنے والے ترا بھلا ہو
دل ہو گیا خون، خون پانی
اب دیکھیے آگے اور کیا ہو
تم اور مجھے چھوڑ دو غضب ہے
ناخن اور گوشت سے جدا ہو
میری نظروں سے چھپ گئے کیوں
کب میں نے کہا کہ تم خدا ہو

اور پھر یوں بھی کہا ہے کہ ہزار داستان ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ اس کی روح دنیوی آلائشوں سے پاک ہوکر وسیع کائنات کی ہم وسعت ہوگی۔ وہ سیاہ خاک دان سے نکل کر ایک روشن اور پرنور ستارہ بن گئی جس کے گرد نور حاصل کرنے کو سیارے چکر لگاتے ہیں۔

کافی سال بعد دوست احباب کے اصرار پر حضرت امجد نے تیسری شادی کی اور کہتے ہیں کہ عادات واطوار نہ سہی مگر اس خاتون کی شکل وصورت جمال النساء سلمیٰ سے بے حد مشابہت رکھتی ہے۔

رباعیات امجد کے تین حصے ہیں۔ اردو اور فارسی۔ انھیں بے مثال کلام پر حکیم الشعرا، صاحب رباعیات اور شہنشاہِ رباعیات کے خطابات ملے۔ ساری کی ساری رباعیات الہامی ہیں اور قرآنی آیات کی ترجمان ہیں۔

••

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

••

پابند خیال میری تقریر رہی
آزادی پہ بھی پاؤں میں زنجیر رہی
تھا جتنا خدا کا حکم کوششیں کر لی
تدبیر بھی وابستہ تقدیر رہی

••

طیبہ ہی کو اب کعبہ مقصد کہیے
دہلیز نبیؐ کو سنگ اسود کہیے
گر حمد خدا کا حق ادا کرنا ہے
دل سے اک بار یا محمدؐ کہیے

••

ہر محفل سے بحالِ خستہ نکلا
ہر بزمِ طرب سے دل شکستہ نکلا
منزل ہی نہیں یہاں مسافر کے لیے
سمجھا تھا جسے مقام رستہ نکلا

••

اس جسم کی کیچلی میں اک ناگ بھی ہے
آوازِ شکستہ دل میں اک راگ بھی ہے
بے کار نہیں بنا ہے اک تنکا بھی
خاموش دیاسلائی میں آگ بھی ہے

••

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے
بے فکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے
افلاس نے سخت موت آساں کردی
دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

••

کیا جانیے وہ نور تھا یا سایا تھا
شعلہ سا کسی نے دل میں بھڑکایا تھا
آیا کس وقت یہ تو معلوم نہیں
جاتے ہوئے کہتا ہے کہ میں آیا تھا

••

تقدیر سے کیا گلہ خدا کی مرضی
جو کچھ بھی ہوا، ہوا خدا کی مرضی
امجد! ہر بات میں کہاں تک کیوں کیوں
ہر کیوں کی ہے انتہا خدا کی مرضی

شاعری

ہر مرتبہ آئینۂ دل دھلتا ہے
کانٹا کانٹا نگاہ میں تلتا ہے
میں شاعری کو مراقبہ کیوں نہ کروں
ہر فکر میں بابِ معرفت کھلتا ہے

موت

عزت مطلوب ہو تو مر جائے گا
راحت مطلوب ہو تو مرجائے گا
اس مردہ پرست دور میں اے امجد
شہرت مطلوب ہو تو مرجائے گا

دعائے امجد

لو تجھ سے لگائے میرا ملنے والا
عالم کو بھلائے میرا ملنا والا
مولا میرے ہر دوست کو اپنا کرلے
مجھ سے مل جائے میرا ملنے والا

یہ مختصراً انتخاب 'رباعیاتِ امجد' سے میں نے تحریر کیا ہے۔

ریاض امجد، حصہ اول اور دوم خرقہ امجد:

یہ حمد ونعت اور تصوف پر نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے ہر ایک شعر اپنی مثال آپ ہے۔

خرقہ امجد بھی تصوفانہ کلام ہے جس کو علامہ اقبال نے بے حد سراہا ہے۔

رباعیات امجد کے بعد چند حمد اور نعت کے اشعار پڑھیے۔

یوں تو کیا کیا نظر نہیں آتا
کوئی تم سا نظر نہیں آتا
جھولیاں سب کی بھرتی جاتی ہیں
دینے والا نظر نہیں آتا
زیر سایہ ہوں ان کے میں امجد
جن کا سایہ نظر نہیں آتا

کس چیز کی کمی ہے مولا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں عقبیٰ تری گلی میں
موت اور حیات میری دونوں ترے لیے ہیں
مرنا تری گلی میں جینا تری گلی میں
امجد کو آج تک ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے
لیکن مقام اس کا دیکھا تری گلی میں

دوری سے تری تھک کر جی اپنا نہ ہاروں گا
افلاک کی چوٹی سے تاروں کو اتاروں گا
بگڑی ہوئی قسمت کو رو رو کے سنواروں گا
سو مرتبہ چیخوں گا سو بار پکاروں گا
دے اے مرے مولا دے دے اے میرے داتا دے

حضرت امجد کی لاجواب الہامی شاعری پر میری یہ تحریر نہایت مختصر ہے کہ ایک وسیع دریا کو کوزے میں بند کردیا ہے۔ رباعیات اور کچھ کلام میں نے ان کی کتابوں سے دیکھ کر لکھا ہے اور کچھ اشعار میرے ذہن کے اوراق پر نقش تھے جس طرح یہ الہامی شاعری بلند پایہ و بے مثال ہے اسی طرح نثر نگاری بھی نہایت متاثر کن اور دلکش انداز تحریر کا مجموعہ ہے۔

(ماخذ: ساحل یوکے، اکتوبر 2013)

Khadija Zubair Ahmed
2 Apple Craft, Cox Green
Maidenhead, Berkshire
SL6 3HD UK

صدر عالم گوہر

کچھ یادیں کچھ باتیں
نقش لائل پوری کی

مجھے آکاشوانی ممبئی سے کہا گیا کہ چند ایسے لوگوں کے انٹرویو چاہیے جو اردو والے ہوں اور فلم والے ہوں۔ میرے ذہن میں تین چار نام آئے ندا فاضلی، مبارک بیگم، خیام اور نقش لائل پوری۔ خیام صاحب کا نام کاٹ دیا گیا کیونکہ ان کا انٹرویو کوئی ہندی والا لے رہا تھا۔ میں نے تینوں سے اپنا رابطہ قائم کیا اور اپنا ان لوگوں کا بایوڈاٹا آکاشوانی میں جمع کیا۔ ندا فاضلی صاحب نے پوچھنے پر حامی بھر دی لیکن عین ریکارڈنگ کے وقت پر وہ عذر بتانے لگے۔ مبارک بیگم چلنے پھرنے سے معذور تھیں۔ آخر کار فال نقش لائل پوری کا نکلا حالانکہ نقش صاحب کے ہاتھوں میں رعشہ تھا اور ثقل سماعت کے بھی شکار تھے۔ لیکن انھوں نے حامی بھر دی۔ لیکن مجھے یہ خوف تھا کہ یہ انٹرویو ہو پائے گا بھی یا نہیں کیونکہ ریڈیو اسٹیشن کی کچھ شرائط تھیں۔ سب سے مشکل تو یہ کہ یہ انٹرویو تین گھنٹے کا ہوگا اور یہیں آکاشوانی کے اسٹوڈیو میں ہوگا۔ یہ انٹرویو آرکائیو کے لیے ہے یہ ابھی نشر بھی نہیں ہوگا۔ میرا اندیشہ یہ تھا کہ کیا نقش لائل پوری تین گھنٹے تک کرسی پر بیٹھے رہ سکیں گے اور میرے سوالوں کا جواب مسلسل دے سکیں گے کیونکہ میں نے جب ایک بار ان کے گھر پر انٹرویو لیا تھا تو دیکھا کہ انھیں سننے میں مشکل پیش آرہی ہے تو میں نے پوچھا کہ میں سوال نامہ لکھ کر دے دوں اور اس کو پڑھ کر آپ جواب دے دیں گے۔ تو انھوں نے کہا نہیں نہیں آپ بولتے جائیے۔ میں سن رہا ہوں جواب دے دوں گا۔ خیر ثقل وسماعت کو تو زور سے سوال پوچھ کر اور ایڈیٹنگ سے ٹھیک کیا جا سکتا ہے لیکن تین گھنٹے تک ایک نشست میں بیٹھنا ذرا مشکل لگ رہا تھا لیکن نقش صاحب نے امید دلائی کہ سب ٹھیک ٹھاک رہے گا۔ ریکارڈنگ کے دن میں آکاشوانی ممبئی پہنچ چکا تھا۔ فون پر ان سے رابطہ کیا تو انھوں نے کہا میں آرہا ہوں راستے میں ہوں۔ خیر وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ آکاشوانی ممبئی پہنچے۔ میں نے سوالات کیے اور انھوں نے بڑے اچھے طریقے سے جوابات دیے۔ میرے سوالات کچھ باقی رہ گئے تھے۔ لیکن اسٹوڈیو کے کمپیوٹر والے ریکارڈسٹ نے اشارہ کیا کہ تین گھنٹے پورے ہو چکے اور اس طرح نقش لائل پوری صاحب نے تین گھنٹے تک جوابات دیے۔ ریکارڈنگ مکمل ہونے کے بعد مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ میں سمجھ رہا تھا ریکارڈنگ نہیں ہو سکے گی۔ ایک تو عمر زیادہ اور بیمار آدمی لیکن خدا خدا کر کے نہ صرف انٹرویو مکمل ہو گیا بلکہ بڑی خوش اسلوبی سے مکمل ہوا۔

نقش لائل پوری نے ایک دلچسپ بات بتائی کہ ایک بار مجھے ریڈیو اسٹیشن سے کہا گیا تھا کہ چند غزلیں نظمیں دیجیے۔ میں لکھ کر لایا اور ریڈیو اسٹیشن میں دیا تو مجھے کہا گیا کہ یہ تو اردو میں ہے۔ اس کا کیا کام آپ اسے ہندی میں لکھ کر لائیے۔ مجھے ہندی نہیں آتی تھی۔ میری پوری پڑھائی لکھائی اردو میں ہوئی ہے۔ میں پریشان ہو گیا کہ اسے ہندی کیسے کروں نیچے کینٹین میں گیا اور انتظار کرتا رہا کہ کوئی شناسا ملے جو ہندی جانتا ہو تو میں

> نقش لائل پوری کی تحریر بڑی اچھی تھی رعشہ کے باوجود انھوں نے جو کتابیں دیں ان پر دو جملے جو لکھے اس سے ثابت ہوتا تھا کہ نقش صاحب بڑے خوش نویس تھے۔ انھوں نے بتایا کہ جس طرح میری اردو تحریر ہوتی ہے میں ہندی بھی خوشخط ہی لکھتا ہوں۔

اسے نقل کروا کر ریڈیو اسٹیشن میں جمع کر دوں۔ بہت دیر تک بیٹھا لیکن کوئی شناسا ایسا نہ ملا جو اردو ہندی دونوں جانتا ہو۔ میں غصے سے کینٹین سے نکلا اور باہر آ کر ہندی سیکھنے والی کتاب خریدی اور اسی سے ہندی سیکھی۔ نقش لائل پوری کی تحریر بڑی اچھی تھی رعشہ کے باوجود انھوں نے جو کتابیں دیں ان پر دو جملے جو لکھے اس سے ثابت ہوتا تھا کہ نقش صاحب بڑے خوش نویس تھے۔ انھوں نے بتایا کہ جس طرح میری اردو تحریر ہوتی ہے میں ہندی بھی خوشخط ہی لکھتا ہوں۔

نقش لائل پوری صاحب سے ویسے تو میری ملاقات پرانی ہے میں نے نقش صاحب سے آکاشوانی ممبئی کے اسٹوڈیو میں جو انٹرویو لیا تھا۔ وہ آکاشوانی ممبئی کے آرکائیو میں محفوظ ہے۔ جب نقش صاحب کا انتقال 22 جنوری 2017 کو ہوا تو وہ انٹرویو آکاشوانی ممبئی کے F.M.Gold پر 10:05 سے 11:00 بجے رات تک تقریباً ایک گھنٹے کا انٹرویو ایڈٹ کر کے نشر کیا گیا۔ حالانکہ وہ انٹرویو بہت طویل تھا۔ یعنی مکمل تین گھنٹے کا۔ اس انٹرویو کے سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ نقش صاحب نے مجھے کئی بار کہا کہ آپ نے جو میرا انٹرویو آکاشوانی ممبئی میں لیا اس کی ایک کاپی مجھے دستیاب کرا دیجیے۔ میں نے ان کو کہا کہ میں کوشش کرتا ہوں۔ پھر جب میں نے آکاشوانی ممبئی کے اردو کے آفیسر زبیر خان صاحب سے بات کی تو انھوں نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔ حکومت کی ایسی پالیسی ہے کہ جو چیز یہاں ریکارڈ کی جاتی ہے وہ آکاشوانی کی ملکیت ہوتی ہے اور اسے عام نہیں کیا جاتا اسے آکاشوانی ہی ضرورت کے مطابق استعمال کرتی ہے اور آپ نے جو انٹرویو لیا وہ آکاشوانی کے آرکائیو کے لیے لیا ہے۔ یہ انٹرویو ساٹھ سال سے زیادہ عمر کے بزرگ کا انٹرویو ہے اور یہ ان کے انتقال پر ہی نشر کیا جائے گا۔ اور ایسا ہی ہوا۔ وہ انٹرویو جب آکاشوانی سے نشر ہوا تو اس کو سننے کے لیے نقش صاحب نہیں رہے۔ اگلی ملاقات میں نقش صاحب نے پوچھا اس آکاشوانی کے انٹرویو کا کیا ہوا تو میں نے کہا جناب وہ انٹرویو دستیاب نہیں ہوا۔ ممکن ہے وہ ریڈیو پر ہی کبھی بجے گا۔ تو انھوں نے کہا اسی طرح میرا انٹرویو ودیودھ بھارتی ریڈیو پر بھی لیا گیا تھا۔ مجھے اس کی بھی ایک کاپی نہیں مل سکی۔

ابھی حال ہی میں ایک ریسرچ ورک کر رہا تھا۔ فلم سے متعلق اس میں ایک باب فلمی ہستیوں کے انٹرویو کا بھی تھا اسی سلسلے میں میں فلموں سے متعلق معروف شخصیت کے انٹرویو لے رہا تھا۔ جس کی وجہ سے نقش صاحب سے بھی ملتا رہتا تھا۔ ابھی تو بہت دنوں سے نقش صاحب بیمار تھے۔ ہڈی فریکچر کی وجہ سے صاحب فراش تھے۔ مگر پچھلی دفعہ جب میں ان سے ملا تھا اور انٹرویو لے رہا تھا کہ اسی درمیان ان کے یہاں معروف ہدایت کار اور فلمساز لیکھ ٹنڈن صاحب تشریف لائے تھے۔ پھر وہیں میرا تعارف لیکھ ٹنڈن سے بھی ہوا۔ اس انٹرویو کے دوران انھوں نے ایک خواہش ظاہر کی تھی کہ میں چاہتا ہوں کہ فلمی نغموں کے پیچھے بھی ایک کہانی ہوتی ہے۔ نغمہ نگاری کے دوران مجھے ایسی بہت سی باتوں سے سابقہ پڑا ہے جو بہت دلچسپ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوئی مجھ سے فلمی نغموں کی کہانی سنتا اور لکھتا۔ فلمی نغمہ نگاری کے دوران جو میرے مشاہدات و تجربات ہیں وہ قلمبند ہو جاتے تو اسے ایک کتابی شکل دے دی جاتی جو بہت دلچسپ کتاب ہوتی۔ وقت کی کمی کی وجہ سے کچھ نغموں کے پس پردہ جو کہانی ہے وہ میں نے لکھی۔ مگر اس کے بعد ان کی طبیعت ناساز رہنے لگی اور یہ سلسلہ مکمل نہیں ہوسکا۔

آزادی کے درد کو میں نے کہانیوں میں پڑھا۔ منٹو، بیدی اور افسانہ نگاروں نے بٹوارے پر عمدہ کہانیاں تحریر کی لیکن وہ افسانے تھے۔ حقیقت سے ملنا محض ایک اتفاق تھا۔ مگر نقش لائل پوری صاحب نے جو آپ بیتی بتائی وہ بہت ہی دلچسپ تھی۔ رونگٹے کھڑی کر دینے والی تھی۔ انھوں نے اس درد کو بھوگا تھا۔ اس درد کو پیا تھا۔ جب وہ اپنی کہانی بتاتے تو لگتا کہ جیسے سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے اور ہم اس کہانی کا حصہ ہیں۔ لاہور میں ان کے ایک دوست دیپک آشا کی بیٹی بیمار تھی۔ اس کو دیکھنے کے لیے گئے تھے۔ وہاں کافی رات ہوگئی جب وہ واپس لوٹ رہے تھے تو ایک گلی میں سے نکل کر کچھ لڑکوں نے انھیں گھیر لیا اور پوچھا تمھارا نام کیا ہے۔ کچھ سن گن پہلے سے ملی تھی کہ ملک کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ ہندوستان کو دو حصوں میں بانٹنے کی سازش چل رہی ہے۔ ہندو مسلم اب ذرا کھنچے کھنچے سے رہنے لگے ہیں۔ انھوں نے اپنے چاروں طرف کا جائزہ لیا اور یہ فیصلہ نہیں کر سکے کہ جن لڑکوں نے انھیں گھیر لیا وہ کون ہیں۔ ہندو یا مسلم؟ اس لیے انھوں نے سچ بولنے میں ہی عافیت سمجھی اور سچ سچ بتا دیا کہ میرا نام جسونت رائے ہے۔ اس پر ان لڑکوں میں سے کسی نے کہا جھوٹ بولتا ہے سالا۔ پھر وہ لوگ مطمئن ہو گئے۔ تو انھوں نے ڈانٹا کہ ملک کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ رات کو دیر تک گھر سے باہر نہ رہا کرو اور اپنے دو ایک ساتھی کو کہا کہ اس کو اس کے گھر تک چھوڑ آؤ۔

ایک واقعہ انھوں نے بتایا کہ جب ہم لوگ پاکستان سے چلے تو ہمارے قافلے میں بوڑھے بھی تھے، عورتیں بھی تھیں بچے بھی تھے۔ دن بھر چلتے تھے اور رات کو کہیں محفوظ جگہ دیکھ کر بستی سے دور ٹھہرتے تھے۔ پیدل چلتے چلتے ہم لوگوں کی حالت خراب ہو گئی تھی خاص کر بوڑھوں، بیماروں، کمزوروں اور بچوں کی۔ ہم لوگ جتنا کھانے پینے کا سامان لائے تھے سب ختم ہو چکا تھا۔ بچے رو رہے تھے۔ عورتیں بچوں کی وجہ سے پریشان تھیں۔ ہمارے قافلے والوں نے کہا تم جوان ہو پیسے لے لو اور جاؤ کہیں سے کھانے پینے کے لیے چاول مسالے خرید کر لے آؤ۔ تھوڑی دور پر ایک گاؤں تھا میں وہاں گیا اور دکاندار سے سامان مانگے تو دوکاندار نے کہا ہم تم لوگوں کو سامان نہیں دے سکتے۔ گاؤں والوں نے منع کیا ہے تمھیں سامان دیں گے تو وہ لوگ ہمیں ماریں گے۔ آخر کسی دوکاندار نے سامان نہیں دیا۔ میں مایوس تھا ایک صاحب پر نظر پڑی میں نے انھیں کہا کہ ہم لوگ بھوکے ہیں ہمارے سامان ختم ہو چکے ہیں۔ دور سے آ رہی بچوں کے رونے کی آوازیں سنیے آپ ہماری مدد کیجیے کھانے پینے کا کچھ سامان دیجیے۔ تو انھوں نے ترس کھا کر کہا میرے پیچھے آؤ۔ میں ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ ایک گلی آئی اس میں گھسا پھر دوسری گلی آئی اس میں گھسا اور پھر جب تیسری گلی میں گھسا تو میں نے سوچ لیا کہ اب میری جان نہیں بچے گی۔ ایسی جگہ پھنس گیا ہوں کہ میری لاش بھی باہر نہ جا سکے گی۔ پھر ایک بڑا سا گیٹ آیا اس میں گھسا جیسے جیسے اندر جا رہا تھا میرے جینے کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ پھر ایک کمرے کے باہر جب میں پہنچا تو انھوں نے کہا تم یہیں بیٹھو اور خود اندر گئے۔ ان کے پاس جتنا چاول آٹا وغیرہ تھا اس کا ایک بڑا سا پوٹلا باندھا اور اپنے سر پر رکھ کر مجھے کہا میرے پیچھے پیچھے آؤ اور مجھے جہاں سے لے گئے تھے وہاں پہنچا کر سارا راشن دے دیا۔ میں نے

دو ہزار روپے دیئے لیکن انھوں نے کہا، ''میں نے یہ تمھیں پیسوں کے لیے نہیں دیا ہے اور انھوں نے پیسے نہیں لیے۔ پھر میں راشن لے کر قافلے میں پہنچا جس سے سبھوں نے پیٹ کی آگ بجھائی۔ اور اس طرح موت سے آنکھ مچولی کرتے ہوئے ہندوستان پہنچے۔

نقش صاحب نے فلمی نغمہ تحریر کرنے کے دوران شاعروں کو پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا کہ شاعروں کو فلمی نغمے تحریر کرنے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فلم کے اکثر پروڈیوسر ڈائرکٹر وغیرہ غیر ادبی آدمی ہوتے ہیں انھیں شعر و ادب کی سمجھ نہیں ہوتی ہے۔ اس لیے وہ فلمی نغموں کو بھی اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جو باتیں ان کی سمجھ نہیں آتی ہیں ان پر بضد ہو جاتے ہیں ایسا ہی ایک واقعہ انھوں نے سنایا۔ جب وہ فلم چیتنا کے نغمے تحریر کر رہے تھے تو ایک بڑا مسئلہ پیش آیا۔ جب انھوں نے اس فلم کا نغمہ

میں تو ہر موڑ پہ تجھ کو دوں گا صدا
میری آواز کو درد کے ساز کو تو سنے نہ سنے

یہ اس گانے کا مکھڑا تھا۔ پروڈیوسر بولا آپ نے گانے میں جو صدا لکھا ہے اس کا مطلب کیا ہوتا ہے تو نقش صاحب نے کہا صدا کے معنے آواز ہوتا ہے۔ اب پروڈیوسر کہنے لگا ''صدا'' معنے آواز کون سمجھے گا اس کو بدلیے۔ لیکن نقش صاحب نے پروڈیوسر کو سمجھانے کی کوشش کی کہ صدا کے معنے آواز ہیں اس بات کی وضاحت اگلی لائن (مصرعہ)

نقش صاحب نے فلمی نغمہ تحریر کرنے کے دوران شاعروں کو پیش آنے والی مشکلات کا ذکر کیا کہ شاعروں کو فلمی نغمے تحریر کرنے کے لیے کن کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ فلم کے اکثر پروڈیوسر ڈائرکٹر وغیرہ غیر ادبی آدمی ہوتے ہیں انھیں شعر و ادب کی سمجھ نہیں ہوتی ہے۔

میں ہو جاتی ہے۔ میری آواز کو درد کے ساز کو تو سنے نہ سنے۔ خیر کسی طرح معاملہ رفع دفع ہوا۔ اور نقش صاحب نے لفظ 'صدا' کو نہیں بدلا پھر جب موسیقار سپتن جگ موہن نے مکیش کی آواز میں اس گانے کو ریکارڈ کر لیا اور گانا مکمل ہوا تو سبھوں کو بہت پسند آیا اب پروڈیوسر نے کہا کہ اس گانے کا ایک Sad Version لکھیے۔ جو

ہیروئن پر فلمایا جائے گا اور بیک گراؤنڈ پر بجے گا اب نقش صاحب کے ساتھ ایک اور مشکل کھڑی ہو گئی کیونکہ اس نغمے میں قافیہ تنگ تھا۔ جتنے قافیے تھے سب نقش صاحب استعمال کر چکے تھے۔ اب کیا کیا جائے اس میں تین ہی قافیے تھے سنے، چنے اور بنے۔ اس کے علاوہ قافیے نہیں تھے۔ نقش صاحب نے دل میں سوچا کہ اگر پروڈیوسر کو کہا جائے کہ اس میں اب اور قافیے نہیں ہیں تو وہ پھر نخرہ کرے گا کہ نہیں مجھے گانے چاہیے۔ اس لیے نقش صاحب نے کسی کو یہ بات نہیں بتلائی کہ قافیہ تنگ ہے اور انھوں نے انھیں قافیوں چنے اور بنے سے ایک اور Sad Song لکھا۔ اتفاق سے کسی کا دھیان قافیوں کی طرف نہیں گیا اور گیت ریکارڈ ہو گیا۔ گانا بہت خوبصورت بنا اور کافی مقبول بھی ہوا۔ اور یہ نغمہ نقش صاحب کے مشہور نغموں میں سے ایک ہے جو کافی بجتا اور سنا جاتا ہے۔

نقش صاحب کا ایک اور بہت مشہور نغمہ ہے جو فلم دل کی راہیں کا ہے جس کی موسیقی موسیقار مدن موہن نے دی ہے اور جسے سروں کی ملکہ لتا منگیشکر نے گایا ہے۔ یہ ایک غزل ہے جس کا مطلع ہے

رسم الفت کو نبھائیں تو نبھائیں کیسے
ہر طرف آگ ہے دامن کو بچائیں کیسے

اس نغمے کے بارے میں نقش صاحب نے بتایا کہ ایک بار میں موسیقار مدن موہن کے ساتھ ایک فلم کے لیے نغمے لکھ رہا تھا۔ انھوں نے مجھے ایک سچویشن دی اور کہا کہ اس پر گیت لکھ کر لیتے آیئے گا۔ میں گھر آیا اور گیت لکھا۔ جس دن ہم لوگوں کی شوٹنگ تھی اس دن میں پوری تیاری کے ساتھ گیت لکھ کر لے گیا۔ جب میں مدن موہن کے یہاں پہنچا تو وہ کہیں باہر نکل رہے تھے۔ انھوں نے کہا، ''میں نے جو گیت لکھنے کو کہا تھا وہ ابھی نہیں لکھیے گا۔ میں آتا ہوں تو ٹیون بتاتا ہوں پھر اس پر لکھیے گا۔ اب تو نقش صاحب پریشان ہوئے کہ ایک اچھا خاصا نغمہ جسے میں نے بڑی محنت سے لکھا ہے اور جب لکھ چکا ہوں تو یہ کہتے ہیں کہ ابھی مت لکھیے میں آ کر ٹیون بتاتا ہوں۔ اتنے اچھے نغمے کے ضائع ہونے کا انھیں کافی دکھ تھا۔ خیر جب مدن موہن واپس آئے تو نقش صاحب نے کہا میں نے جو گیت لکھا ہے آپ اس کو پہلے سن لیجیے اگر پسند نہ آئے تو میں پھر دوسرا گیت لکھ دوں گا اور اس طرح نقش صاحب نے گیت کا مکھڑا سنایا

رسم الفت کو نبھائیں تو نبھائیں کیسے
ہر طرف آگ ہے دامن کو بچائیں کیسے

مدن موہن صاحب بولے اس نغمے کے لیے میں نے جو ٹیون سوچا ہے یہ تو اسی ٹیون پر ہے ٹھیک ہے اسی نغمے کو رہنے دیجیے اور اس طرح ان کا پہلے سے لکھا ہوا نغمہ ہی سلیکٹ ہو گیا اور لتا منگیشکر کی آواز نے وہ جادو جگایا کہ لتا کے بہترین نغموں میں اور مدن موہن و نقش لائل پوری کے بہترین نغموں میں بھی شمار کیا جاتا ہے۔

نقش لائل پوری لائل پور میں 1928 میں پیدا ہوئے۔ لائل پور اب پاکستان میں ہے اور اسے فیصل آباد کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہندوستان کی تقسیم کے بعد وہ ہندوستان چلے آئے۔ کچھ دنوں تک لکھنؤ میں رہے اور روزی روٹی کی تلاش میں وہ 1951 میں ممبئی آئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ان کی دو کتابیں منظر عام پر آئیں ایک ان کی فلموں اور ٹی وی سیریلوں کے نغمے کا انتخاب جس کا نام ہے 'آنگن آنگن برسے گیت' اور دوسری کتاب ان کی غیر فلمی غزلوں اور دوہوں کا انتخاب ہے جس کا نام ہے 'تیری گلی کی طرف'

موت اور زندگی پر ان کا ہی ایک شعر ہے

موت اور زندگی کیا ہے اس کے سوا
اک کلی کھل گئی ایک مرجھا گئی

■

Sadre Alam Gauhar
1138,Tazia chowk Aazmi Nagar
Nalapar Bhiwandi Distt.Thane(M.R.)
Mob.:7715980144
Email.gauhersadre@gmail.com

دستاویز اور ٹیکسٹ کو فارمیٹ کرنا

Formatting Documents and Text

اس ٹیب شیٹ میں 'Find what' اور 'Replace with' دو ٹیکسٹ باکس ہیں، جن میں بالترتیب ڈھونڈا جانے والا اور اس کے بدلے رکھا جانے والا ٹیکسٹ بھرے جاتے ہیں۔ 'More' بٹن کو کلک کرکے ڈھونڈنے کے عمل کو کنٹرول والے آپشن دکھائے جاتے ہیں، جو ٹھیک تصویر WD-3.23 کی 'Find' ٹیب شیٹ کے مطابق ہوتے ہیں۔

دونوں ٹیکسٹ باکس بھر کر اور ضروری سیٹنگ کرنے کے بعد 'Find Next' بٹن کلک کرنے سے وہ ٹیکسٹ ڈھونڈا جائے گا اور اگر دستاویز میں ہوگا، تو کرسر وہاں جا کر رک جائے گا۔ اس وقت اگر آپ 'Replace' بٹن کلک کرتے ہیں، تو نیا ٹیکسٹ پرانے کی جگہ رکھ دیا جائے گا۔ نیا ٹیکسٹ خالی دین پر صرف پرانا ہٹا دیا جائے گا۔ 'Find next' کو کلک کرکے یہ عمل آگے بھی جاری رکھا جا سکتا ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ پوری دستاویز میں (یا اس کے دیے گئے حصہ میں) یہ تبدیلی بار بار بغیر پوچھے کر دی جائے، تو 'Replace All' بٹن کو کلک کیجیے۔

(ii) **ٹیکسٹ چننا** (Select): ایڈیٹنگ مینو میں ٹیکسٹ چننے کی سہولت بھی موجود ہے۔ اگر آپ پوری دستاویز کو چن کر اسے فارمیٹ کرنا چاہتے ہیں، تو ایڈیٹنگ مینو میں Select All ہدایت دیجیے، آپ کی پوری دستاویز Select ہو جائے گی۔

اسی مینو کے Select Objects آپشن کی مدد سے آپ اپنے ماؤس پوائنٹر کی شکل بڑی آئی (I) سے تیر کے نشان ( ) میں بدل سکتے ہیں اور ٹیکسٹ کا انتخاب کر سکتے ہیں۔ Select Text with Similar Formatting آپشن یکساں فارمیٹنگ والے ٹیکس کے انتخاب میں مدد کرتا ہے۔

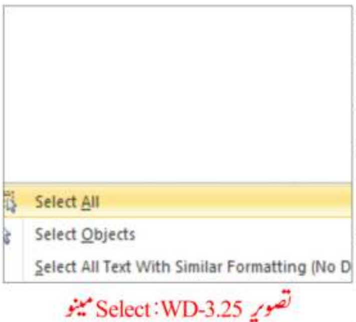

تصویر WD-3.25 Select: مینو

منی ٹول بار اور لائیو پریویو (MiniToolbarandLive Preview)

ورڈ 2007 کی دو نئی خصوصیات ہیں۔ منی ٹول بار (Mini Tooblar) اور لائیو پریویو (LivePreview)۔ ان دونوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

منی ٹول بار (Mini Toolbar): آپ دیکھیں گے کہ جیسے ہی ورڈ 2007 میں ٹیکسٹ چنا جاتا ہے، ویسے ہی ایک چھوٹا ٹول بار، جسے Mini Toolbar (تصویر WD-3.26) کہا جاتا ہے، نمودار ہوتا ہے۔ اس ٹول بار میں Home ٹیب کے چنندہ بٹن دیے گئے ہیں، جیسے فونٹ لسٹ باکس، فونٹ سائز لسٹ باکس، Shrink Font، Styles، Bold، Itralic، Center-align، Butllet وغیرہ۔ اس ٹول بار میں عام طور پر وہ سبھی بٹن ہیں، جن کا استعمال بار بار ہوتا ہے۔ یہ ٹول بار صارف کی سہولت کے لیے بنایا گیا ہے۔ اس کی مدد سے آپ Home ٹیب کے حصوں میں جائے بغیر ان بٹنوں کا استعمال کر کے ٹیکسٹ فارمیٹ کر سکتے ہیں۔

تصویر WD-3.26 Select: منی ٹول بار

اگر آپ کا منی ٹول بار غائب ہو جائے، تو جس ٹیکسٹ کو فارمیٹ کرنا ہے، اسے چن کر اس پر ماؤس کا دایاں بٹن کلک کیجیے۔ منی ٹول بار فوراً نمودار ہو جائے گا۔

لائیو پریویو (LivePreview): ورڈ 2007 کی دیگر خصوصیت ہے۔ لائیو پریویو۔ کچھ ٹیبوں کے کچھ بٹنوں سے آپ کو کلک کیے بغیر ہی لائیو پریویو ملتا ہے۔ جیسے، آپ اپنے ٹیکسٹ کا فونٹ بدلنا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے آپ ٹیکسٹ کو چنیں۔ پھر فونٹ کا لسٹ باکس چنیں۔ اس کے بعد آپ جیسے ہی کسی فونٹ آپشن پر اپنا ماؤس پوائنٹر لائیں گے، ویسے ہی ورڈ آپ کو لائیو پریویو دے گا کہ وہ فونٹ صفحہ پر کیسے لگے گا۔ آپ لائیو پریویو کی بنیاد پر اپنا من پسند فونٹ چن کر اسے کلک کر دیجیے، ٹیکسٹ آپ کے من چاہے فونٹ میں بدل جائے گا۔

Home ٹیب میں Font، Font Size، Highlight، Font Color، Bullets، Numbering، Styles وغیرہ بٹن لائیو پریویو دیتے ہیں۔

ہیلپ سہولت (Help)

اگر ورڈ میں کام کرتے کرتے آپ کہیں اٹک جائیں اور آپ کو مدد کی ضرورت ہو، تو آپ ورڈ سے مدد مانگ سکتے ہیں۔ مان لیجیے آپ بلیٹ لسٹ تیار کرنے پر مدد چاہتے ہیں۔ اس کے لیے ربن کے دائیں کونے میں (x بٹن کے ٹھیک نیچے) نیلے گولے میں دیے گئے سوالیہ نشان (؟) پر کلک کریں۔ اس سے Word help ڈائیلاگ باکس کھلے گا۔ اس کے ٹیکسٹ باکس میں Bullet List ٹائپ کر کے Search بٹن پر کلک کیجیے۔ ورڈ فوراً ہی اس عنوان سے وابستہ تحریروں کی فہرست دکھا دے گا۔ مناسب تحریر پر کلک کریں اور اسے پڑھ کر اپنے مسئلہ کا حل ڈھونڈیں۔

تصویر WD-3.27 Select: ورڈ میں ہیلپ سہولت

بہ شکریہ: ریپڈیکس کمپیوٹر کورس (ونڈوز 7 اور 8 / آفس 2007)، سنہ اشاعت: 2015، ناشر: یونی کورن بکس F-2/16، انصاری روڈ، دریا گنج، نئی دہلی 2
فون نمبر: 011-23275434,23262683

تبصرہ وتعارف

متوازن غذا اور صحت

مصنف: ڈاکٹر رفیع الدین ناصر، مولانا آزاد کالج، اورنگ آباد
صفحات: 194، قیمت: 115 روپے، سنہ اشاعت: 2018
ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی
مبصر: پروفیسر جمال نصرت، 509/148 پرانا حیدرآباد، لکھنؤ، 226007

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان قابل مبارک باد ہے کہ جن موضوعات پر اردو ادب کو کچھ حد تک فراموش کیا گیا تھا اسے یہ پورا کررہی ہے۔ یہ کتاب ایک واضح مثال ہے، ڈاکٹر رفیع الدین ناصر امراض کے ڈاکٹر نہیں ہیں۔ آپ ایک ماہر تعلیم ہیں اور پراثر انداز میں اپنی بات رکھنے کا ملکہ رکھتے ہیں۔ یہ کتاب ان کی دو درجن سے زائد کتابوں میں ایک اہم اضافہ ہے۔ اس پوری کتاب میں دوا سے دوری اور غذا سے قربت بتائی گئی ہے۔ یوں بات نہ بن رہی ہو تو علاج پر بھی جانے کو کہا گیا ہے۔

کتاب میں طرح طرح سے باور کرایا گیا ہے کہ کیا کب کب مضر ہے۔

زیر نظر کتاب میں یوں شامی کباب، گاجر کا حلوا، پیزا، آلو کا پراٹھا، رائل چکن، ہرا بھرا چکن، مچھلی کا سالن، مونگ کی دال کا حلوہ، فش فرائی، تندوری چکن، جیلی بریڈ پڈنگ، دم کباب، کدو کی کھیر، چاکلیٹ کیک کی دل آویز تصاویر اور ان سے ممانعت بھی نہیں کی گئی ہے۔ متوازن غذا بہت تفصیل سے رقم ہے کہ اس میں پروٹین، نشاستہ، تیل، حیاتین، معدنی اور پانی ان سب کا درست جز ہونا چاہئے۔ ساتھ میں اس کی صحیح مقدار کی وضاحت بھی ہے۔

متوازن غذا اور صحت میں 26 ابواب ہیں جن کو چار گروپوں میں رکھا جاسکتا ہے۔

پہلا گروپ:۔ تغذیہ کیا ہے نیوٹرنٹس (Nutrients) ہمارا جسم، کس کو کیا کیا چیزیں دیگر بھی لینی چاہییں، عموماً ہمارے کھانے میں کیا کیا تغذیات ہوتی ہیں اور متوازن خوراک کیا ہوگی۔ اس گروپ میں شروع کے پانچ ابواب ہیں۔

دوسرا گروپ:۔ بچہ، بوڑھا، مرد، عورت اور ان کی خاص خاص صورتوں میں کیسی غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے نام بھی اور مقدار بھی۔ اس گروپ میں 9 ابواب رکھے گئے ہیں۔

تیسرا گروپ:۔ چند بیماریوں میں غذا کا تعین جن میں بخار، موٹاپا، ذیابیطس، گردے کے امراض، شکم کے سلسلے کی بیماریاں، دل، جگر، اور کینسر کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں ابواب 16 سے 24 تک شامل ہیں۔

چوتھا گروپ:۔ اس میں ابواب 15 یعنی غذا سے علاج، غذا کی دیکھ بھال۔ اور طعام کی منصوبہ بندی جسے ابواب 25,26 میں رکھا گیا ہے۔

کتاب کو متعدد چارٹ اور تصاویر سے آراستہ کر کے اس کی افادیت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ لذیذ کھانے جی خوش کرتے ہیں، ان سے محروم نہ رہیں بلکہ استعمال کریں مگر ان کو اپنا شعار نہ بنائیں۔

دوسرا گروپ جو سب سے طویل ہے میں نوخیز کے لیے درکار تغذیات اور ضروت سے لے کر ایک سے 6 سال کے بچوں، پھر اسکول جانے والی پودھ کی غذائی ضروریات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ سن بلوغ میں داخل ہو رہے لڑکے اور لڑکیوں کو کن خاص خاص غذاؤں کی ضرورت ہوگی اور ان کو یہ کس طرح فراہم کرائی جائے۔ یہ بہت اہم ہے۔ ہر عمر میں اگر اس کے تعلق کی غذاؤں میں کوئی کمی رہ جاتی ہے تو ممکن ہے کہ یہ نا قابل تلافی رہ جائے۔ قد کم رہے یا آنکھیں کمزور ہوں اس کے علاوہ حاملہ اور مستورات کے لیے اور دودھ پلانے والی ماؤں کے لیے کن کن چیزوں کو استعمال میں لینا چاہیے؟ کس کس طرح کی ورزش ان کو خود بھی کرنی چاہیے جس کا باتصویر اور تفصیل سے ذکر ہے۔

مصنف نے اس گروپ کو یہاں ہی نہیں چھوڑا بلکہ جسمانی محنت کرنے والے، دفتروں میں کام کرنے والے اور بزرگوں کے لیے بھی غذا کی ضرورت کو تجویز کیا ہے۔

اس کے علاوہ پرہیز کو بھی خیال میں رکھا ہے۔

آخری گروپ میں غذا سے علاج پر زور ہے۔ اس میں ریشے دار غذائیں، اناج اور ان کی مقدار، پھل، دودھ، شکر کے ساتھ ساتھ طرح طرح کی بیماریوں میں کن کن اشیا کو خاص طور پر لیا جائے کا بھی احاطہ کیا گیا ہے۔ غذا کے سلسلے کی احتیاط اور ان کے دیر تک درست شکل میں رکھنے کی ترکیبیں درج کی گئیں ہیں۔

کتاب کے آخری باب میں مینو پلاننگ یا طعام کی منصوبہ بندی ہے جو ہر گھر کا ایک مشکل مسئلہ ہوتا ہے۔ عموماً گھروں کے لوگ اکثر کہہ اٹھتے ہیں کہ وہی کھانا کھاتے کھاتے جی بھر گیا ہے اور بور ہو گئے ہیں۔ سبھی وقت کے کھانوں کے لیے اچھی غذاؤں کی نشاندہی کی گئی اور اس میں گھر کے افراد اپنی مرضی اور پسند کے حساب سے فیصلہ لے سکتے ہیں۔

پوری کتاب کو ذہن میں رکھا نہیں جا سکتا۔ لیکن اس کو برابر دیکھنے کی ضرورت ہوگی کیونکہ اس میں بہت ہی مفید مواد موجود ہے۔ اس کی ضرورت ہر ایک گھر کو ہوگی۔ ہم لوگ ایک زمانہ سے ایسی کتاب کی ضرورت کو محسوس کر رہے تھے جواب پوری ہوئی ہے۔ مصنف کی یہ بہت کامیاب کاوش ہے جس نے اسے یقیناً بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ ہر ایک باب کے نام انگریزی زبان میں بھی لکھ کر کتاب کی افادیت میں اضافہ کیا گیا ہے۔ کتاب کی طباعت صاف اور درست ہے، دام کم ہیں، جن کتابوں اور رسائل سے مدد لی گی ہے ان کا نام درج نہیں ہے۔ مصنف نے اس کا انتساب بھی درج نہیں کیا ہے، کتاب کا کور جاذب نظر ہے۔

مجموعی اعتبار سے کتاب 'متوازن غذا اور صحت' ایک لاجواب توازن والی درسی کتاب ہے جس کی ہر گھر کو ضرورت ہوگی۔

فکر و فن

مصنف: خلیل الرحمٰن اعظمی

صفحات: 205، قیمت: 110 روپے، سنہ اشاعت: 2018

ناشر: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی

مبصر: خلیق الزماں نصرت

فلیٹ نمبر 15، بلڈنگ نمبر 4، سائی نگر کالونی، بھیونڈی (مہاراشٹر)

خلیل الرحمٰن اعظمی شاعر، محقق اور تنقید نگار تھے۔ تنقید کے میدان میں ان کا نام بڑا اہم ہے۔ اعظمی کی غیر معمولی شخصیت، اردو سے والہانہ لگاؤ عبارت تھی۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی ادب کی تخلیق میں بسر کر دی اور خاص کر تنقید کی صنف کو انھوں نے اس طرح مالا مال کر دیا کہ انھیں عمر کی کمی کا گلہ نہیں رہا۔ 'فکر و فن' بھی ان کے ایسے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ہے جو وقتاً فوقتاً مختلف رسائل میں شائع ہو کر دادِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ چند مضامین ایسے بھی ہیں جن سے لوگ مطمئن نہیں ہوئے اور ان مضامین کے خلاف قلم اٹھایا۔ اس کتاب میں بہادر شاہ ظفر کی شاعری پر لکھنے کے دوران انھوں نے ایک تحقیق کا بھی سہارا لیا ہے۔ بہادر شاہ ظفر سے منسوب ایک غزل ''نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں...'' کو خلیل الرحمٰن اعظمی نے بھی بغیر کسی ثبوت کے ان کے نام کر دیا تھا۔ میری تحقیق کے مطابق یہ غزل جاں نثار اختر کے والد مضطر خیرآبادی کی ہے جو ٹونک کے جج تھے۔ میں نے اس طرح کے کئی متنازعہ اشعار (انتسابِ شعر) کا پتہ لگایا ہے۔ یہ سب 'برمحل اشعار اور ان کے ماخذ' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں۔ طوالت کے خوف سے اسے دہرانا مناسب نہیں ہے۔ مضطر کی کلیات ان کی ہینڈ رائٹنگ میں موجود ہے۔ اس کی موجودگی کا پتہ یونس حسن نے 1962 میں نگار میں اپنے ایک مضمون سے دی تھی۔ پانچ جلدوں کی یہ کلیات بخط شاعر موجود تھی۔ اب یہ 'خرمن' کے نام شائع ہو چکی۔ اس طرح کے ثبوت کے بعد کسی ماخذ کی ضرورت نہیں رہی۔ محمد حسین آزاد کی دروغ گوئی کی وجہ سے ایک عرصے تک بہادر شاہ ظفر کو شاعر نہیں مانا گیا تھا۔ خلیل الرحمٰن اعظمی نے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ الزام ہے۔ اس نقطۂ نظر سے یہ مضمون قابل مطالعہ ہے۔ اصل میں اسی طرح کے مضامین سے بہادر شاہ ظفر کو شاعر تسلیم کیا گیا۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کا شعری شعور کافی پختہ ہے اور وہ فارسی، عربی اور اردو پر یکساں مہارت رکھتے ہیں، اور ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے کے بعد شعروں میں عشقیہ مضامین کی تلاش کرتے رہے ہیں۔ اسی ضمن میں تصوف کے بادشاہ خواجہ میر درد کی عشقیہ شاعری کا مطالعہ کیا ہے حالانکہ درد عملاً بھی تصوف سے جڑے رہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی نے روایات سے منسلک ایسے موضوعات کو اپنے مضمون کے لیے چنا ہے جو ڈیڑھ اور دو صدیوں کے درمیان چلتے ہوئے سکّے گردانے جاتے ہیں۔ ان کے مطالعے میں کلاسیکل شاعری کا حصہ بھی ہے۔ انھیں جہاں بھی کسی شعر میں روشنی ملی، اسے اپنا موضوع بنایا ہے۔ عصری شاعری پر بھی ان کی اچھی نظر ہے۔ جوش، جمیل مظہری، مجاز اور جذبی کی شاعری کا جائزہ خوب جم کر کیا ہے۔ اسے پڑھا جائے تو ہمیں پتہ چلے گا کہ کس طرح شعری رجحانات تبدیل ہوئے ہیں۔ انھوں نے اپنی تنقید میں نئے نئے انکشافات کیے ہیں۔ ایک جگہ جوش کی شاعری کے تعلق سے پتہ چلتا ہے کہ جوش اکثر اپنے مضمون کے ساتھ انصاف نہیں کرتے ہیں۔ وہ ایک شعر کو محور بنا کر اپنی بات لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں بقیہ اشعار میں تک بندی ہوتی ہے۔ کسی بھی موضوع پر نظم لکھتے وقت مختلف زاویوں سے نہیں دیکھتے ہیں۔ انھوں نے اس ضمن میں کئی دوسرے ناقدوں کا حوالہ دیا ہے اور پھر اپنے طور پر اس کی وضاحت کی ہے۔

خلیل الرحمٰن اعظمی کی تنقید پرانی تنقید کی جگالی نہیں ہے، انھوں نے پرانی شاعری میں نئے آہنگ، زبان اور نظریات تلاش کیے۔ یہ ان کے ابتدائی مضامین ہیں پھر بھی یہ نئے زمانے کے لیے تحفہ ہیں۔ ہم جیسے جیسے ان کے اوراق پلٹتے گئے ویسے ویسے ہمیں نئی باتوں کا پتہ چلتا گیا۔ اللہ بہت کم لوگوں کو ایسی صلاحیت دیتا ہے۔

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ادبیات، انسائیکلوپیڈیا لغات، تاریخ، تعلیم و تدریس، زبان و لسانیات، سائنس، تکنیک اور جغرافیہ، سیاست، صحافت، طب و معالجات، فلسفہ، فنون لطیفہ، قانون، کتب خانہ داری، معاشیات، تجارت، نفسیات، بچوں کا ادب اور دیگر موضوعات پر بڑی اہم کتابیں شائع کی ہیں۔ کونسل کی تمام مطبوعات درج ذیل پتہ پر حاصل کی جاسکتی ہیں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی – 110066

NCPUL, West Block -8, Wing No. 7, R.K. Puram, New Delhi 110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

تحقیق و تنقید

بہار میں اردو مثنوی کی تاریخ و تنقید

مصنفہ: ڈاکٹر احمد حسن دانش
صفحات: 331، قیمت: 300 روپئے، سنہ اشاعت: 2018
ناشر: ڈاکٹر احمد حسن دانش
مبصر: زبیر احمد بھاگلپوری، اردو سکشن، بہار قانون ساز کونسل، پٹنہ-15

بہار دیگر اصناف سخن کی طرح مثنوی نگاری میں بھی تخلیقی اظہاریہ کے حوالے سے بروز اول سرگرم رہا اور مرکز عظیم آباد کا سازگار ماحول درجنوں مثنوی نگاروں کو تخلیقی غذا فراہم کرتا رہا ہے۔ ان حقائق کی تنقیح کرتی ڈاکٹر احمد حسن دانش کی 'بہار میں اردو مثنوی کی تاریخ و تنقید' کے عنوان سے ایک اہم کتاب نور پبلی کیشن، دریا گنج، نئی دہلی کے زیر اہتمام شائع ہو کر منظر عام پر آئی ہے۔ اس سے قبل بھی ان کی ایک کتاب بعنوان 'مثنوی کا فن- بہار کی معروف مثنویاں' زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہے۔ متذکرہ عنوان پر یوں تو پہلے بھی مضامین و مقالات کی شکل میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے لیکن اسے باضابطہ موضوع بنا کر ریسرچ ورک کرنے اور اسے کتابی شکل میں منظر عام پر لانے والے ڈاکٹر احمد حسن غالباً پہلے شخص ہیں۔ 331 صفحات پر مشتمل یہ کتاب یوں تو صد فی صد مکمل نہیں کہی جا سکتی لیکن ڈاکٹر موصوف نے برسوں کی ریاضت کے نتیجے میں متعلقہ موضوع کے تعلق سے اس قدر مواد اس میں فراہم کر دیا ہے کہ اس موضوع پر کام کرنے والے آئندہ کے تحقیق کاروں کو اس کی قرائت سے گزرنا تقریباً ناگزیر ہو جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے تاریخی موضوعاتی امتیاز کے مدنظر بہار کے مثنوی نگاروں کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے دور میں عبدالغفار عفا سے لے کر شاہ آیت اللہ جوہری تک کے مثنوی نگاروں کو یکجا کیا گیا ہے۔ اس دور کی ساری مثنویاں عموماً خانقاہی ماحول میں پرورش ہونے کے سبب مذہبی اور اخلاقی نیچر کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چوں کہ شاعری ان دنوں رشد و ہدایت کا ایک موثر وسیلہ تھی، اکابر نے مثنویوں کو معتقدین کے درمیان اصلاحی پیغامات کی ترسیل کے لیے بطور مواصلاتی پیکر استعمال کیا۔ دوسرے دور میں انھوں نے راسخ، جوشش اور کلیان سنگھ عاشق وغیرہ کو رکھا ہے۔

بہار کی مثنوی نگاری کے آخری دور شباب میں انھوں نے شاد عظیم آبادی 'صغیر' شوق نیموی اور سلطان وغیرہ کو رکھا ہے۔ اس دور میں لکھنؤ مرکز کی نمائندگی شوق لکھنوی فرما رہے تھے۔ طرز اظہار اور لسانیاتی معیار کی سطح پر لکھنؤ اور عظیم آباد کا مصنف کے ذریعہ پیش کردہ موازنہ انتہائی دلچسپ ہے۔ ان کے مطابق اس دور میں بہار کے شعرا کو لسانیاتی ڈائنامکس کے لحاظ سے یک گونہ تفوق حاصل تھا۔ جہاں اہل لکھنؤ کی مثنویوں میں ابتذالی عناصر در آئے ہیں، بہار کی مثنویاں ان اسقام سے منزہ ہیں۔ شوق نیموی کی 'سوز و گداز' اور صغیر کی 'فتنۂ عشق' جیسی مثنویاں بطور مثال پیش کی جا سکتی ہیں۔ بہار کے مثنوی نگاروں کے طویل سلسلے کی آخری کڑیوں کے بطور جمیل مظہری اور شمس عظیم آبادی کو مصنف کے ذریعہ پیش کرنے سے شاید ہی کوئی اہل نظر اختلاف کرے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ یہ صورت حال صرف بہار تک ہی محدود نہیں، اس صنفی قحط سالی کا اثر پوری اردو دنیا میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

کتاب ہذا میں ڈاکٹر حسن نے بہار کی مثنوی نگاری کی روایت کے محض تاریخی پس منظر کا احاطہ نہیں کیا ہے بلکہ جگہ جگہ مثنوی نگاروں کے سن و جائے پیدائش اور تاریخ وفات کے حوالے سے تحقیق و دریافت کے عمل سے بھی وہ کامیاب گذرے ہیں۔ ان کی اس بیش قیمت پیشکش کو تحقیقی نوعیت کی متحمل کتاب کے زمرے میں بجا طور پر رکھا جا سکتا ہے۔ شامل اشاعت کئی مثنوی نگار پیدا تو دہلی میں ہوئے لیکن ان کی تخلیقی و فنی شہکاری کا مظاہرہ عظیم آباد یا مرشد آباد میں ہوا۔ اسی طرح کئی شعرا پیدا تو عظیم آباد میں ہوئے لیکن ان کے شعری جواہرات کہیں اور جا کر مقبول عام ہوئے۔ تحقیقی عمل کے بغیر ایسے پیچیدہ مراحل سے کامیاب گزرنا کسی بھی قلم کار کے لیے دشوار ترین امر ضرور ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر حسن کے تحقیقی رویے کا اندازہ شاہ سعد اللہ عشق شاہ کی وفات کے حوالے سے ان کے درج ذیل اقتباس سے لگایا جا سکتا ہے:

''ڈاکٹر گیان چند نے 'تذکرۂ مجموعۂ نغز' کے حوالے سے ان کی وفات 1185ھ میں بتائی ہے۔ لگتا ہے ان سے سہو ہو گیا۔ انھوں نے شاہ کے پیر و مرشد حضرت شاہ کریم اللہ ارزاں کا سال وفات لکھ دیا ہے۔ ڈاکٹر ممتاز لکھتے ہیں۔ ''مجھے خانقاہ پھلواری سے حضرت شاہ سعد اللہ عشق علی شاہ ارزاں متوفی 24 ذی قعدہ، 1199 ہجری، مرید و خلیفہ حضرت شاہ کریم اللہ ارزاں شاہی متوفی 1185 ہجری کی ایک قلمی مثنوی دستیاب ہوئی ہے۔''

اس سلسلے میں قاضی عبدالودود صاحب رقم طراز ہیں۔ ''خانقاہ عمادیہ کے ایک مجموعۂ قطعات میں ایک قطعہ ہے جو اس پر شعر ہے کہ انھوں نے 1219 ہجری میں ایک امام باڑہ بنوایا تھا۔ مجموعہ نغز (سال اتمام 1221ھ) میں انھیں مرحوم لکھا ہے۔'' قاضی صاحب کی اس تحریر سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ شاہ کا انتقال 1219ھ اور 1221 ہجری کے درمیان ہوا۔'' کتاب میں اس نوع کے درجنوں تحقیقی نمونے موجود ہیں جو ڈاکٹر موصوف کی تحقیقی مہم جوئی کی واضح شہادتیں پیش کرتے ہیں۔ عظیم آباد سے علاقائی طور پر تقرب کے باوجود انھوں نے یہاں کی مثنویوں کی تنقیدی روش میں کوئی رعایت نہیں برتی۔ راسخ کی مثنویوں کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کا ایک اقتباس بطور مثال:

''عشقیہ مثنویوں میں میر سے استفادہ کیا ہے۔ ان میں سے اکثر مثنویاں میر کی مثنویوں سے مماثلت اور مطابقت رکھتی ہیں۔ عشقیہ مثنویوں کے ہیرو میں مردانہ حوصلے کی کمی پائی جاتی ہے۔ وہ کسی کے عشق میں پھنس کر آہ و نالہ میں زندگی کو سپرد حق کر دیتے ہیں اور بعد میں معشوق بھی غم محبوب کی تاب نہ لا کر اس سے جا ملتا ہے۔ راسخ کی زیادہ تر عشقیہ مثنویوں میں ایسا ہی ہوا ہے۔ پلاٹ میں گٹھیلا پن نہیں معلوم ہوتا ہے، قصہ کا ہلکا پن ظاہر ہوتا ہے۔''

مصنف کے ان نظریات سے جزوی یا کلی طور پر اختلاف تو ممکن ہے لیکن تنقیدی رویے میں برتی جانے والی ان کی حق پسندی سے انکار ممکن نہیں۔ دوسرا نقطہ جو اس تصنیف کو باوقار بناتا ہے، وہ مصنف کا اردو ادبی و تحقیقی فضا سے دور افتادہ یعنی پورنیہ جیسے خشک علاقہ میں رہ کر تحقیق کی پرخار وادی سے گزرنا ہے۔ لسانیاتی معیار کی سطح پر ان کا بیانیہ (Narrative) کرائسس سے ضرور نبرد آزما ہوا ہے لیکن مجموعی طور پر ان کی یہ کاوش بے حد قابل قدر ہے۔

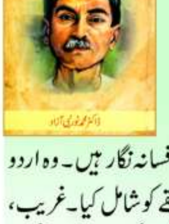

پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل

مصنف: ڈاکٹر محمد نور نبی آزاد
ضخامت: 288 صفحات، قیمت: 450 روپے
ناشر: ایجوکیشنل پبلی شنگ ہاؤس، دہلی
مبصر: سمیہ محمدی، ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اردو افسانے کی تاریخ میں پریم چند ایک اہم اور بڑے افسانہ نگار ہیں۔ وہ اردو کے پہلے افسانہ نگار ہیں جنھوں نے اپنے افسانوں میں ہر طبقے کو شامل کیا۔ غریب، مزدور تو ان کی کہانیوں کے ہیرو رہے ہی، ساتھ ہی سماجی اعتبار سے پچھڑے لوگ جنھیں دلت بھی کہا جاتا ہے، پریم چند نے ان کی زندگی کو اپنی کہانیوں میں پیش کیا۔ پریم چند کی

بیشتر کہانیاں کسی نہ کسی واقعے پر مبنی ہوتے ہیں، ساتھ ہی ان میں فلسفیانہ اور جذباتی حقیقت نگاری بھی پائی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے اس جذباتی پیش کش میں کردار کی جو اہمیت ہوتی ہے اس سے ہر کوئی واقف ہے۔

ڈاکٹر محمد نور نبی آزاد نے اپنی کتاب 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' میں پریم چند کے افسانوں کے اس کردار پر گفتگو مرکوز رکھنے کی کوشش کی ہے جسے دلت کہا جاتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب میں اس بات کا ذکر بھی کیا ہے کہ ان کی زیر طبع کتاب میں پریم چند کے ناولوں کے دلت کردار پر گفتگو کی جائے گی۔ امید ہے ان کی آنے والی کتاب پریم چند کے فکشن میں دلت اور ان کے مسائل کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگی۔

زیر تبصرہ کتاب 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کتاب کا پہلا حصہ ان تحریروں پر مبنی ہے جس میں کتاب اور صاحب کتاب پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس حصے میں ڈاکٹر ایم عظیم اللہ کی ایک نظم 'اعجاز مسیحا نور نبی ہو جائے گی یہ تحریر تری' شامل ہے۔ اس نظم میں ایم عظیم اللہ نے ڈاکٹر نور نبی آزاد کی شخصیت اور ان کی ادبی کاوشوں کی پذیرائی کی ہے۔ علقمہ شبلی کا ایک قطعہ 'مجبور کو گفتار کی جرأت بخشی' بھی اس کتاب میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ عبدالحمید حسرت کی ایک مختصر نظم 'پریم چند' بھی کتاب کا حصہ ہے جس میں پریم چند کی شخصیت کے نقوش ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ڈاکٹر نور محمد نبی نے پریم چند کے مختلف ناقدین کے خیالات کو پیش کیا ہے، جو مختصر تو ہے مگر اس میں سے چند اقتباس ایسے ہیں جو پریم چند کے فن پر روشنی ڈالتے ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں 'اس کتاب کے بارے میں' کے عنوان سے پروفیسر علیم اللہ حالی کی ایک مختصر تحریر شامل ہے۔ زیر تبصرہ کتاب کا مقدمہ اسلم جمشید پوری نے تحریر کیا ہے۔

زیر مطالعہ کتاب 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' کا دوسرا حصہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں مصنف نے پریم چند اور دلت ڈسکورس پر روشنی ڈالی ہے۔ کتاب کے اس حصے کو مصنف نے پانچ ذیلی عنوانات میں تقسیم کیا ہے۔ اس حصے میں شامل پہلا مضمون 'دلت: اصطلاح اور روایت' ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے لفظ دلت کو سمجھنے کے ساتھ ساتھ اس لفظ سے متعلق بعض غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ دراصل لفظ 'دلت' کے جو معنی سماج میں رائج ہیں وہ غلط فہمی پر مبنی ہیں۔ مصنف نے اس بات کی جانب اشارہ کیا ہے کہ سماج کا یہ طبقہ تعداد میں زیادہ ہونے کے باوجود اپنے حقوق سے مرحوم ہے۔ مصنف نے اردو کے ساتھ ساتھ ہندی، مراٹھی اور دیگر زبانوں میں دلت پر مبنی کہانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ ان کہانیوں میں جمالیاتی حسن کی تلاش کار زیاں ہے کیونکہ جن کی زندگی اذیت، تکالیف، غیظ و غضب اور جدوجہد سے بھرپور ہو اور جن کی زندگی میں جمالیات کا کوئی تصور نہ ہو ان کے چہرے اور عمل میں بھلا جمالیاتی حسن کہاں سے آسکتا ہے۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا ہے کہ ادب میں دلت کا ذکر کم کیا گیا ہے مگر انھیں اکیسویں صدی سے یہ امید بھی ہے کہ اس صدی میں دلت کے مسائل پر سنجیدہ گفتگو ضرور کی جائے گی۔

کتاب میں شامل ایک مضمون 'پریم چند: شخصیت، عہد اور معاشرت' ہے۔ کتاب کے اس حصے میں مصنف نے پریم چند کے عہد پر روشنی ڈالتے ہوئے سماجی پس منظر کو پیش کیا ہے۔

زیر نظر کتاب 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' کا اہم مضمون 'پریم چند کے دلت افسانے' ہے۔ مصنف نے دلت کی زندگی کو پیش کرتے ہوئے سماج کے اعلیٰ طبقے کے ظلم و زیادتی کو بھی پیش کیا ہے۔ ان افسانوں میں ٹھاکر کا کنوں، گھاس والی، نجات، جرمانہ، دودھ کی قیمت، وفا کی دیوی، ریاست کا دیوان، موٹھ، اندھیر، مشعل ہدایت، مندر وغیرہ پر گفتگو کی ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ دراصل پریم چند کے افسانوں میں شامل دیہاتی زندگی اور دلتوں کے مختلف مسائل کو معاشی اور تہذیبی خانوں میں تقسیم کر کے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب کا اہم ترین مضمون 'پریم چند کے دلت کردار' ہیں۔ جو اس کتاب کا عنوان بھی ہے۔ اس عنوان کے ذیل میں مصنف نے پریم چند کے کرداروں بالخصوص دلت کرداروں پر روشنی ڈالی ہے۔ اس باب کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک جانب جہاں ہمیں پریم چند کی کردار نگاری کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے وہیں دوسری جانب پریم چند کے دلت کو کردار کی پیش کش کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ مصنف نے پریم چند کے افسانوں کے کردار منی، مادھو، گھیسو، بدھیا، جھینگر، ملیا، دکھی، بھونگی، ہرکھو اور بھاگوت وغیرہ کا خصوصی طور پر جائزہ پیش کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ پریم چند کے یہ کردار بے حد متحرک ہیں ان کرداروں کی گفتگو سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہر الفاظ میں زہر ٹپکتا ہے۔ پریم چند نے ان کرداروں کی ذہنی کشمکش، تذبذب اور الجھن کو بھی پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔

کتاب میں شامل آخری مضمون 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' ہے۔ اس مضمون میں مصنف نے پریم چند کے افسانوں میں پیش دلت مسائل کا اجمالی جائزہ پیش کیا ہے، ان کا خیال ہے کہ پریم چند کی اس کوشش سے ملک بھر میں دلت کے تئیں ایک بیداری آئی اور چھوا چھوت کو ایک سماجی لعنت تسلیم کیا گیا۔

مجموعی طور پر ڈاکٹر محمد نور نبی کی کتاب 'پریم چند کے افسانوں میں دلت مسائل' پریم چند فہمی میں ایک اضافہ ہے۔

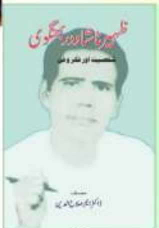

ظہیر ناشاد دربھنگوی

مصنف: ڈاکٹر ایم. صلاح الدین
ص: 112، قیمت: 280 روپے، سنہ اشاعت: 2018
مبصر: ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی
(موضع و پوسٹ: اجرا، ضلع: مدھوبنی 847237 (بہار)

ڈاکٹر ایم. صلاح الدین ضلع دربھنگہ کی قدیم اور پختہ کار نسل کے نمائندہ رکن ہیں۔ وہ کوئی صاحب طرز ادیب یا منفرد لب ولہجہ کے شاعر نہیں، نہ انھیں اس کا دعوی ہے، مگر وہ انشائی خصوصیات کے حامل ناقد و تحقیق کار ضرور ہیں۔ ان کی تنقیدی تحریریں ادبی عناصر سے مملو ہوتی ہیں، اس کا ثبوت ان کی تین مطبوعہ تنقیدی کتابیں ہیں اور وہ مضامین و مقالات اور ناقدانہ بصیرت کے حامل تبصرے ہیں، جو دربھنگہ اور بہار کے مؤقر ادبی رسائل کے صفحات کی زینت کا سامان بنے ہیں اور جنھیں ادب کے سنجیدہ قارئین نے ان کے پراثر اسلوب اور تخلیقی طرز ادا کی وجہ سے سند امتیاز عطا کیا ہے۔ ان کا انداز نثر عربی فارسی الفاظ و تراکیب سے مشابہ ہے۔

زیر نظر سوانحی تنقیدی کتاب 'ظہیر ناشاد دربھنگوی: شخصیت اور فکر و فن' صرف زیر سوانح شخصیت کا مرقع نہیں، بلکہ مصنف کی تنقیدی شخصیت کا معتبر حوالہ بھی ہے۔ اس مختصر کتاب میں انھوں نے دربھنگہ ضلع کی ایک مردم خیز بستی سرجا پور کے شاعر، ادیب، ناقد اور تحریک کار فرد کی شخصیت اور ان کے سوانحی ادبی نقوش کی تلاش و بیان میں فرہادسی کوہ کنی کا کام کیا ہے۔ کتاب کا رقبہ تین ابواب میں پھیلا ہوا ہے۔ باب اول روایتی انداز کا ہے اور حیاتِ ناشاد کے متنوع جہات کا احاطہ کرتا ہے۔ اس باب میں مصنف نے شاعر کے خاندانی احوال، ان کی شعری اور پیشہ وارانہ زندگی کے مختلف پڑاؤ، ان کے اخلاق و اطوار، ان کی ادبی کارگزاریوں اور ان کے ہم خیال و ہم مشرب شخصیتوں کے ساتھ تعلقات و مراسم کو نمایاں کیا ہے۔

کتاب کا دوسرا باب ''طرز و طرب شاعری'' ناشاد دربھنگوی کی شعری کائنات کے

محاکے پر مبنی ہے۔ مصنف نے ان کے شعری مجموعہ کے علاوہ ان کی شعری کائنات کے بکھرے غیر مطبوعہ گوشوں کو بھی تلاش کیا ہے۔ نہ صرف مطبوعہ مکتوبہ مواد کا، بلکہ مخدوش بوسیدہ بیاضوں کو بھی نظروں سے گزارا ہے۔ یہ باب بھی خاصا محنت اور مشقت سے لکھا گیا ہے۔ سرسری رسمی گفتگو سے احتراز کرتے ہوئے ان کی شاعری کا مضامین ومواد، ہیئت اوراسلوب و مواد کے اعتبار سے ایسا ناقدانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے کہ نہ صرف متقدمین ومتوسطین، بلکہ معاصرین کے چوکھٹے میں بھی ان کی شاعری کے حدود اربعہ کی تعیین ہوجاتی ہے۔ یہ باب یک رخا بھی نہیں، بلکہ ذرا سا تقابلی انداز واطورا کا حامل ہے اور یہی طریقہ تنقید ڈاکٹر ایم. صلاح الدین کے قلم کو انبوہ قلم کاراں میں انفرادو امتیاز کے لامحدود جہان کی سیر کراتا ہے۔

مصنف نے ان کی غزلوں اور نظموں کا فن اور عروض و ہیئت کی سطح پر بھی جائزہ لیا ہے اور یہاں بھی غیر مبہم اور رواداری وقرابت داری کی سطح سے اوپر اٹھ کر کڑی کسوٹی استعمال کی ہے۔ تیسرا باب 'اسلوب نثر و انداز نظر' ہے۔ ناشاد دربھنگوی کی شناخت تو شاعری سے تھی، مگر وہ افسانے، انشائیے اور تنقیدی تحریریں بھی لکھا کرتے تھے۔

مصنف نے اپنی تلاش کی بنیاد پر مضامین ومقالات کی جو فہرست تیار کی ہے، اس کے مطابق صرف کلکتہ اور ادبائے کلکتہ پر 59/مضامین انھوں نے لکھے ہیں۔ چناں چہ اس وقیع علاقائی ادبی سرمایے سے بحث کرتے ہوئے پھر لکھتے ہیں:

''میرے خیال میں متذکرہ بالا مضامین کا مجموعہ 'بنگال میں اردو تنقید نگاری' کے مطالعۂ ارتقاء کی اہم کڑی ٹھہرے گی۔'' (ص 87)

نثر نگاری کے ضمن میں ہی آگے ان مضامین ومقالات کا اشاریہ ہے، جو عمومی ادبی مطالعے سے نمو پاتے ہیں۔ اوراس اشاریہ میں کل 57/عناوین کا ذکر ہے، جو خسرو و میر درد سے لے کر، غالب وشاد، اقبال وآزاد، فیض وفراق اوراپنے وطن کے شاداں فاروقی اور شاکر خلیق تک کے فکروفن کا احاطہ کرتے ہیں۔ ان میں سے صرف 11/تنقیدی مضامین ہی مطبوعہ کتاب 'نقوش افکار' کے مختصر پیمانے میں سما سکے تھے۔ اس باب میں ان کی کئی تنقیدی تحقیقی کتابوں جیسے دربھنگہ میں اردو(1977) اور نقوش افکار(1979) کے اسلوب وانداز کا تنقیدی مطالعہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

112/صفحات پر مشتمل کتاب کا ہر صفحہ بحث ومباحثہ کے نئے ابواب وا کرتا ہے۔ کہیں مضامین ومشمولات کی تکرار سے سابقہ نہیں پڑتا۔ ناشاد کی طرح ہی مصنف کا اسلوب و طرز پیش کش ادیبانہ اور تخلیقیت سے بغل گیر ہے، اس لیے قاری کو کہیں خشکی یا یکسانیت کا گمان نہیں گزرتا۔ ابتدا میں کلکتہ یونی ورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر عبدالمنان کا پر مغز اور جامع پیش لفظ ہے، جس سے کتاب اور صاحب کتاب کی مختلف الابعاد شخصیت کی پرت کھلتی ہے۔ کتاب کی پشت پر پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی رائے اہم ہے جب کہ فلیپ پر ڈاکٹر امام اعظم کی مختصر رائے بھی ناشاد فہمی میں ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب نہ صرف بہار وکلکتہ اور ناشاد کے مخصوص حلقوں میں محبت وقدر کی نگاہ سے دیکھی جائے گی، بلکہ وہ اہل علم وادب بھی اس سے استفادہ کریں گے، جو سوانحی یا علاقائی ادب پر کام کرنا چاہتے ہیں۔ وہیں انجم رام نگری کے شعری مجموعہ (حدیث دل) کی ترتیب وتقدیم اوراس کتاب کی پیش کش کے بعد متھلا و دربھنگہ کے علمی وادبی حلقوں کو مصنف محترم سے مزید توقعات وابستہ ہوگئی ہیں کہ وہ اسی طرح علاقے کی گم نام اور فراموش کردہ شخصیات کے علمی وفکری سرمایہ پر مبنی دفینوں کی تلاش کرکے ان کی آگہی کا سامان فراہم کرتے رہیں گے۔ مصنف عمر کی اس منزل میں ہیں، جب دوسرے افراد تھکے ہوئے پنچھی کی طرح گوشہ نشینی اور عافیت گزینی کی زندگی کو ترجیح دیتے ہیں، مگر ان کی محنت اور کدوکاوش دیدنی ہے۔ اگر مصنف نے آرام طلبی کا مظاہرہ کیا ہوتا تو یہ نقوش کب کے مٹ چکے ہوتے۔ شہد کی مکھی کی طرح انھوں نے مختلف پھولوں سے رس کشید کرکے اس کتاب کی چمن بندی کی ہے۔

مطالعے کا سفر

مصنف: سلیم انصاری جبل پور

صفحات: 214، قیمت: 137 روپے، سنہ اشاعت: 2019

ناشر: حالی پبلشنگ ہاؤس لکشمی نگر دہلی

مبصر: صبیحہ اطہر 322/9، للیتا پارک، لکشمی نگر، دہلی 92

سلیم انصاری پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں مگر ایوانِ ادب میں ایک منفرد مابعد جدید شاعر اور نثر نگار کی حیثیت سے ان کی شناخت نمایاں اور قابلِ فخر ہے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے اپنی شاعری اور تنقیدی مضامین کے حوالے سے اردو زبان وادب کی خدمت کا قابلِ قدر کام انجام دینے والے سلیم انصاری کی اولین نثری کاوش 'مطالعے کا سفر' ابھی حال ہی میں منظرِ عام پر آئی ہے، جس میں ان کے 28 مضامین مختلف عنوانات کے تحت شامل کیے گئے ہیں۔ سلیم انصاری بنیادی طور پر شاعر ہیں اوران کا شعری مجموعہ فصلِ آگہی کے عنوان سے گزشتہ صدی کے اواخر میں منظرِ عام پر آیا تھا جسے خاطر خواہ پذیرائی حاصل ہوئی تھی۔

زیرِ تبصرہ کتاب سلیم انصاری کے ان مضامین کا انتخاب ہے جن میں سے کئی مضامین ہندوستان کے موقر ادبی جرائد کی زینت بن چکے ہیں۔ اگر چہ سلیم انصاری نے اپنی کتاب میں یہ وضاحت کردی ہے کہ وہ بنیادی طور پر خود کو شاعر ہی تصور کرتے ہیں مگر کتاب میں شامل مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک سنجیدہ نثر نگار ہیں اور عصری ادب کی سمت ورفتار پر ان کی نگاہ گہری ہے اور وہ سنجیدہ مطالعے کا ذوق رکھتے ہیں لہٰذا ان کے یہاں ایک منفرد نقاد بھی پوشیدہ ہے۔

کتاب 'مطالعے کا سفر' میں شامل مضامین کے موضوعات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ ان کے یہاں مطالعے کا سفر کئی دشاؤں میں پھیلا ہوا ہے۔ ناول، افسانے، شاعری اور افسانچوں کے علاوہ بھی انھوں نے اپنے پیش رو تخلیق کاروں کا سنجیدہ مطالعہ کیا ہے۔ اقبال اور غالب پر بہت کچھ لکھا جا چکا اور آگے بھی بہت کچھ لکھا جاتا رہے گا مگر سلیم انصاری نے اقبال اور غالب پر لکھتے ہوئے نیا اندازِ نقد اپنایا ہے جو یقینی طور پر قابلِ ستائش ہے۔ سلیم انصاری نے گزشتہ برسوں میں لکھے گئے کچھ عمدہ ناولوں پر بھی اپنی رائے پیش کی ہے جن میں گرداب (شموئل احمد)، ایوانوں کے خوابیدہ چراغ (نورالحسنین) اور لے سانس بھی آہستہ (مشرف عالم ذوقی) شامل ہیں۔ سلیم انصاری نے ان ناولوں کے تفصیلی مطالعے کے بعد جو نتائج برآمد کیے ہیں وہ یقینی طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

مابعد جدید شاعری کا مطالعہ سلیم انصاری کا خصوصی میدان ہے اور وہ نئی شاعری کے حوالے سے اپنی الگ رائے رکھتے ہیں اور یہی سبب ہے کہ انھوں نے اپنے ہم عصر شعرا کی شاعری کے مطالعے پر خاصی توجہ دی ہے جس کے نتیجے میں انھوں نے خالد جمال، کبیر اجمل، سنجے مشرا شوق، غضنفر اور شاہد کبیر کی شاعری کا تجزیہ پیش کیا ہے، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ نئے شعری منظر نامے پر یہ شعراء اپنی منفرد پہچان رکھتے ہیں۔ لہٰذا امید کی جاسکتی ہے کہ سلیم انصاری کے ان مضامین کے بعد دیگر ناقدینِ شعروادب بھی ان شعرا کو اپنے ترجیحی مطالعے کا حصہ بنائیں گے۔ سلیم انصاری نے جن افسانہ نگاروں کی تخلیقی صلاحیتوں پر مضامین شاملِ کتاب کیے ہیں ان میں وحشی سعید، حیدر قریشی، اور رتن سنگھ قابلِ ذکر ہیں۔ ان مضامین کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ افسانوں کے تفصیلی مطالعے کا نتیجہ ہیں۔

مطالعے کا سفر میں شامل مضمون 'دکن کی پیش روغزلیں: ایک مطالعہ' اس اعتبار سے بھی اہم ہے کہ اسلم مرزا نے اس کتاب میں دکن کے قدیم غزل گوشعرا کا تزکرہ اور نمونۂ کلام نہایت عرق ریزی سے جمع کیے ہیں جو یقینی طور پر دکن کے قدیم شعرا پر تحقیق کرنے والے طلبا کے لیے بہت کارآمد ہے۔ سلیم انصاری نے اسلم مرزا کی اس کتاب میں شامل مواد کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے بعد اپنی رائے بھی تفصیل سے رقم کی ہے۔ اس کے علاوہ اس کتاب میں ایک اور اہم مضمون موجود ہے جو کے ایل نارنگ ساقی کی کتاب میخانۂ اردو کا پیرِ مغاں کے تفصیلی مطالعے پر مشتمل ہے، جس کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ نارنگ ساقی اردو کے ایک ایسے جانباز سپاہی ہیں جو تخلیق کار نہ ہوتے ہوئے بھی اردو زبان و ادب کے سچے خادم ہیں اور مجھے امید ہے کہ اردو زبان کے حوالے سے ان کی خدمات کو اہلِ اردو برسوں یاد رکھیں گے۔

کرشن کمار طور کی شاعری پر ان کا مضمون سیر حاصل ہے اور ان کی شاعری کے متعدد پہلوؤں پر روشنی ڈالنے میں کامیاب بھی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری کے ان گوشوں کو بھی واضح کرتا ہے جن پر شاید شاعر کی نگاہ بھی نہ گئی ہو۔ کرشن کمار طور ایک درویش صفت شاعر ہیں اور اپنی شاعری میں عشق کے تقدس کو کئی دشاؤں میں روشن کرنے میں کامیاب ہیں۔ سلیم انصاری نے کرشن کمار طور کی شاعری میں عشق کی معنویت سے مکالمہ کرنے کی بھی کوشش کی ہے، جس کے لیے وہ یقینی طور پر قابلِ مبارک باد ہیں۔

اس کتاب میں شامل سارے مضامین لائقِ مطالعہ ہیں اور ادب کے سنجیدہ طالبِ علم کے لیے کارآمد بھی۔ میرے نزدیک سلیم انصاری کی اس کتاب کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ انھوں نے جن مضامین کو اس کتاب میں شامل کیا ہے وہ موضوع کے اعتبار سے مختلف نوعیت کے حامل ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ عصری ادب کی سمت و رفتار سے پوری طرح باخبر ہیں اور چونکہ وہ خود ایک منفرد تخلیق کار ہیں لہٰذا وہ ان مضامین کے موضوعات کے ساتھ انصاف کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ لہٰذا سلیم انصاری سے یہ توقع نامناسب نہیں ہے کہ وہ عصری ادب کے حوالے سے اپنے مطالعے کا سفر جاری رکھیں گے اور نئی نسل کے جینوئن تخلیق کاروں کی شناخت کے تعین میں اہم رول ادا کریں گے۔ مجھے امید ہی نہیں یقین بھی ہے کہ سلیم انصاری کی اس نثری کاوش کو اردو کے ایک وسیع حلقے میں خاطر خواہ پذیرائی اور مقبولیت حاصل ہوگی اور یہ کتاب تنقید اور تحقیق سے دلچسپی رکھنے والے طلبا کے لیے نہ صرف مفید بھی ثابت ہوگی بلکہ سلیم انصاری کو نئی نسل کے ایک قابلِ ذکر نقاد کی حیثیت سے پہچان دلانے میں بھی کامیاب ہوگی۔

شاعری

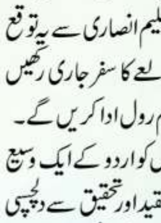

جامۂ گل (انتخاب کلام طارق متین)

مرتب: امتیاز احمد علیمی

صفحات: 160، قیمت: 200 روپے، سنہ اشاعت: 2018

پبلشر: رحمانی فاؤنڈیشن، بیلن بازار، مونگیر (بہار)

مبصر: مصطفیٰ علی، ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اپنے فکر کی تازگی،، فن کی پختگی اور لہجے کی سنجیدگی سے ذہن کو اپنی جانب متوجہ کر لینے والے شاعر طارق متین نے اپنے تخلیقی سفر کا آغاز 1983 میں کیا۔ اب تک ان کے تین مجموعے (1997 میں مشک سخن، 2008 میں قندیل ہنر اور 2016 میں غزال درد) منظر عام پر آ کر سخن وروں سے داد حاصل کر چکے ہیں۔ 2016 میں ان کے کلیات کی جلد اول 'ریاضت نیم شب' کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ طارق متین کے ہندی کلام کا مجموعہ بھی 'اس چہرے کے نام' سے 2018 میں منصۂ شہود پر آچکا ہے، جسے اردو کے نامور ناقد صفدر امام قادری نے مرتب کیا ہے۔ اس کے بعد ضرورت اس بات کی تھی کہ کلام طارق متین کا کوئی ایسا انتخاب سخن فہم حضرات کی نذر کیا جائے جو اختصار میں جامعیت کا حامل ہو اور جو فکری، فنی اور موضوعاتی تنوع پر محیط شاعر کے منجملہ رنگ و آہنگ کو سمجھنے میں مدد فراہم کرتا ہو۔ چنانچہ امتیاز احمد علیمی نے 'جامۂ گل' کے نام سے طارق متین کے کلام کا ایک بہترین انتخاب شائع کر کے نئی نسل کے درمیان طارق متین کو متعارف کرانے کا کام کیا ہے۔ اس انتخاب کی خاص بات یہ ہے کہ مرتب نے گلشن طارق متین سے ایسے گلوں کا انتخاب کر کے 'جامہ گل' کا جزو بنایا ہے جو اس چمن کے اختلاف رنگ و بو کے بہترین مظہر ہیں۔ مرتب نے زیر تبصرہ انتخاب میں طارق متین کے تینوں مجموعوں میں سے 125 ایسی غزلوں کا انتخاب کیا ہے جن میں فکری اور موضوعاتی سطح پر تنوع نظر آتا ہے۔ کتاب کے شروع میں معروف ادیب و ناقد پروفیسر کوثر مظہری کی مختصر مگر جامع تحریر 'حرفے چند' کے نام سے شامل ہے جس میں انھوں نے طارق متین کے کلام کی روشنی میں ان کی شاعرانہ خصوصیات کو بہت ہی موثر پیرائے میں بیان کیا ہے۔ اس کے بعد مرتب کا ایک طویل مقدمہ ہے جس میں طارق متین کی شاعرانہ شش جہات کا تفصیلی محاکمہ پیش کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی ظفر عبدالرؤف رحمانی کا ایک مختصر مضمون 'طارق متین کا شاعرانہ سفر' شامل ہے۔ چونکہ طارق متین کی شاعری میں کلاسکیت کا آہنگ اور روایت کی پاسداری جگہ جگہ دیکھنے کو ملتی ہے۔ کلاسکیت کی اسی روایت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس انتخاب میں بھی پہلے 'حمد' پھر 'نعت' اس کے بعد غزلیہ کلام کو شامل کیا گیا ہے۔ اس انتخاب میں شاعر کے موضوعات کی بوقلمونی اور اسلوب و آہنگ کے اعتبار سے اس میں مذہبی، سیاسی، سماجی، بے خودی و سرشاری، ہجر و وصال، رومانی، المیہ، حزنیہ، عشقیہ، تہذیبی و اخلاقی پستی، حکومتی جبر، انسانی اقدار کا زوال وغیرہ مختلف رنگ کی غزلیں آپ کو پڑھنے کے لیے ملیں گی، جس سے آپ شاعر کی زبان اور اس کے بیانیہ لہجہ کی سادگی، فکری وفنی بالیدگی اور اس کے مسلسل اٹھان کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ چونکہ شاعر عربی یا یوں کہیں کہ اسلامی الفاظ و اصطلاحات کا استعمال دل کھول کر کرتا ہے۔ اس لیے اس کی غزلوں میں مذہبی افکار و خیالات علاماتی و استعاراتی پیکر میں ڈھل کر اس طرح وارد ہوئے ہیں کہ وہ شاعر کی مخصوص پہچان بن گئے ہیں۔ مرتب نے اس انتخاب میں شاعر کے اس مذہبی جمالیات کا توازن برقرار رکھ کر کمال ہنرمندی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

شاعر کو نئے لفظیات برتنے کا بالکل شوق نہیں ہے اور نا ہی اسے جدید ہیئتی تجربات کا چسکا لگا ہوا ہے بلکہ وہ قدیم لفظیات اور روایتی ہیئتی تجربات کے سہارے عصر حاضر کے مسائل اور نئے جذبات و احساسات کی ترجمانی کو اپنا فنی امتیاز سمجھتا ہے۔ اسے اس بات کی قطعی پرواہ نہیں کہ لوگ اس پر روایت پرستی یا قدامت پسندی کا الزام دھر دیں گے، اسی لیے وہ کھل کر فن کی آبیاری کرتے ہوئے کہتا ہے:

بہت دشوار ہے فکر غزل میں طاق ہو جانا
ہنرمندی ضروری ہے ہمہ دانی سے کیا ہوگا

شاعر کے اس مزاج کو مرتب نے بخوبی سمجھا ہے اور دوران انتخاب اس کا بھرپور لحاظ بھی رکھا ہے۔ طارق متین جیسے اہم شاعر کے کلام کا انتخاب مرتب نے اپنے تحقیقی کام (پی ایچ ڈی) کے دوران کیا ہے جس سے آپ ان کے ادبی و شعری شغف کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ جو لوگ اردو رسائل و جرائد کی ورق گردانی کا ذوق رکھتے ہیں ان کے لیے امتیاز احمد علیمی کوئی نیا نام نہیں ہے۔ موصوف کی خوبی یہی ہے کہ وہ کچھ الگ ہٹ کر کرنے پر یقین رکھتے ہیں جس کی مثال یہ انتخاب ہے۔ طارق متین کو بطور شاعر پسند

کرنے والے حضرات کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے بلکہ انہیں بھی اسے پڑھنا چاہیے جواب تک ان سے ناواقف ہیں۔ کتاب پروف اور ٹائپنگ کی خامیوں سے منزہ ہے اور طباعت بھی عمدہ ہے۔ اختتام طارق متین کے ہی ایک شعر پر کرتا ہوں تا کہ نمونہ اور اختتامیہ دونوں کی رسم ادا ہو جائے:

کچھ اور ہو گئی دشوار نیک و بد کی تمیز
کہ اب تو خیر کے پردے میں شر نکلتا ہے

چھاؤں مرے حصے کی

شاعر: مقبول منظر
صفحات: 184، قیمت: 120 روپے، سنہ اشاعت: 2017
ناشر: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی
مبصر: سعید اختر اعظمی، بلریا گنج، اعظم گڑھ، یوپی

شام میکدہ رنگین وخوشنما اسی وقت ہو سکتی ہے جب نگاہ ساقی مہربان ہو۔ یوں ہر میکش ازخود سیرابی صہبا کا مرہون منت ہوگا۔ مقبول منظر آنکھیں ملا کر بن پیے لطف ساغر و مینا لینے والوں میں سے ہیں پھر بھی امام میخانہ کی بے رخی انھیں تشنہ لب رکھتی ہے۔ شاید اسی لیے انھیں اطلاع نشاط میں پیغام کہرام سنائی دیتا ہے۔ جب وہ میکدے سے رخصت ہوتے ہیں تو دُردتہ جام سے انھیں نوازا جاتا ہے جسے وہ جرعہ لطف وعنایت سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں۔

'چھاؤں مرے حصے کی' مقبول منظر کا اولین سخن دریچہ ہے جس سے رومان کی کیف پرور ہوائیں آتی ہیں تو اس سے حالات حاضرہ کا جائزہ بھی لیا جاسکتا ہے۔ انھوں نے جام ومینا، مے وصہبا، رندو میکش اور ساقی میخانہ کے تذکرے کے شانہ بہ شانہ دیگر موضوعات پر بھی خامہ فرسائی کی ہے۔ ان کے اشعار میں سادگی وسلاست اور مشاہدے کی گہرائی نے ندرت فن کو مہمیز کیا ہے۔

باہم جو پھر سے اُن کے مراسم ہیں اُستوار　　دونوں کے اعتراف خطا کا یہ فیض ہے
تن سوز لُو نے گھیر لیے کچے جھونپڑے　　ٹھنڈی ہوا امیر گھروں میں سمٹ گئی
چھانے لگا آنگن میں خنک شام کا سایہ　　اوجھل ہوئی ہے دھوپ بھی دیوار سے ڈھل کے
رکھ لیا بچے نے روزہ صبح کو یہ سوچ کر　　پیٹ بھر کھانا ملے گا شام کو افطار میں
اب کے کسان کو دیا بادل نے وہ فریب　　بھوکی زمیں ہی کھا گئی سارے اناج کو

عہد حاضر میں لباس کی تراش خراش، وضع قطع اور زیب وزینت نے نسائی وقار کو مجروح کر ڈالا ہے۔ جدید تہذیب کے پروردہ نوجوان اور دوشیزائیں اسے نعمت غیر مترقبہ سمجھ کر فیشن کی اندھی دوڑ میں بازی مار لے جانے کے لیے کوشاں ہیں۔ مقبول منظر اس پہ نوحہ کناں ہیں اور اسے دیہی ثقافت پر حملہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہے تو اس کے زیب تن عصر نو کا پیراہن　　بے حجاب وہ لڑکی بے لباس ہے پھر بھی
دست جدت نے روایت کا بدن نوچ لیا　　قابل فخر وراثت کا بدن نوچ لیا
جب سے چوپال میں فیشن کی فراوانی ہے　　شہر نے گاؤں کی عصمت کا بدن نوچ لیا

سخنوری عطیہ ربانی اور نعمت خداوندی ہے۔ یہ صرف لفظوں کے جوڑ توڑ اور قافیہ پیمائی کا نام نہیں بلکہ دلوں کے تار جھنجھنا دینے والے احساسات کا نام ہے۔ مقبول منظر کے اشعار بھی احساس پہ ضرب لگاتے ہیں۔ یہ عظیم کامیابی ہے جس کے سبب ان کے یہاں تعلّی در آئی ہے۔

غم ورنج والم کی بات ہے افکار میں پنہاں　　صدائے درد دل کی ہم نوا ہے شاعری اپنی
منظر قبول عام کی دلوائے جو سند　　قرطاس پہ قلم سے وہ منظر اُتار لے
ہمارے اس کمال فن پہ حاسد ہیں فنا منظر　　اُٹھا لائے ہیں ہم کوزے میں دریا، دیکھیے کیا ہو

مطالعہ ومشاہدہ اور لفظوں کی گرفت نے ان کی شاعری کو نکھار دیا ہے۔ یہ تعلّی بجا محسوس ہوتی ہے۔ ڈاکٹر منظر حسین، سعید رحمانی، ڈاکٹر یعقوب یاور، عتیق احمد عتیق، ڈاکٹر شباب للت، شارق جمال ناگپوری، ظہیر غازی پوری اور اعجاز علی ارشد کی آرا سے مرصع 'چھاؤں مرے حصے کی' جاذب نظر سرورق سے مزین یک صد سے زائد غزلوں میں شگفتگی اور حسن بیان کا آئینہ دار ہے جو یقینی طور سے رب کریم سے استعانت اور توفیق شعر وسخن مانگنے کے سبب ممکن ہوا ہے۔

دہن دیا ہے تو شیریں زبان دے اللہ　　بیان کو مرے حسن بیان دے اللہ
ہے تُندو تیز مخالف ہوا زمانے کی　　تو شمع فن کو مرے شمع دان دے اللہ

طنز و مزاح

میاں کلن کا ریٹائیرمنٹ

مصنف: ایس۔ایم۔ آرزو
صفحات: 120، قیمت: 194 روپے
ناشر: مغربی بنگال اردو اکاڈمی
مبصر: ڈاکٹر محمد مقیم، شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

اس کتاب کے مصنف جناب ایس ایم آرزو ہیں۔ بنیادی طور پر کتاب کا تعلق طنز و مزاح سے ہے۔ اس کتاب میں کل پچیس مضامین شامل ہیں۔

ایس ایم آرزو صاحب کے مضامین پڑھنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ ان مضامین میں مزاح نگاری کے مذکورہ بالا حربوں کا استعمال نہ کے برابر ہے۔ ان مضامین میں عام صورت حال یہ ہے کہ مزاحیہ صورت واقعہ سے کام لینے کی کوشش ضرور کی گئی ہے لیکن بے سمتی اور عجلت کا شکار ہونے کی وجہ سے یہ نقش ابھرنے نہیں پاتا۔ مزاحیہ صورت واقعہ کی کیفیت یہ ہے کہ وہ زبردستی خلق کیے گئے معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس کتاب کا پہلا مضمون بعنوان 'کہتے ہیں جسے عشق' ہے۔ اس میں پہلے تو عشق کے ع ش ق کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد راوی کے ایک عاشق مزاج دوست کے ساتھ پیش آئے واقعے کا ذکر ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دوست (جمال) کا جب بھی فون آتا ہے اسے ایک نئے عشق کا مژدہ سننے کو ملتا ہے لیکن اس بار ایسا نہیں ہوا۔ اس بار یہ ہوا کہ راوی کے دوست کو عشق فرماتے ہوئے معشوقہ کے شوہر نے رنگے ہاتھوں پکڑ لیا اور عاشق موصوف اسپتال میں کراہ رہے ہیں۔ نہ تو واقعے میں کوئی ندرت ہے اور نہ ہی بیان پر مہارت۔ دراصل اس مضمون کا مرکزی خیال یہ عام تصور ہے کہ عشق انسان کو برباد کر دیتا ہے۔

ایس ایم آرزو صاحب واقعے اور کردار سے زیادہ مکالموں سے مزاح پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن ان مکالموں کی حیثیت سستی قسم کی پیروڈی سے زیادہ نہیں ہوتی۔ مثلاً

''رشتے میں تو یہ ہمارے باپ لگتے ہیں اور نام ہے میرا شہنشاہ'' (کہتے ہیں جسے عشق)

مقبول واقعات اور لطائف سے کام لیتے ہیں۔ اس صورت میں مزاح بس اسی شخص کے لیے رہ جاتا ہے جس نے ان کہانیوں یا لطائف کو کبھی نہ سنا ہو۔ بصورت دیگر یہ احساس شدت سے کھٹکتا ہے کہ مزاح نگار نے مشہور لطائف کو محض ٹانکنے کا کام کیا ہے۔ مثلاً

''ہمارے ایک ساتھی کو ہمیشہ یہ دکھ ستاتا رہتا ہے کہ وہ کٹرینہ کا کتا کیوں نہیں ہوا؟ کم از کم اسی بہانے اس کی گود میں تو رہتا؟ اس کا پیار تو پاتا؟ اس کے ساتھ کھیل سکتا؟'' (کتا)

''ایک صاحب اپنے کتے کے لیے بسکٹ خریدنے گئے، دکان میں کافی بھیڑ تھی اور یہ بار بار آواز لگا رہے تھے۔ بھائی صاحب! آپ کے پاس کتے کے کھانے کی بسکٹ ہے؟ دکان دار نے جھنجھلا کر کہا ''ہاں ہے کیا اسے یہیں کھائیں گے یا گھر لے جائیں گے؟'' (کتا)

''کچھ گھروں کے مین گیٹ پر لکھا رہتا ہے ''کتوں سے ہوشیار'' جسے پڑھ کر مجھے یہ سوچنا پڑتا ہے کہ ہم کس سے ہوشیار رہیں ''کتے سے یا مالک مکان سے'' (کتا)

ایس ایم آرزو نے اپنے بیشتر مضامین میں معاشرتی، سیاسی اور عصری صورت حال پر طنز کی کوشش کی ہے۔ میں کوشش کا لفظ شعوری طور پر استعمال کر رہا ہوں کیوں اکثر ایسے مواقع پر ایس ایم آرزو تقریر کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کا طنز طنز نہ رہ کر نصیحت اور وعظ بن جاتا ہے۔ مثلاً

''ہمارے ملک کے لیڈروں میں ایک ایسا شخص بھی ہے جس کی ناک کو کوڑا کرکٹ کی بدبو قطعی برداشت نہیں اور ملک کو صاف کرنے کے لیے انھوں نے سارے بھارت میں صفائی ابھیان شروع کیا ہے لیکن جہاں ان کی ناک اتنی تیز ہے کہ کسی بھی بدبو کا احساس کر سکتی ہے وہیں وہ خون کی بو کو سونگھنے سے قاصر ہیں تبھی تو ان کی گلیوں میں بے بس، بے سہارا لوگوں کا خون بہتا ہے لیکن ان کی ناک تک اس کی بو پہنچی نہیں۔'' (ناک)

''ہماری پولس بھلے ہی ہماری ماں، بہن اور بیٹیوں کو ہوس پرستوں کے چنگل سے بچانے میں ناکام رہتی ہو لیکن اس طرح کے کیس میں فوراً سے پیشتر حرکت میں آجاتی ہے اور پلک جھپکتے ہی گھر پر ٹوٹ پڑتی ہے۔ کاش یہی مستعدی وہ دیگر معاملات میں بھی دکھاتی تو پھر یہ لاقانونیت کا ننگا ناچ ہمیں دیکھنے کو نہیں ملتا۔'' (ناک)

مجھے ان مضامین کو پڑھ کر ایسا لگتا ہے کہ ایس ایم آرزو کے یہاں ایک بات لائق داد ہے کہ انھوں نے طنز و مزاح کے سرمایے پر نظر ہونے کے باوجود خود کو دوسروں کے اسلوب سے الگ رکھنے کی شعوری کوشش کی ہے۔ اوپر جو اقتباسات درج کیے گئے ہیں ان سے ایک بات تو عیاں ہے کہ ایس ایم آرزو مضمون کی سطح پر تازگی اور ندرت پیدا کرنے کی کوشش ضرور کرتے ہیں۔ اگرچہ ان مضامین کو برتنے کا سلیقہ ابھی خام ہے لیکن اس کے باوجود طنز و مزاح کے میدان میں میں ان کی کوشش کو تلاش مضامین تازہ کا نام دے سکتا ہوں۔ مجھے ایس ایم آرزو صاحب کی تحریر میں خاصا امکان نظر آتا ہے اور چھوٹا منھ بڑی بات... ممکن ہے مشق سخن سے یہ امکان مزید واضح ہو جائے اور ترو تازگی کے ساتھ سامنے آئے۔ میں قلم کی رفاقت اختیار کرنے کے لیے ایس ایم آرزو صاحب کو مبارکباد پیش کرتا ہوں اور یہ امید کرتا ہوں کہ ایک وقت آئے گا جب ایس ایم آرزو صاحب کے قدموں کی دھمک طنز و مزاح کے میدان میں واضح طور پر سنی جائے گی، بشرطیکہ چٹکلوں اور لطائف کی پیوندکاری کے بجائے طباعی اور زندہ دلی سے کام لیا جائے۔

مضامین

صد برگ

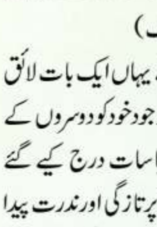

مصنف: سید مصباح الدین احمد

صفحات: 208، قیمت: 150 روپے

ناشر: اردو کونسل (ہند) ضلع شاخ ویشالی (بہار)

مبصر: عبدالباری قاسمی

C-145/1 گراؤنڈ فلور طیب لین، شاہین باغ، نئی دہلی 25

زیر تبصرہ کتاب صد برگ (مجموعۂ مضامین) پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب کا تعلق علم ریاضی اور مسلم ریاضی دانوں سے ہے۔ اس باب میں چھ مضامین شامل ہیں، جس میں انھوں نے الخوارزمی، یعقوب الکندی، ثابت بن قرہ، محمد بن جابر البتانی، ابن الہیثم اور عمر خیام جیسی جلیل القدر شخصیات پر علم ریاضی کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ اس علم کے اصل موجد مسلم ریاضی داں تھے، مگر بعد کی نسلوں نے اپنی اس وراثت پر توجہ نہیں دی۔

سید مصباح الدین نے الخوارزمی والے مضمون میں دعویٰ کیا ہے کہ الجبرا کے موجد خوارزمی ہی ہیں اور اس علم میں الگوریتھم کی جو اصطلاح ہے، وہ خوارزمی ہی کی طرف منسوب ہے۔ یعقوب الکندی والے مضمون میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ علم نجوم اور علم الاعداد پر سب سے پہلے یعقوب الکندی نے ہی تحقیق کی، اس کے علاوہ ریاضی اور روشنی پر بھی زبردست تجربہ کیا، جومیٹری پر بھی کندی کا عمدہ کام ہے، جس کا اعتراف انگریزی تاریخ داں فلپ کے ہتی نے بھی کیا ہے، سب سے پہلے کندی کو ہی فلسفی کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ ثابت بن قرہ علم ہیئت اور علم ریاضی میں مہارت کے ساتھ ساتھ طب کا بھی عمدہ تجربہ رکھتے تھے، محمد بن جابر البتانی علم مثلث کے موجد شمار کیے جاتے ہیں، ابن الہیثم نے سب سے پہلے بصارت کے عمل کی وضاحت کی، اس کے علاوہ علم بصریات میں بہت کچھ انکشافات کیے۔ ہم عمر خیام کو رباعیات اور شاعری کی وجہ سے جانتے ہیں، مگر انھوں نے علم ریاضی کے حوالے سے بھی گراں قدر کارنامہ انجام دیا ہے، مصنف نے اس پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور عمر خیام کو لیپ سال کا موجد بھی بتایا ہے۔

دوسرے باب کا عنوان تذکرہ صوفیا و مشائخ ہے۔ اس باب میں چار مضامین ہیں، حضرت مخدوم سید حسن دانشمند، حضرت سید احمد پیر دمڑیا، حضرت مخدوم شاہ ابوالخیر، حضرت شیخ ابوالفتح ہدیت اللہ سرمست رحمۃ اللہ علیہ پر، ان بزرگان دین کا تعلق حاجی پور اور سونپور وغیرہ سے ہے۔ انھوں نے بہار کے ان اہم علاقوں میں علم و معرفت کے چراغ روشن کیے۔ مصنف کتاب نے ان قدسی صفات بزرگوں کا تذکرہ کر کے نہ صرف یہ کہ ان سے نئی نسل کو متعارف کرایا ہے؛ بلکہ نوجوانوں کو یہ پیغام بھی دینے کی کوشش کی ہے کہ بزرگوں کی زندگیوں میں بہت سے ایسے نقوش ہوتے ہیں، جن کو اپنا کر کامیابی و کامرانی کے منازل طے کیے جا سکتے ہیں۔ تیسرے باب کا عنوان سون پور و حاجی پور تاریخ کے آئینہ میں ہے، اس حصے میں مصنف نے تین مضامین شامل کیے ہیں (1) حاجی پور کا تاریخی و تہذیبی پس منظر (2) سون پور کا ایک گمنام شہید وطن مولوی تجمل حسین اور (3) سونپور میلہ عہد بعہد۔ اس باب میں اس علاقے کی تاریخی و تہذیبی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ اس خطے کے ایک گمنام شہید وطن اور مجاہد آزادی مولوی تجمل حسین کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔ چوتھے باب میں علمی و ادبی مضامین شامل ہیں۔ اس میں کل سات مضامین ہیں: جگن ناتھ آزاد کی خاکہ نگاری، پروفیسر قیام الدین احمد کے تحقیقی کارنامے، ڈاکٹر ثوبان فاروقی کی غزل گوئی، ذکی احمد اور ان کی تصنیف اپنا مرثیہ، ڈاکٹر ممتاز احمد خان شخصیت اور جہتیں، فن مراسلہ نگاری اور انوارالحسن وسطوی، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی ایک مؤرخ ایک محقق۔ ان علمی اور ادبی مضامین کا تعلق ایک تو اصناف ادب سے ہے اور دوسرے ان مضامین میں انھوں نے ایک ماہر نقاد اور عمدہ محقق کی طرح ان شخصیات کی علمی اور ادبی جہات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ پانچویں باب کا عنوان یادرفتگاں ہے۔ اس باب میں پانچ مضامین شامل ہیں: پہلا مضمون میرے والد ماجد احوال و آثار کے عنوان سے انھوں نے اپنے والد ماجد پر لکھا ہے۔ اس کے علاوہ یوسف انجینئر، عبدالمغنی صدیقی، جسٹس شاہ حسین اور سید عبدالرافع پر تاثراتی نوعیت کے مضامین میں ان شخصیات کا تعارف بھی پیش کیا گیا ہے اور ان کی علمی، ادبی اور سماجی خدمات کا

بھی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس طرح اس کتاب میں کل 25 مضامین ہیں، مجموعی اعتبار سے کتاب کا بیشتر حصہ تاریخ اور تذکرے پر مشتمل ہے، سوائے چوتھے باب کے۔ اس باب میں ادبی مضامین شامل ہیں، اس کتاب میں مسلم ریاضی داں حضرات کا جو تعارف کرایا گیا ہے، وہ اہل اردو کے لیے بہت ہی عمدہ ہے، اس لیے کہ اردو میں اس طرح کے مضامین بہت کم لکھے گئے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے، عام طور پر اردو والوں کا تعلق علم ریاضی وغیرہ سے نہیں ہوتا، سید مصباح الدین چونکہ اس میدان سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے انھوں نے اس طرح کے مضامین دلچسپی سے لکھے۔ دوسری بات یہ کہ تاریخ میں بھی انھیں دسترس حاصل ہے اور شوق بھی، اس لئے مسلم ریاضی دانوں کا تعارف، سونپور اور حاجی پور وغیرہ کا تہذیبی و تاریخی پس منظر، اس علاقے سے تعلق رکھنے والے بزرگان دین، اولیائے کرام، مجاہد آزادی اور ادبا و شعرا کو شامل کر کے اس کتاب کو بہت ہی قیمتی بنا دیا ہے۔ بلا جھجک کہہ سکتے ہیں کہ یہ کتاب معلومات اور ادب کا سنگم ہے، اس لئے کہ سید مصباح الدین صاحب کا اسلوب بھی بہت سادہ، سلیس اور رواں ہے، خشک موضوعات میں بھی انھوں نے اپنے ادبی ذوق کی وجہ سے جدت پیدا کر دی ہے۔ قاری پڑھے، تو پڑھتا چلا جائے، البتہ ایک کمی کا احساس ہوتا ہے کہ انھوں نے بیشتر تاریخی معلومات درج کی ہیں اور اس طرح کے مضامین کو اس وقت زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے، جب وہ حوالوں سے مزین ہوں۔ حوالہ جات درج نہ ہونے سے ایک قسم کی تشنگی رہ جاتی ہے۔ بہر حال مجموعی طور پر کتاب پڑھنے لائق ہے اور امید ہے کہ تاریخ، تحقیق اور ادب سے تعلق رکھنے والے لوگ اس سے استفادہ کریں گے۔

رسائل و جرائد

نیا دور کا مجتبیٰ حسین نمبر : ایک تجزیہ

ایڈیٹر: سہیل وحید

جلد: 73، شمارہ: 5، ستمبر 2018

صفحات: 80، قیمت: 15 روپے

ناشر: محکمہ اطلاعات و رابطۂ عامہ، اتر پردیش

مبصر: ڈاکٹر محسن جلگانوی، 306، ڈی وی اپارٹمنٹس، سالار گنج کالونی ٹولی چوکی، حیدرآباد 500008 (تلنگانہ)

نیا دور کا مجتبیٰ حسین نمبر پیش نظر ہے۔ اس میں ماہنامہ کے مدیر سہیل وحید نے مجتبیٰ حسین کی شخصیت کے بارے میں جاتے جاتے ایک خدا لگتی بات لکھ دی جو کئی لوگوں کے دل کی آواز ہے کہ جب مجتبیٰ حسین سے ملاقات ہوئی تو تمام بڑے لوگوں میں سے کئی ان کے آگے اتنے بڑے نہیں رہ گئے جتنے وہ پہلے ہوا کرتے تھے۔ مجتبیٰ حسین کے اندر ایک زبردست قسم کا جو عجز و انکسار موجود ہے وہ دوسری شخصیات کے یہاں شاذ و نادر ہی پایا جاتا ہے۔ ان کے اندر جو خلوص ہے وہ اس درجہ بلند مرتبہ لوگوں میں شاید ہی کہیں موجود ہو سچ ہے کہ مجتبیٰ حسین کی شخصیت میں جو جاذبیت ہے اس نے ساری اردو دنیا کو ان کا گرویدہ بنا رکھا ہے۔ حیدرآباد ہو ملک و بیرون ملک کا کوئی علاقہ ہو بڑے لوگوں کے ساتھ چھوٹے لوگوں سے بھی بے تکلفی سے ملنا اور اپنے رتبہ کی اہمیت کو بھلا کر اپنائیت سے پیش آنا انھیں عوام اور عام قاری سے قریب کرتا ہے۔

سہیل وحید نے جو حیدرآباد مجتبیٰ حسین سے انٹرویو کے لیے آئے تھے اپنے مضمون 'مجتبیٰ حسین عجز و انکسار کا پیکر' میں تحریر کیا ہے کہ انھوں نے حیدرآباد کا وہ جدید حصہ دیکھا جو ہندوستان کے ترقی یافتہ خواب کی تعبیر کے مماثل ہے۔ اگر یہاں سے ہندوستانی شہریوں کو تھوڑی دیر کے لیے ہٹا دیا جائے اور اس خطہ پر ڈھیر سارے فرنگی اتار کر اس جگہ کا فوٹو لیا جائے تو کوئی پہچان نہیں سکتا کہ یہ ہندوستان ہے یا یوروپ۔ کاش انھوں نے حیدرآباد کے اس قدیم خطہ کو دیکھا ہوتا جہاں کچرے کے ڈھیر' ملبے اور گندگی سے بھری زندگی اپنی سسکتی سانسیں لے رہی ہے۔ جہاں شاہوں کے محل اور نوابوں کی دیوڑھیاں اپنی خزاں رسانی پر ماتم کناں ہیں اور غربت کاسۂ گدائی لیے گلی کوچوں میں براجمان ہے۔

مجتبیٰ حسین کی تحریریں اردو کے علاوہ ہندوی' پنجابی' گجراتی 'تیلگو' انگریزی اور جاپانی زبان میں بھی شائع ہوتی رہی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف زبانوں میں جانے پہچانے ادیب ہیں۔ اڑیا زبان میں ان کی تحریروں کے دو مجموعے طبع ہوئے۔ حیدرآباد نے مجتبیٰ حسین کو ادبی شناخت دی تھی لیکن دہلی کے ہندی ادیبوں نے انھیں شہرت ومقبولیت بخشی۔ انھوں نے اعتراف کیا ہے کہ دہلی کے لکشمی چند گپتا جی نے ان کی تحریروں کا اردو سے ترجمہ کر کے 'دھرم یگ' میں شائع کیا اور دوسری زبانوں کے تخلیق کاروں سے روشناس کرا دیا۔ یہ دہلی کا ہی کمال تھا کہ انھیں جاپان جانے کا موقع فراہم ہوا۔ 'جاپان چلو جاپان چلو' کے شائع ہونے کے بعد تو پھر زندگی نے انھیں پلٹ کر پیچھے دیکھنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ مجتبیٰ حسین کا یہ اعتراف ان کی وسیع النظری اور اعلیٰ ظرفی کی دلیل ہے ورنہ احسان فراموشوں کی اس دنیا میں کون کسی کو خاطر میں لاتا ہے۔

گوپی چند نارنگ نے ان کی مزاح نگاری پر اظہار خیال کیا ہے کہ جتنی بھی گر ہیں مجتبیٰ حسین ان سب سے خوب واقف ہیں اور ان حربوں کو نہایت سہولت سے فطری طور پر برتتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو وہ پیدائشی مزاح نگار ہیں۔ مجتبیٰ حسین اکثر صورت حال سے بھی مزاح پیدا کرتے ہیں اور خصوصاً سماجی طنز کی آمیزش سے بھی لطف بیان کا سماں باندھتے ہیں۔ اس تناظر میں نیا دور کے اس نمبر میں 'تکلف برطرف' سے منتخب مضمون 'غزل سپلائنگ اینڈ مینوفیکچرنگ کمپنی پرائیوٹ ان لمیٹیڈ' میں عصر حاضر کی شعری صوت حال کا طنز آمیز خاکہ قابل مطالعہ ہے۔

مجتبیٰ حسین کا ایک خاکہ 'دیمکوں کی ملکہ سے ملاقات' ان کے مجموعے 'آخر کار' سے لیا گیا ہے اور اس نمبر کی زینت ہے۔ جس میں انھوں نے اردو زبان کی زوال پذیر صورت حال اور لائبریریوں میں قارئین کی عدم دلچسپی کا بہت ہی کربناک خاکہ کھینچا ہے۔ اس خاکہ میں ان کی مشاقی اور فنی مہارت قرطاس ابیض پر اتر آئی ہے۔

میں اپنے شہر کے ان احباب کی اس رائے سے قطعی متفق نہیں ہوں جو یہ کہتے ہیں کہ مجتبیٰ حسین کی شخصیت کی اتنی قدر نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ مجتبیٰ حسین وہ ابن بطوطہ ہیں جنھیں ان کی مزاح نگاری کے باعث برطانیہ، جاپان، فرانس، امریکہ، کناڈا، روس، ازبکستان، سعودی عربیہ، عمان، متحدہ عرب امارت، سوویت یونین کی صحرانوردی حاصل ہوئی۔ دنیا کی جتنی سیر مجتبیٰ حسین نے کی حیدرآباد کی کوئی دوسری ادبی شخصیت اس شمار میں نہیں آتی۔ مستزاد یہ کہ ان کے طنز و مزاح نے انھیں علم و ادب کی ان عظیم شخصیتوں کی ہم نشینی اور مصاحبت بخشی جن سے ملنے کو پوری عمر بھی کافی نہیں ہوتی۔ نیا دور کے اس خاص نمبر میں جہاں شمیم حنفی جیسے جید نقاد کی مدبّرانہ تحریر ہے۔ وہیں ہمارے شہر کے نئی نسل کے نثر نگار صابر علی سیوانی اور محسن خان کی محبت وعقیدت بھری تحریریں بھی ہیں۔ پروفیسر بیگ احساس نے اپنے اس نمبر کے مضمون میں ایک جی کو لگتی بات ہے کہ لوگ کہتے ہیں انھیں پشت پناہی حاصل رہی لیکن اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ موقع ملنے کے بعد خود کو ثابت کرنا کمال ہے۔

■

قومی اردو کونسل کی سرگرمیاں

خبر نامہ

قومی اردو کونسل کو اردو بریل کے لیے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا: پروفیسر اختر الواسع

اردو میں بریل کی ضرورت برسوں سے تھی: ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

قومی اردو کونسل میں اردو بریل کی تیاری کے لیے ورکشاپ

نئی دھلی: اردو میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے جس کے لیے قومی اردو کونسل کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ اردو میں ابھی تک بریل کے حوالے سے کوئی کام نہیں ہوا ہے۔ نابینا افراد کے لیے قومی اردو کونسل کا یہ قدم لائق

تحسین ہے۔ یہ باتیں مولانا آزاد یونیورسٹی جودھپور کے صدر اور معروف دانشور پروفیسر اختر الواسع نے قومی اردو کونسل کے صدر دفتر میں اردو بریل کی تیاری کے سلسلے میں منعقدہ ورکشاپ میں کہیں۔ اس سے قبل قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد نے سبھی مہمانان کا استقبال کیا اور اس ورکشاپ کی اہمیت اور اس کے مقصد پر روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ اردو میں بریل کی ضرورت برسوں سے تھی اور اس سلسلے میں کسی پیش رفت کا نہ ہونا بے حد افسوسناک ہے۔ قومی اردو کونسل اب اس کام کو انجام تک پہنچائے گی۔ قومی اردو کونسل کی اسسٹنٹ ڈائرکٹر محترمہ شمع کوثر یزدانی نے سبھی شرکا کا تعارف کرایا، ساتھ ہی ورکشاپ کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی۔ پروفیسر تصدق حسین نے بریل مواد کی تیاری کے لیے سب سے پہلے ٹارگیٹ گروپ پر توجہ دینے پر اصرار کیا۔ انھوں نے اردو میں بریل کے بنیادی مواد کی تیاری کی بھی وکالت کی۔ جناب محمد نیاز نے بتایا کہ اردو میں چودہ حروف ایسے ہیں جو انگریزی، ہندی اور عربی تینوں میں ایک ہی جیسے ہیں۔ ان کامن حروف کو ہم نے مجوزہ اردو بریل میں شامل کیا ہے۔ ایسے حروف جو ہندی آواز پر مشتمل ہیں وہ پانچ ہیں۔ آگرہ سے تشریف لائے اکھل کمار شری واستو نے اپنی سماجی تنظیم انتر درشٹی کے ذریعے تیار کردہ کتاب 'درشٹی ہینتا سے بچاؤ' کو اردو میں تیار کرنے پر بھی زور دیا اور کہا کہ ہمیں سب سے پہلے بچوں کو بینائی کی اہمیت اور چھوٹی چھوٹی ورزشوں سے ان میں آنکھ کے تئیں بیداری پیدا کرنی ہوگی۔ پروفیسر اختر الواسع نے محترمہ ممتاز بانو سے آسان اور عام فہم اردو میں ایک کتاب تیار کرنے کی بھی درخواست کی تاکہ اردو پڑھنے والے بچے آسانی سے پڑھ سکیں۔

اس ورکشاپ کے بعد اردو بریل کو بی سی آئی (Braille Council of India) کی منظوری کے لیے بھیجا جائے گا۔ اس ورکشاپ میں اردو میں بریل مواد کی تیاری اور اس سلسلے میں درپیش مسائل پر بھی گفتگو کی گئی۔ ورکشاپ میں پروفیسر تصدق حسین، جناب نیاز احمد، محترمہ فردوس رحمان، محترمہ ممتاز بانو، جناب اکھل کمار شری واستو، جناب پرشانت ٹنڈن، جناب ایس ایم اشفاق اور ڈاکٹر محمد افضل کے ساتھ ساتھ قومی اردو کونسل کے اسسٹنٹ ایجوکیشن آفیسر ڈاکٹر محمد فیروز عالم اور ریسرچ اسسٹنٹ جناب محمد شہاب الدین قاسمی بھی شامل ہوئے۔

پریس ریلیز، رابطۂ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 25 مارچ 2019

قومی اردو کونسل میں عالمی یوم یوگا کے تناظر میں دوڑ کا انعقاد

نئی دہلی: یوگا سے ہم اپنے جسم کو چست درست رکھ سکتے ہیں اور اپنے سارے کام بہتر ڈھنگ سے انجام دے کو منائے جانے والے عالمی یوم یوگا کے تناظر میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے صدر دفتر کے باہر منعقدہ ایک تئیں بیداری سے متعلق پروگراموں کا انعقاد کرتے رہیں۔ اس دوڑ میں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر شیخ عقیل احمد

سکتے ہیں۔ یوگا ہماری روایت اور تہذیب کا ایک اہم حصہ ہے۔ ہمیں یوگا کو اپنی روزمرہ کی زندگی کا جزو بنالینا چاہیے۔ یہ باتیں قومی اردو کونسل کے ڈائرکٹر ڈاکٹر عقیل احمد نے 21 جون دوڑ سے قبل کہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ اس طرح کی دوڑ سے ہمیں ایک نئی توانائی حاصل ہوتی ہے۔ ہم سب لوگ اپنی اپنی سطح پر یوگا کو فروغ دیں اور اس طرح کی دوڑ اور یوگا کے کے ساتھ ساتھ اسسٹنٹ ڈائرکٹر، ریسرچ آفیسرز، ریسرچ اسسٹنٹ اور کونسل کے دیگر اسٹاف نے بھی شرکت کی۔

پریس ریلیز، رابطہ عامہ سیل، قومی اردو کونسل، 13 مارچ 2019

قومی اردو کونسل کے مالی تعاون سے

اردو ادب کی تاریخ نویسی کی تشکیل جدید

نئی دہلی: 24 مارچ 2019 انجمن ترقی اردو (ہند) کے مرکزی دفتر اردو گھر میں اردو زبان و ادب کے تاریخ نویسی کی تشکیلِ جدید پر پہلی مرتبہ ایک روزہ سمینار قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے سمینار منعقد ہوا جس کا افتتاح کرتے ہوئے انجمن کے صدر پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے جب اردو زبان و ادب کی ایک نئی تاریخ مرتب کی جائے اور اس کام کو اجتماعی طور پر کرنے کی ضرورت ہے جس کے لیے پیش قدمی کرتے ہوئے انجمن اسی طرز پر ایک کمیٹی بنائے گی جس طرز پر اردو املا کی معیار بندی کے لیے تقریباً 75 برس پہلے پروفیسر عبدالستار صدیقی کی صدارت میں انجمن نے پہلی مرتبہ پیش قدمی کی تھی۔ اس موقعے پر کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر نریش نے کہا کہ اکثر لوگ تاریخ ادب اس مجبوری میں پڑھتے ہیں کہ یہ ان کے نصاب میں شامل ہے۔ ادب کے مورخین نے اس میں قاری کی دل چسپی پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ جب کہ تاریخ ادب کا مطالعہ کسی بھی قوم کے ذہنی اور نامکمل رہے گی جب تک علاقائی زبانوں کے رسومِ خط میں محفوظ اردو ادب کو تلاش نہیں کیا جائے گا۔ ابھی تک اردو ادب کی جامع سائنٹفک، مکمل، مستند تاریخ مرتب نہیں

شعوری ارتقا کے لیے بہت ضروری ہوتا ہے۔ شعرا اور ادبا اپنی قوم کے تہذیب وتمدن کے امین ہوتے ہیں۔ اس لیے، لوگوں کا ان کی فکر رسا سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اردو زبان اور اس کے ادب کی تاریخ تب تک کی گئی ہے۔ بہتر یہ ہوگا کہ انجمن ترقی اردو (ہند) کے ساتھ قومی اردو کونسل اور مولانا آزاد یونی ورسٹی جیسے ادارے ایک پروجیکٹ کے تحت اس کام کی ابتدا کریں۔ مہمانِ خصوصی شیخ عقیل احمد ڈائرکٹر قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان نے کہا کہ اردو زبان اور اس کے ادب کی تاریخ نویسی کے موضوع پر اپنی نوعیت کا یہ پہلا سیمینار ہے، جس میں شرکت کرتے ہوئے وہ بے حد خوشی محسوس کر رہے ہیں۔ انجمن مبارک باد کی مستحق ہے کہ اس نے ایک ایسے موضوع پر سیمینار کا انعقاد کیا ہے، جس پر ابھی کسی یونی ورسٹی نے توجہ نہیں دی ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ کونسل میں اپنے رفقا کے ساتھ اس سوال پر غور کریں گے کہ تاریخ نویسی کے اس اہم پروجیکٹ میں قومی اردو کونسل کی شرکت کس طرح ممکن ہو۔ پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین نے مہمان خصوصی کے طور پر اپنی تقریر میں کہا کہ اردو ادب کی تاریخ نویسی کی تشکیل نو اردو کا اہم ترین موضوع ہے۔ انھوں نے خصوصی طور پر قومی اردو کونسل کے معاون سے ایسے پروجیکٹس کی نشان دہی کی جن پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ افتتاحی اجلاس کے صدارتی خطبے میں پروفیسر سید ظل الرحمٰن صاحب نے کہا کہ اردو زبان اور اس کے ادب کی مجوزہ تاریخ میں اردو زبان کے باب میں شمس الرحمٰن فاروقی کی کتاب اردو کا ابتدائی زمانہ کی تلخیص کو باب اول کے طور پر اس لیے شامل کر دیا جائے کہ اردو زبان سے متعلق یہ تازہ ترین اور مستند ترین تحقیق ہے۔ افتتاحی اجلاس میں جناب ونود کمار ترپاٹھی بشر کے شعری مجموعے 'میری زمین میرا آسمان' جو حال ہی میں انجمن سے شائع ہوا ہے اس کی رسم رونمائی بھی عمل میں آئی۔ افتتاحی اجلاس کی نظامت کے فرائض نہایت کامیابی کے ساتھ ڈاکٹر شفیع ایوب نے انجام دیے۔ پہلے اجلاس کی صدارت ڈاکٹر سید رضا حیدر نے کی۔ جواہر لال نہرو یونی ورسٹی سے فارغ مورخ شان کشیپ نے کہا کہ یہ اہم سوال ہے جس کا جائزہ اردو زبان و ادب کی نئی تاریخ کی تشکیل میں لیا جانا چاہیے کہ کیا آج صرف اردو اس لیے بدحال ہے کہ ماضی میں اسے مسلمانوں سے وابستہ کر دیا جائے۔ انھوں نے کہا کہ ایک مورخ کے لیے تاریخی محرکات کا تجزیہ کرنے کے لیے ان کے سماجیاتی پس منظر کا مطالعہ ضروری ہے۔ شان کشیپ نے اپنے مقالے میں خصوصاً اٹھارہویں صدی میں میر، سودا، اور میر حسن سے ہوتے ہوئے شاہ عبدالقادر کے قرآن کے ترجمے کے حوالے سے اردو اور مسلمانوں کے رشتے کا تاریخ اور سماجیات کے پس منظر میں مطالعہ پیش کرتے ہوئے اس سوال کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کی کہ کیا اردو بھی لاطینی، فارسی اور سنسکرت کی طرح نام نہاد آسمانی زبان ابتدا ہی سے تھی یا پھر اس زبان میں خدا کا سوال اور خدا سے رشتہ یعنی اردو کا مسلمان ہونا بعد کا واقعہ ہے۔ سیمینار کے دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے کی۔

اس اجلاس میں مقالہ پڑھتے ہوئے ڈاکٹر سوہم مشرا جو پیشے سے اربن پلانر Urban palnner ہیں مدنیت کی تاریخ پر اردو کے حوالے سے بات کرتے ہوئے کہا کہ شہروں کے بننے اور بگڑنے میں تہذیبوں کے زوال کا بہت اثر ہوتا ہے اور تہذیب میں زبان کا رول فیصلہ کن ہو کر ثقافت کے تقریباً ہم معنی اس وقت بن جاتا ہے جب یہ لفظ تہذیب کے ساتھ تہذیب و ثقافت کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ شہر جس کے خلقیے میں اردو تھی مثلاً دہلی اور جس کا نام نہ صرف اردو تھا بلکہ دہلی کے لیے یہ نام بہت دیر تک رائج بھی رہا، اس کے تمدن اور پھر اس کے زوال کے تناظر میں اردو تہذیب کا مطالعہ نہایت سود مند ثابت ہوگا۔ اس کے علاوہ سیمینار میں جو مقالات پڑھے گئے ان میں ڈاکٹر فوزیہ رباب، ڈاکٹر محمد کاظم، ڈاکٹر محمد عاطف، ڈاکٹر رفعت جمال اور راجیو رنجن گری کے نام قابل ذکر ہیں۔ صفِ سامعین میں اردو ہی نہیں دوسری زبانوں خصوصاً ہندی کے لکھنے اور پڑھنے والوں کی بڑی تعداد موجود تھی۔

پریس ریلیز: جاوید رحمانی، میڈیا کوآرڈی نیٹر، دہلی 24 مارچ 2019

اردو کا غیر افسانوی ادب 1901 تا حال

نئی دہلی: نثر کا اپنا آہنگ ہوتا ہے۔ اس کی اپنی شعریات ہے۔ افسانوی اور غیر افسانوی نثر میں خط امتیاز کھینچنا کچھ آسان نہیں۔ جب دونوں کا بیانیہ تخلیقی ہو تو یہ مشکل اور بڑھ جاتی ہے۔ ان خیالات کا اظہار معروف نقاد، شاعر اور فکشن نگار پروفیسر انیس اشفاق نے شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور اردو اکادمی، دہلی کے مالی تعاون سے 'اردو کا غیر افسانوی ادب' (1901 تا حال) کے موضوع پر سہ روزہ بین الاقوامی سیمینار کے افتتاحی جلسے کے مفصل کلیدی خطبے میں کیا۔ انھوں نے سوانح عمری، خودنوشت، سفرنامہ، خاکہ، انشائیہ، روزنامچہ، اور مکتوب کے مختلف اقتباسات کا موازنہ افسانوں اور ناولوں کے بیانیے سے کرتے ہوئے کہا کہ "نثر اگر تخلیقی ہو جائے تو وہاں افسانہ اور غیر افسانہ کے درمیان تفریق کا پیمانہ متعین کرنا ایک دشوار گزار عمل ہے۔"

صدارتی خطبے میں ممتاز ادیب و دانشور پروفیسر شمیم حنفی نے کہا کہ طرز اظہار کی جتنی مختلف شکلیں غیر افسانوی نثر میں مل جاتی ہیں وہ ادبی سرمائے کو ثروت مند کرتی ہیں۔ ہماری ادبی تاریخ میں درجنوں ایسے ادبی شہ پارے موجود ہیں جو افسانوی ادب کے بالمقابل اپنی علیحدہ اور مستحکم شناخت رکھتے ہیں اور ان کی موجودگی میں غیر افسانوی ادب کو نظر انداز کرنا کسی سنجیدہ ادبی معاشرے کے لیے صحت مند رویہ نہیں ہے۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر شیخ عقیل احمد (ڈائرکٹر قومی اردو کونسل) نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس وقت ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ زبان و ادب کی تدریس اور ترویج و اشاعت میں سب سے زیادہ فعال کردار ادا کر رہا ہے۔ مہمان اعزازی پروفیسر وہاج الدین علوی (ڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹیز اینڈ لینگویجز) نے پروفیسر انیس اشفاق کے کلیدی خطبے کو عالمانہ اور پرمغز قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس خطبے سے غیر افسانوی نثر کی مختلف اصناف کی خصوصیات ہی نہیں بلکہ غیر افسانوی نثر کی شعریات اور اس کی جمالیات کی نئی جہتیں روشن ہوئی ہیں۔

استقبالیہ کلمات پیش کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو پروفیسر شہزاد انجم نے اس سیمینار کے انعقاد کے لیے این سی پی یو ایل اور اردو اکادمی دہلی کے بھرپور تعاون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے مہمانان کا خیر مقدم کیا۔ نظامت کے فرائض سیمینار کے کنوینر ڈاکٹر ندیم احمد نے انجام دیے۔

سیمینار کے دوسرے دن تین تکنیکی اجلاس کا انعقاد ہوا۔ دوسرے اجلاس میں پروفیسر خالد محمود نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ غیر افسانوی ادب صحیح معنوں میں جس توجہ کا مستحق تھا اس کا یہ حق اس کو نہیں دیا گیا اور بیشتر لوگوں نے غیر افسانوی اصناف کو ثانوی درجے کا ادب قرار دیا۔ جبکہ سنجیدہ تنقیدی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو یہ اعلیٰ درجے کا ادب ہے۔ اجلاس کے دوسرے صدر پروفیسر سید حسن عباس (ڈائرکٹر رضا لائبریری رام پور) نے کہا

کہ اجلاس میں پیش کیے گئے تمام مقالوں سے غیرافسانوی نثر کی علمی، ادبی اور تہذیبی اہمیت و افادیت روشن ہوجاتی ہے۔ تیسرے اجلاس میں صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر محمد عزیزالدین حسین ہمدانی نے کہا کہ خودنوشت میں جب تک اپنی ذات کے حوالے سے بے دردی اور جسارت کے ساتھ نقاب کشائی کا عمل نہ ہو تو اس صنف کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلے میں تزک بابری دنیا کی عمدہ ترین خودنوشت ہے۔ اجلاس کے دوسرے صدر پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ کلیدی خطبے سے لے کر اب تک جتنے مقالے پیش کیے گئے ہیں وہ افسانوی ادب کی تحقیق وتنقید میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ چوتھے اجلاس کے صدارتی خطبے میں پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ ہر زبان میں غیرافسانوی ادب بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس لیے کہ ادب کا بڑا سرمایہ اسی میں ہوتا ہے اور حقائق پر مبنی بھی ہوتا ہے۔ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اجلاس کے دوسرے صدر پروفیسر احمد محفوظ نے کہا کہ غیرافسانوی ادب کے حوالے سے بہت کم لکھا گیا ہے،اس اعتبار سے اس سمینار کی اہمیت دوچند ہوجاتی ہے۔

اسی موقعے پر پروفیسر خواجہ محمد اکرام نے مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ غیرافسانوی ادب کے حوالے سے یہ سہ روزہ سمینار بہت بامعنی ثابت ہوا اور ان مقالات کو کتابی صورت میں شائع کرنا بے حد ضروری ہے تاکہ اردو دنیا ان سے مستفید ہوسکے۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر شہزاد انجم نے ملک و بیرون ملک سے شریک تمام مندوبین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ان کا غیرمعمولی تعاون ہمیں ہمیشہ حاصل رہا ہے اور یہ ان کے اردو سے والہانہ عشق کا ثبوت ہے۔ اختتامی اجلاس میں سمینار کے کنوینر ڈاکٹر ندیم احمد نے سمینار کی روداد پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس سمینار میں افتتاحی اور اختتامی اجلاس کے علاوہ چھ تکنیکی اجلاس منعقد کیے گئے جس میں کل چونتیس مقالے پیش کیے گئے۔ اس سمینار میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ افسانوی ادب کی تمام اصناف سوانح، خودنوشت، سفرنامہ، خاکہ، انشائیہ، مکتوب، طنز ومزاح، روزنامچہ اور رپورتاژ وغیرہ پر مقالے پیش کیے جائیں اور اس میں بیرونی ممالک جاپان، ایران، مصر، یو ایس، ازبکستان کے علاوہ ہندوستان بھر سے اپنے موضوع سے کے ماہرین نے شرکت کی۔

سمینار کے آخری دن تین اجلاس منعقد کیے گئے۔ چوتھے اجلاس کے صدارتی کلمات میں پروفیسر انور پاشا نے کہا کہ ادب حقیقت کا ترجمان نہیں ہوتا بلکہ نئی حقیقت کو جنم دیتا ہے۔ اجلاس کے دوسرے صدر پروفیسر کوثر مظہری نے شکلووسکی کے حوالے سے کہا کہ اعلیٰ ادب جانی پہچانی چیزوں کو اجنبی بنا کر پیش کرتا ہے۔ پانچویں اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر شہاب الدین ثاقب نے کہا کہ سوانح، خودنوشت اور خاکہ بنیادی طور پر اخلاقی اور اصلاحی اصناف ہیں اور ان اصناف کا مطالعہ اسی تناظر میں ہونا چاہیے۔ اس سہ روزہ بین الاقوامی سمینار میں خالد جاوید، خالد مبشر، ابوظہیر ربانی، علی عباس، محمد مقیم، پروفیسر سید حسن عباس، پروفیسر کوثر مظہری، خان احمد فاروق، احمد کفیل، مشیر احمد، کمولا، عراق رضا زیدی، سہیل احمد فاروقی، عبدالعزیز، عمران احمد عندلیب، سرور ساجد، مجاہدالاسلام، ثاقب عمران، رکن الدین، سید تنویر حسین، نوشاد عالم، مصطفیٰ علاء الدین، منیرہ نژاد شیخ، مہدیہ نژاد شیخ، سلطانہ واحدی، محمد علی جوہر، ریاض احمد، احمد امتیاز، ارشاد نیازی، جاوید حسن، آفتاب احمد آفاقی، مظہر احمد، محمد کاظم نے مقالات پیش کیے۔ مختلف اجلاس کی نظامت کے فرائض بالترتیب ڈاکٹر سرورالہدیٰ، ڈاکٹر محمد آدم، ڈاکٹر شاہنواز فیاض، ڈاکٹر عادل حیات، ڈاکٹر محمد مقیم اور ڈاکٹر عمران احمد عندلیب نے انجام دیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 تا 15 مارچ 2019

مشترکہ تہذیبی وراثت: تصوف اور بھکتی کے تناظر میں

نئی دھلی: گوتم بدھ یونیورسٹی گریٹر نوئیڈا کے شعبۂ ہندوستانی زبان وادب کے تحت اردو شعبہ کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی (حکومت ہند) کے مالی تعاون سے بعنوان 'مشترکہ تہذیبی وراثت: تصوف اور بھکتی کے تناظر میں' دو روزہ قومی سمینار کا انعقاد ہوا۔ انٹرنیشنل آڈیٹوریم نمبر 4 کے وسیع ہال میں منعقد قومی سمینار کے چیف پیٹرون وائس چانسلر پروفیسر بھگوتی پرکاش شرما تھے۔ وائس چانسلر نے فرمایا کہ مشترکہ تہذیبی وراثت کی حفاظت اس وقت ہماری اہم ضرورت ہے۔ سیشن وائز صدارت فرمانے والوں اور مہمان خصوصی و مہمان ذی وقار کے طور پر شریک ہوئے پروفیسر و ڈاکٹر حضرات میں پروفیسر ارتضیٰ کریم (دہلی یونیورسٹی)، پروفیسر اخلاق احمد آہن (جواہر لال نہرو یونیورسٹی)، پروفیسر اسلم جمشید پوری (چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی)، اسسٹنٹ پروفیسر رویکانت (لکھنؤ یونیورسٹی)، ڈاکٹر نوشاد عالم (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، ڈاکٹر پریہ سین سنگھ، ڈاکٹر رنجنا دیویدی، ڈاکٹر وسیع احمد اعظم انصاری، ڈاکٹر دیواکر گروا کے نام شامل ہیں۔ اس موقعے پر رجسٹرار بچو سنگھ، ڈین ڈاکٹر نیتی رانا، اور شعبہ کے صدر ڈاکٹر اوم پرکاش بھی شریک تھے۔ متعدد مرحلوں میں نظامت کا فریضہ انجام دینے والوں میں ڈاکٹر آصف خان، ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ، ڈاکٹر رینو یادو، ڈاکٹر وسبھاوری، ڈاکٹر پرینکا سنگھ، حبیب سیفی، تسنیم عابد، نیشورانی، گورو و دیگر شامل ہیں۔ ملک کے مایہ ناز تعلیمی اداروں سے شرکت کرنے والوں کی بڑی تعداد نے گوتم بدھ یونیورسٹی کے اس قومی سمینار میں عمدہ مقالے پیش کیے، بلاتفریق ہر ایک سیشن میں ڈاکٹر و ریسرچ اسکالرز نے اپنے اپنے موضوع پر سانجھا وراثت پر متفکرانہ انداز میں بہترین انسان بننے اور عملی زندگی میں صوفیوں، درویشوں، سنتوں کے طرز زندگی کو اپنے لیے آئیڈیل قرار دیا، جن کی خدمت خلق پر موقوف تعلیمات اور انسانیت پر مبنی تعلیم کے ذریعے ہی ہم اپنی مشترکہ تہذیب کی حفاظت کرنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ اردو شعبے کی طرف سے یہ پہلا قومی نوعیت کا اتنا بڑا پروگرام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے اشتراک سے تھا جسے اس درجہ پذیرائی حاصل ہوئی، اس کا سبب مقالہ نگاروں کی غیرمتوقع شرکت تھی جس میں کم وبیش ملک بھر سے 60 کے قریب مقالہ پڑھنے والے شامل ہوئے، جن میں سابق طالب علموں کے ساتھ حال کے ریسرچ اسکالرز کی بھی خاصی شمولیت درج کی گئی۔

اختتامی اجلاس میں چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ کے پروفیسر اسلم جمشید پوری نے صدارت اور شعبۂ ہندوستانی زبان وادب کے صدر ڈاکٹر اوم پرکاش و شعبۂ اردو کے کوآرڈینیٹر ڈاکٹر عبیدالغفار نے شرکت کی۔ انٹرنیشنل آڈیٹوریم نمبر 2 کے ہال میں منعقد قومی سمینار کے آخری سیشن کی نظامت ڈاکٹر ریحانہ سلطانہ نے کی۔ ڈین اکیڈمک ڈاکٹر نیتی رانا نے کہا کہ گوتم بدھ یونیورسٹی نے ایک ایسے موضوع پر قومی سمینار منعقد کیا۔ اس موقعے پر صدر پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ ہندوستان جیسی مشترکہ تہذیب دنیا میں نہیں ہے۔ ہماری ایک قومیت کا تصور ہمیں عظیم ہندوستان کا شہری بنائے ہوئے ہے۔ پروفیسر اسلم جمشید پوری کی صدارت میں ملک بھر سے مدعو مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر اطہر الٰہی خان، حبیب سیفی، پوجا، نورالصباح، مصور عالم، شیوانی تومر، وغیرہ شامل تھے۔ چیف پیٹرون وائس چانسلر پروفیسر بھگوتی شرما صاحب، رجسٹرار بچو سنگھ، ڈین ڈاکٹر نیتی رانا کا صدر شعبہ ڈاکٹر اوم پرکاش نے شکریہ ادا کیا جن کے تعاون سے اس قدر کامیاب قومی سمینار کا انعقاد ہوسکا۔ مالی تعاون این سی پی یو ایل کی جانب سے ملنے پر حکومت ہند کا بھی شکریہ ادا کیا جس کے

جزوی تعاون سے اتنے اہم موضوع پر منفرد نوعیت کا دو روزہ قومی سیمینار منعقد کرانے میں گوتم بدھ یونیورسٹی نے کامیابی حاصل کی۔

روزنامہ ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 12 اپریل و 'ہمارا سماج' 14 اپریل 2019

'سید امیر حسن عابدی' یادگاری خطبہ

نئی دھلی: انجمن فارسی ذاکر حسین دہلی کالج کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے سلمان غنی آڈیٹوریم میں پروفیسر سید امیر حسن عابدی پر ایک یادگار خطبے کا انعقاد کیا گیا جس کی صدارت پروفیسر بلقیس فاطمہ حسینی (سابق صدر شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی) نے کی اور مہمان اعزازی کے طور پر پروفیسر علیم اشرف خان صدر شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی، پروفیسر اخلاق احمد آہن جواہر لال نہرو یونیورسٹی جناب شکر اللہی مدیر ایران کلچر ہاؤس نے شرکت کی۔ اس یادگاری خطبے میں پدم شری پروفیسر ریحانہ خاتون نے فارسی شاعری پر ایک نظر وقیع خطبہ پیش کیا جس میں انھوں نے فارسی شاعری کے تمام نکات پر مفصل روشنی ڈالی۔ ان کے بعد تمام مہمانان کرام نے پروفیسر امیر حسن عابدی کے حوالے سے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا، مہمان ذی وقار پروفیسر علیم اشرف نے بھی اپنے خیالات پیش کیے۔ آخر میں ڈاکٹر محمود فیاض نے شعبۂ فارسی ذاکر حسین کالج کے تمام طلبہ وطالبات کو اعزازی اسناد سے بھی نوازا۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر محمود فیاض نے اور شکریہ کی رسم ڈاکٹر نازنین نے ادا کی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 15 مارچ 2019

محبوب الرحمٰن فاروقی کی ادبی وصحافتی خدمات

نئی دھلی: صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے 'محبوب الرحمٰن فاروقی

کی ادبی وصحافتی خدمات' کے موضوع پر غالب اکادمی آڈیٹوریم، بستی حضرت نظام الدین، دہلی میں ایک روزہ قومی سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ سیمینار میں کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے معروف نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے کہا کہ محبوب الرحمٰن فاروقی میرے چھوٹے بھائی تھے۔ میرا ان کے بارے میں کچھ بھی کہنا اپنی تعریف کرنے کے مترادف ہوگا۔ موصوف کے ذاتی اوصاف اور نئی نسل کی آبیاری کی جو خوبی تھی اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ نئے فنکاروں کی حوصلہ افزائی اور ان کی حتی الامکان تربیت اور رہنمائی ان کا وصف تھا۔ سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے ڈاکٹر خالد علوی، سابق ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، ذاکر حسین دہلی کالج نے کہا کہ محبوب الرحمٰن فاروقی نے ماہنامہ 'آجکل' میں اداریہ کی نہ صرف یہ کہ ابتدا کی بلکہ اپنے بے باکانہ اداریوں کی وجہ سے اس کی مقبولیت میں بے پناہ اضافہ کیا۔ فاروقی ایک فرشتہ صفت انسان تھے اور انسانیت کے لیے ہمدردی کا جذبہ رکھتے تھے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ان کو ان کی خدمات کی مناسبت سے صلہ نہیں ملا جس کہ وہ حقدار تھے۔ اس سیمینار میں 13 مقالے پیش کیے گئے جن میں عابد کرنی ہانی، ڈاکٹر ابرار رحمانی، حسن ضیا، خورشید اکرم، ڈاکٹر ابوبکر عباد، ڈاکٹر محمد کاظم، معصوم مرادآبادی، ڈاکٹر شمیم احمد، ڈاکٹر صغیر اختر، حقانی القاسمی، شاہد الاسلام، ڈاکٹر سرور الہدیٰ، اور محترمہ نرگس سلانہ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ صدارتی تقریر کرتے ہوئے پروفیسر ابن کنول نے کہا کہ حقیقت میں محبوب الرحمٰن فاروقی کے ساتھ وہ انصاف نہیں ہوسکا جس کے وہ حقدار تھے۔ انھوں نے آگے کہا کہ صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ کی یہ انفرادیت رہی ہے کہ یہ نئے لکھنے والوں کو موقع فراہم کرتے ہیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نئی نسل میں اردو کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ صائم ایجوکیشنل ٹرسٹ کے نائب صدر، سمیع الدین حقی، جنرل سکریٹری، امتیاز منصوری اور خازن، محمد عامر نے گلدستہ پیش کرکے مہمانان کا خیر مقدم کیا۔ مہمانوں کا شکریہ منیر انجم، سپرنٹنڈینٹ، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے ادا کیا۔ نظامت کے فرائض محمد انس فیضی نے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 1 مارچ 2019

مشرقی پنجاب میں اردو

مالیرکوٹلہ: المائی انٹرنیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) مالیرکوٹلہ کی جانب سے دو روزہ قومی سیمینار بعنوان 'مشرقی پنجاب میں اردو' قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے مالی تعاون سے آبان پبلک اسکول، آبان روڈ، بیرون ماتا پھاٹک، مالیرکوٹلہ میں منعقد کیا گیا۔ چار سیشن پر مشتمل اس دو روزہ قومی سیمینار کے افتتاحی اجلاس کی صدارت معروف شاعر ونقاد جناب ڈاکٹر محمد رفیع، جناب ظہور احمد ظہور چیئرمین اردو رابطہ کمیٹی پنجاب اور جناب انسپکٹر محمد حبیب نے فرمائی۔ مہمان خصوصی دلی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے استاد جناب ڈاکٹر مشتاق عالم قادری اور جناب ڈاکٹر مجاہد الاسلام شعبۂ اردو، مولانا آزاد نیشنل یونیورسٹی لکھنؤ کیمپس لکھنؤ تھے۔ اس موقعے پر ڈاکٹر مجاہد الاسلام نے کہا کہ ہمیں اپنے بچوں کو اردو زبان پڑھانی چاہیے۔ اردو کے ذریعے آپ آسانی سے روزگار حاصل کرسکتے ہیں۔ ان کے بعد مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر مشتاق عالم قادری نے اس دو روزہ قومی سیمینار کے عنوان سے متعلق گفتگو کی۔ انھوں نے پنجاب کے تاریخی وادبی پس منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے پنجاب کی اردو کے تئیں خدمات کو خوب سراہا۔ اس کے بعد المائی انٹرنیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) مالیرکوٹلہ کی جانب سے ڈاکٹر مشتاق عالم قادری کو ان کی فروغ اردو کی کوششوں کے لیے ڈاکٹر علامہ اقبال ایوارڈ اور ڈاکٹر یوسف رامپوری کو ان کی تنقیدی خدمات کے لیے 'الطاف حسین حالی ایوارڈ' نوازا گیا۔

روزنامہ 'اخبار مشرق' دہلی، 15 مارچ 2019

ہندوستان کی اردو آبادی میں اردو زبان کے مسائل اور امکانات

ارریا: ارریا کے جوکی ہاٹ بلاک کے ڈوبا میں دعوت القرآن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے اشتراک سے ہندوستان کی اردو آبادی میں اردو زبان کے مسائل وامکانات کے عنوان سے ایک سیمینار کا اہتمام کیا گیا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر اردو اکادمی کے سابق مشتاق احمد نوری شریک ہوئے۔ انھوں نے سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اردو کو صرف سرکاری سہولتیں یا روزگار سے مت جوڑیے، بل کہ اسے اپنے تشخص سے جوڑ لیں تو یقیناً اردو کا فروغ ہوتا رہے گا۔ انھوں نے کہا کہ اردو کو عام بول چال میں لائیں اور اس کی شروعات اپنے گھر سے کریں۔ سیمینار

کی صدارت معروف شاعر ریٹائرڈ جج ہارون رشید غافل نے کی جبکہ نظامت کے فرائض صحافی عبدالغنی حبیب نے ادا کیے۔ عبدالغنی نے کہا کہ 27 ہزار طلبا کی اہلیت کا امتحان پاس کر چکے ہیں مگر حکومت کی سردمہری سے اب تک ان کا تقرر نہیں ہو سکا، اگر ایسا ہوتا تو یقیناً ایک طرف روزی روٹی کا مسئلہ حل ہو جاتا۔ دوسری جانب اردو پڑھنے والوں کو سہولت حاصل ہو جاتی اور اردو کا فروغ ہوتا رہتا۔ دیگر مقررین میں صحافی شمس تبریز قاسمی، مولانا توحید مظاہری، رضی احمد، رضا اختر جوگی ہاٹ کے ایم ایل اے شہواز عالم، صحافی پرویز عالم، صحافی نیاز احمد قاسمی و دیگر درجنوں لوگوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہمیشہ قائم رہے گی۔ اسے مٹایا نہیں جاسکتا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 26 مارچ 2019

بچوں کی تعلیم اور مادری زبان اردو

امروهه: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے تعاون اور ہمایوں پرویز ایجوکیشن سوسائٹی امروہہ کی جانب سے یک روزہ سمینار 'بچوں کی تعلیم اور مادری زبان اردو' منعقد کیا گیا۔ ایچ پی انٹر کالج امروہہ میں سمینار کی صدارت جناب ڈاکٹر انظر حسین پرنسپل ویدانت ڈگری کالج، مولانا محمد آصف بہاری نے تلاوت کلام پاک اور اسلم بقائی، زبیر سیفی، عمیر نے نعت پاک سے سمینار کا آغاز کیا۔ اسٹیج پر تشریف فرما مہمان خصوصی اور مہمان ذی وقار کی رسم گل پوشی کی گئی۔ مہمان خصوصی ڈاکٹر ثمینہ بانو لکچرار ہمدرد دہلی اور مہمان ذی وقار جناب اکبر علی کوآرڈینیٹر آف بیب دہلی اور جناب مسرت حفیظ مرادآبادر ہے۔ نظامت کے فرائض جناب قیصر صاحب نے ادا کیے۔ جاب سید ہمایوں پرویز نے بچوں کی تعلیم اور مادری زبان اردو کے عنوان پر علمی وادبی گوشوں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس کے بعد مقالے پیش کیے گئے۔ جناب مولانا محمد حنیف صاحب نے اپنے مقالے میں بچوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مادری زبان اردو ایک ایسی زبان ہے جس کو سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ ایک ایسی زبان ہے جس کے ذریعے انسان اپنے مافی الضمیر کو بہت آسانی کے ساتھ دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ مادری زبان کے ساتھ دوسری زبانوں کو بھی سیکھنا ضروری ہے۔ ڈاکٹر سرفراز صاحب نے اپنے مقالے میں کہا کہ جن گھروں میں اردو بولی جاتی ہے ان کے بچوں کی تعلیم میں اردو کا اہم رول ہوگا۔ پرنسپل عادل عباسی نے کہا کہ زبان سیکھنے میں ماحول کا بڑا کردار ہے۔ ڈاکٹر مصباح احمد صدیقی نے اپنے مقالے میں کہا کہ آج کے جدید تعلیمی میدان میں بچوں کو مادری زبان اردو کی اہمیت سمجھنی ہوگی۔ سماج میں اردو بولنے، پڑھنے اور لکھنے کا ماحول بنانا ہوگا۔ اس موقعے پر دیگر شرکا نے بھی مقالے پیش کیے۔

پریس ریلیز: سید احمد ہمایوں، امروہہ، 22 مارچ 2019

'جدید ذرائع ابلاغ میں فروغ اردو کے امکانات' کے موضوع پر منعقدہ سمینار کا منظر

جدید ذرائع ابلاغ میں فروغ اردو کے امکانات

نئی دهلی: جدید تکنالوجی نے اردو زبان کی اشاعت کے کام کو بے حد آسان کر دیا ہے۔ 'جدید ذرائع ابلاغ کو اردو زبان سے کوئی پرہیز نہیں۔' ان خیالات کا اظہار روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر اور معروف فکشن نگار مشرف عالم ذوقی نے ہوٹل رائل انٹرنیشنل شاہین باغ میں رحمانیہ نیشنل فاؤنڈیشن نئی دہلی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے 'جدید ذرائع ابلاغ میں فروغ اردو کے امکانات' کے عنوان سے منعقد ایک سمینار میں کیا۔ انھوں نے کہا کہ اردو طلبہ یہ سوچ کر مایوس نہ ہوں کہ اردو زبان جاننے والوں کے لیے روزگار کے مواقع نہیں ہیں۔ اصل میں آج آئیڈیا کی قیمت ملتی ہے۔ آپ کے پاس اگر نوکھا آئیڈیا ہے تو آپ یوٹیوب سے بھی کما سکتے ہیں۔ اردو اکادمی دہلی کے سابق وائس چیئرمین اور جامعہ ملیہ اسلامیہ شعبۂ اردو کے سابق صدر پروفیسر خالد محمود نے کہا کہ اردو زبان کے سامنے اصل مسئلہ رسم الخط کے تحفظ کا ہے۔ نئی نسل کو اس کے تحفظ کے لیے آگے آنا چاہیے۔ انھوں نے تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رسم الخط سے عدم واقفیت کی وجہ سے عوام وخواص کا تلفظ بگڑتا جا رہا ہے۔ قبل ازیں ممتاز ادیب ونقاد حقانی القاسمی نے سمینار کا آغاز کرتے ہوئے کہا کہ یہ جدید ٹیکنالوجی کا کمال ہے کہ جن لوگوں کا اردو زبان سے باضابطہ رشتہ نہیں ہے۔ انھوں نے بھی اردو کے فروغ کے لیے کام کیا۔ اردو سافٹ ویئر بنانے والے انجینئر نے اردو کے لیے کام کیا اور آج بھی وہ اس کوشش میں ہیں کہ نستعلیق فونٹ کو انٹرنیٹ قبول کر لے۔ پروگرام کے آرگنائزر محمد رفیق نے حاضرین کا خیر مقدم کیا اور سمینار کے اغراض ومقاصد اور رحمانیہ نیشنل فاؤنڈیشن کی کارکردگی پیش کرتے ہوئے کہا کہ اس کے تحت تین تین اسکول چل رہے ہیں جن میں طلبہ وطالبات کو خاص طور پر اردو کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ نظامت کے فرائض غوث سیوانی نے انجام دیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 25 مارچ 2019

اردو ذریعہ تعلیم اور سرکاری ادارے: مسائل اور امکانات

نئی دهلی: معروف سماجی تنظیم پرگتی شیل مزدور جن کلیان سیوا (رجسٹرڈ) آزاد پور اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت برائے فروغ انسانی وسائل، حکومت ہند کے اشتراک سے غالب اکادمی، حضرت نظام الدین، نئی دہلی میں یک روزہ قومی سمینار بعنوان 'اردو ذریعہ تعلیم اور سرکاری ادارے: مسائل اور امکانات' منعقد کیا گیا۔ سمینار میں اردو زبان وادب اور درس وتدریس سے وابستہ معروف اور اہم شخصیات نے شرکت کی اور اپنے گراں قدر خیالات کا اظہار کیا۔ سبھی مقررین نے اردو کی بنیادی تعلیم کے حصول پر زور دیا اور اردو تعلیم کے بنیادی مسائل اور ان کے حل کے موضوع پر سمینار کے لیے سماجی تنظیم کو مبارکباد دی۔ سمینار کا آغاز خالد رضا خاں کے خیر مقدمی کلمات سے ہوا۔ سمینار کے مہمان خصوصی پروفیسر شریف حسین قاسمی، سابق صدر شعبہ فارسی، دہلی یونیورسٹی نے کہا کہ اردو محض ایک زبان نہیں بلکہ ایک تہذیب کا نام ہے، وہ تہذیب جو ہمارے ملک میں پیدا ہوئی۔ اردو کا ہندوستان سے وہی تعلق ہے جو یہاں پیدا ہوئی دیگر زبانوں کا ہے۔ اردو تہذیب کا بنیادی نکتہ پیغام محبت ہے جسے ہمیں پوری دنیا میں پھیلانے کی ضرورت ہے۔ دہلی یونیورسٹی کے سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر صادق نے افتتاحی سیشن کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ تنظیم کے نام سے ذرا بھی ایسا نہیں لگتا کہ وہ اردو کے فروغ کا کام کر رہی ہے لیکن ان کا کام دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ انھوں نے جنگی جھونپڑیوں میں بچوں کے درمیان سلیٹ پنسل اور اردو کتابیں تقسیم کی ہیں اور اردو لکھنا پڑھنا سکھا رہے ہیں۔ اصل میں اردو کی یہی خدمت ہے۔ ہمیں اردو کے دائرے کو وسیع کرنا ہوگا تبھی اردو مزید پھلے پھولے گی۔

اس سے قبل سیمینار کے مہمان ذی وقار اور روزنامہ راشٹریہ سہارا کے گروپ ایڈیٹر و معروف فکشن نگار جناب مشرف عالم ذوقی نے کہا کہ آج ٹکنالوجی کا دور ہے اور ہمیں اردو تعلیم کے وسائل میں انٹرنیٹ اور نئی ٹکنالوجی کو شامل کرنا ہوگا۔ آج ہمیں نئے خیالات پیدا کرنے ہوں گے۔ نئے آئیڈیاز ہوں گے تبھی ہم اردو کا تحفظ کرسکتے ہیں۔ ہمیں اردو میں روزگار مہیا کرانے کی بھی کوشش کرنی ہوگی۔ این آئی او ایس کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر ڈاکٹر شعیب رضا خاں نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے اردو ذریعہ تعلیم کی اہمیت پر تفصیلی روشنی ڈالی اور کہا کہ ہمیں اردو کا دامن سمٹتا ہوا نظر آرہا ہے، اس لیے ہمیں ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان اردو میں دلانا بہت ضروری ہے۔ سیمینار کے تکنیکی سیشن کی صدارت کرتے ہوئے شعبہ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ کے صدر پروفیسر شہزاد انجم نے سیمینار کی منصوبہ بندی پر اظہار خیال کیا۔ انھوں نے کہا کہ اس سیمینار میں پورے ملک میں اردو تعلیم اور ذریعہ تعلیم پر گفتگو کی گئی۔ سیمینار میں نظامت کے فرائض زبیری سعیدی نے ادا کیے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 25 مارچ 2019

دہلی ریاست اور اردو زبان

نئی دہلی: مائناریٹی کمیونٹی ٹیچرس ایسوسی ایشن کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے پرانی سیما پوری کمیونٹی ہال میں بعنوان 'دہلی ریاست اور اردو زبان' سیمینار منعقد کیا گیا، جس کی صدارت بزرگ اردو استاد محمد اسحاق نے اور نظامت زی سلام کے اینکر اطہر سعید اور ریڈیو ٹی وی اینکر ریشما فاروقی نے کی۔ اس موقعے پر دہلی ریاست میں اردو زبان کی ترقی اور حال پر ایسوسی ایشن کے صدر شکیل احمد صدیقی، سماجی کارکن ڈاکٹر فہیم بیگ، کونسلر حاجی طاہر حسین، محمد ندیم اور سابق کونسلر محمد ذاکر خاں نے تفصیلی اظہار خیال کیا۔ اس موقعے پر ایسوسی ایشن کے ذریعے اردو زبان کے فروغ کے لیے کام کرنے والے کئی اردو صحافی سماجی اور تعلیمی شعبے میں کام کرنے والے اردو زبان کے استاد کو مومنٹو دے کر اعزاز دیا گیا۔ اس موقعے پر شکیل احمد صدیقی نے کہا کہ یہ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ دہلی میں اردو زبان کو دوسری زبان کا درجہ دیے ہوئے 18 سال کا وقت گزر چکا ہے لیکن حکومت نہ تو دہلی کے تمام اسکولوں میں اردو اساتذہ کی تقرری کر پائی ہے اور نہ ہی سرکاری دفاتر میں اردو زبان کے ترجمان کی تقرری کرانے میں کامیاب ہو پائی ہے۔ ڈاکٹر فہیم بیگ نے کہا کہ اردو زبان ہمارے مادر وطن کی زبان ہے اور اردو زبان ہی ایک ایسی زبان ہے جو قومی یکجہتی میں اپنا نمایاں رول ادا کر رہی ہے اور اسی زبان نے ملک کو آزادی دلانے میں اہم رول ادا کیا تھا۔ اس موقعے پر محمد ابوقمر، محمد ارشد، محمد وسیم، نازیہ خاں، دلشاد خاں، فوزیہ بیگم، فرحت پروین، اسما رحمٰن، ماریہ زینب، حنا کوثر، ونیتا رانا، فرزانہ پروین کے علاوہ دیگر شخصیات موجود رہیں۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 19 مارچ 2019

پروفیسر عنوان چشتی حیات اور کارنامے

دیوبند: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی اور شاہ ولایت ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام پروفیسر عنوان چشتی کے حیات و کارنامے کے عنوان سے ایک روزہ قومی سیمینار شاہ ولایت موڈرن گرلز پبلک ہائی اسکول منگلور میں منعقد ہوا، جس میں شعرا اور ادبا نے شرکت کی۔ اس دوران ادبا، صحافی اور ائمہ حضرات کو اعزاز سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی نے کہا کہ پروفیسر عنوان چشتی کی شاعری اس عہد کا سب سے معتبر، مقدس اور سب سے وقیع ادبی سرمایہ ہے۔ پروفیسر وہاج الدین علوی، ڈین فیکلٹی آف ہیومنٹیز جامعہ نے کہا کہ عنوان چشتی کی ادبی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا، ان کی تنقیدی نگارشات نے بعض ادبی فیصلوں کو از سر نو بدلنے اور غور کرنے کی دعوت دی۔ اردو اکیڈمی کے دہلی کے وائس چیئر مین پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ عنوان چشتی ایک کثیر الجہات شخصیت تھے، موصوف کی نظم و نثر قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی شعبہ اردو کے صدر پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ عنوان چشتی کی نثر میں ہمیں مشرقی اقدار کی بازیافت نظر آتی ہے۔ موصوف کی نثر شفافیت اور معروضیت نیز وضاحت کی مکمل آئینہ دار ہے۔ دیوبند ڈگری کالج کے شعبۂ اردو کے صدر ڈاکٹر الف ناظم نے کہا کہ پروفیسر عنوان چشتی فن اصلاح سخن اور عروض کے ایک مکمل دبستان تھے۔ ان کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے اس دور میں عروض کی اہمیت کے رجحان کو بڑی تقویت بخشی۔ انیس احمد حسینی انیس میرٹھی نے عنوان چشتی کی کتاب اردو میں کلاسیکی تنقید کے حوالے سے کہا کہ موصوف نے اردو کے دبستان کلاسیکی تنقید کی اہمیت کو ایک بار پھر دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے۔ ڈاکٹر عادل حیات شعبۂ اردو جامعہ ملیہ دہلی نے اپنے مقالے میں کہا کہ عنوان چشتی کی تحریریں اعتدال، وضاحت اور قطعیت کی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔ مولانا واحد نظام، ڈاکٹر شگفتہ غزالی نے بھی اظہار خیال کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 19 مارچ 2019

'پروفیسر محمد سلیمان اشرف' پر توسیعی خطبہ

لکھنؤ: خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی–فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ کے شعبۂ عربی میں قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (این سی پی یو ایل) نئی دہلی کے مالی تعاون سے 'محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی میموریل لیکچر سیریز' کے تحت توسیعی خطبے کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ماہ رخ مرزا نے کہا کہ اگر طلبہ عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر عبور حاصل کرلیں تو وہ ہمیشہ کامیاب و کامران ہوں گے۔ عربی زبان وادب کے اسکالر پروفیسر محمد نعمان خان، صدر شعبۂ عربی، دہلی یونیورسٹی نے طلبا کو 'پروفیسر محمد سلیمان اشرف کی عربی زبان وادب میں خدمات' کے عنوان سے خطاب کیا۔

اس موضوع پر تفصیلی روشنی ڈالتے ہوئے پروفیسر نے بتایا کہ عربی زبان کا سیکھنا، اس کا پڑھنا اور اس زبان میں لکھنا ہندوستانیوں کا ایک محبوب مشغلہ رہا ہے۔ اس ضمن میں انھوں نے بتایا کہ پروفیسر محمد سلیمان اشرف کی شخصیت نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمی پیانہ پر مسلم ہے۔ پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، صدارت وائس چانسلر پروفیسر ماہ رخ نے کی۔ اخیر میں کلمات تشکر پروفیسر مسعود عالم نے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر وصی اللہ نے بحسن و خوبی انجام دیے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 20 مارچ 2019

اردو غزل کی عصری معنویت

لکھنؤ: ''اردو غزل متنوع موضوعات کا مرکب ہے جس میں جذبات اور خیالات کی ترسیل کی بہترین گنجائش ہوتی ہے۔ کلاسیکی دور سے لے کر جدید دور تک آتے آتے غزل نے ایک نیا رنگ و آہنگ اختیار کیا ہے جو اس صنف سخن کی مقبولیت کا اہم ثبوت ہے۔'' ان خیالات کا اظہار پروفیسر مجاور حسین نے شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی میں منعقدہ توسیعی خطبے میں کیا۔ شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی لکھنؤ کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے منعقد ہونے والے اس پروفیسر ملک زادہ منظور احمد یادگاری توسیعی خطبے میں بطور خطیب پروفیسر مجاور حسین نے اردو غزل کی عصری معنویت پر گفتگو کرتے ہوئے مزید کہا کہ غزل کو ایسی صنف سخن کا درجہ حاصل ہے جو ہر

دور میں مقبول ومعروف رہی ہے۔ اس نے اپنے اندر عصری حالات کے تمام تر تقاضوں کو سمیٹتے ہوئے ہر دور کی عکاسی کی ہے۔ پروفیسر ملک زادہ منظور احمد یاگاری خطبے کے تعارفی کلمات پیش کرتے ہوئے صدر شعبۂ اردو پروفیسر عباس رضا نیر نے کہا کہ پروفیسر ملک زادہ منظور احمد اردو شاعری میں ایک نیا باب جوڑتے ہوئے غزل کے رنگ سخن کو نئی تازگی عطا کرنے والے شعرا میں پیش پیش رہے ہیں۔ پروفیسر احمد عباس ردولوی نے اردو غزل کی عصری معنویت پر گفتگو کرتے ہوئے غزل کے ہر دور کا باریک بینی سے جائزہ پیش کیا اور کہا کہ یہ وہ صنف سخن ہے جو ہر دور میں نہ صرف خواص بلکہ عوام میں بھی یکساں مقبولیت کی حامل رہی ہے۔ ڈاکٹر فاضل احسن ہاشمی نے بے حد ذمے دارانہ طور پر اس جلسے کی نظامت کے فرائض انجام دیے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 20 مارچ 2019

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی علمی وفکری خدمات

نئی دهلی: مولانا سعید اکبر آبادی اپنے وقت کے عظیم مفکر، مصنف اور دانشور تھے۔ انھوں نے کم وبیش پچاس سال تک مختلف اعلی تعلیمی اداروں میں تدریسی خدمات انجام دینے کے ساتھ بہت قیمتی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ ان خیالات کا اظہار مشہور عالم دین، ادارہ امور مساجد کے قومی صدر اور ندوۃ المصنفین دہلی کے سابق رفیق مولانا عبداللہ طارق دہلوی نے غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین دہلی میں جمعیت فیضان علماء ہند کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے منعقدہ یک روزہ سمینار میں صدارتی خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انھوں نے مولانا کی حیات اور اپنے مشاہدات کی روشنی میں گفتگو کرتے ہوئے بتایا کہ مولانا خالص علمی و فکری آدمی تھے اور اپنے خوردوں کی تربیت میں بھی بڑے فیاض تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی میں بے شمار کامیابیاں حاصل کیں مگر اس کے باوجود ان کی زندگی فقیرانہ تھی، انھوں نے اپنی مقبولیت وشہرت سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں حاصل کیا۔ سمینار کے مہمان اعزازی جمہوریہ لبنان کے سفیر ڈاکٹر ربیع نرش نے ہندوستان وعربی ممالک کے علمی و ثقافتی تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا اکبر آبادی کی علمی وفکری عظمت کو خراج عقیدت پیش کیا اور اس سمینار میں مدعو کیے جانے پر اپنی خوشی ومسرت کا اظہار کیا۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی اور دارالعلوم دیوبند کے استاذ مفتی اشتیاق احمد قاسمی، فتویٰ آن موبائل سروس کے چیئرمین مفتی ارشد فاروقی نے بھی اظہار خیال کیا۔ سمینار میں دہلی یونیورسٹی کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر ابوبکر عباد، ڈاکٹر شاذیہ عمیر، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اسسٹنٹ پروفیسر ڈاکٹر اورنگ زیب اعظمی، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کے ڈاکٹر انیس الرحمٰن، معروف ناقد حقانی القاسمی اور ڈاکٹر یوسف رامپوری سمیت دیگر کئی اور مقالہ نگاروں نے اپنے مقالے پیش کیے۔ نظامت کے فرائض عبدالباری قاسمی اور آصف اقبال جہان آبادی نے انجام دیے اور ابواللیث قاسمی نے اخیر میں تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 31 اپریل 2019

ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں

نئی دهلی: آل انڈیا ایسوسی ایشن آف عربک ٹیچرس اینڈ اسکالرس نے شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اشتراک اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے مالی تعاون سے 'ہندوستان عرب مورخین کی نظر میں' کے موضوع پر 30-29 مارچ کو دوروزہ قومی سمینار کا انعقاد کیا۔ افتتاحی پروگرام کی صدارت عراقی کلچرل کونسلر پروفیسر ڈاکٹر مشتاق شاکر الشبانی نے کی اور پروفیسر سید کفیل احمد قاسمی نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ اس موقعے پر شعبۂ عربی کے استاذ ڈاکٹر محفوظ الرحمٰن کی کتاب 'فن المسرحية في الادب الاردي. نشاة وتطوره' نیز حیدرآباد عثمانیہ یونیورسٹی کے استاذ ڈاکٹر محمد فضل اللہ شریف کی تحقیق 'الحكم العرفانيه في الاقتباسات القرآنيه' کی رسم اجرا عمل میں آئی۔ افتتاحی کلمات پیش کرتے ہوئے صدر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر حبیب اللہ خان نے بھی کا خیر مقدم کیا۔ افتتاحی پروگرام کی نظامت اتحاد کے جوائنٹ سکریٹری اور سمینار کے کنوینر ڈاکٹر فوزان احمد نے نہایت ہی خوش اسلوبی کے ساتھ کی۔ یہ سمینار پانچ اجلاس پر مشتمل تھا، ہر اجلاس میں پانچ پانچ مقالات پیش کیے گئے۔ اس طرح مختلف موضوعات پر کل 25 بیش قیمتی مقالات پیش کیے گئے۔ ان اجلاس کی صدارت ہندوستان کی مختلف یونیورسٹیوں سے منسلک عربی زبان وادب کے نامور اساتذہ نے کی جن میں پروفیسر زبیر احمد فاروقی، پروفیسر کفیل احمد قاسمی، پروفیسر اقبال حسین، پروفیسر صلاح الدین عمری، پروفیسر عائشہ کمال، پروفیسر محمد ایوب تاج الدین ندوی، پروفیسر عبدالماجد القاضی، پروفیسر رضوان الرحمٰن، پروفیسر ولی اختر، ڈاکٹر حسنین اختر، پروفیسر عبداللہ قسم کویتی، ڈاکٹر صالح اسد عراقی، ڈاکٹر نسیم اختر، ڈاکٹر قطب الدین، ڈاکٹر جمشید احمد، اور ڈاکٹر احسان اللہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ سمینار میں ہندوستان کی بیشتر یونیورسٹیز کے شعبۂ عربی کے اساتذہ اور اسکالرز نے مقالات پیش کیے۔ اختتامی تقریب میں تمام شرکا کو سرٹیفکیٹ سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر صہیب عالم نے سمینار سے متعلق اہم تجاویز پیش کیں۔ ڈاکٹر مجیب اختر کے شکریہ کے ساتھ یہ سمینار اختتام پذیر ہوا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 31 اپریل 2019

اڑیسہ میں اردو شاعری

اڑیسه: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مالی تعاون سے کٹک میں ایک قومی سمینار کا انعقاد کیا گیا، جس کے افتتاحی اجلاس کی صدارت پروفیسر رابعہ پروین کٹک یونیورسٹی نے کی اور مہمان خصوصی کونسلر رمضان خان تھے۔ اس سمینار میں کل 10 مقالے پیش کیے گئے۔ پہلے اجلاس کا پہلا مقالہ مولانا شاہدین مصباحی اڑیسوی نے 'اڑیسہ میں شاعری کا ماضی وحال' کے موضوع پر پیش کیا۔ دوسرا مقالہ مولانا عطائے حبیب مغربی بنگال، تیسرا مقالہ نوشاد عالم مصباحی بہار، چوتھا مقالہ لیاقت علی فیض، جھارکھنڈ، پانچواں مقالہ ایم نوشاد امجدی پوری نے پیش کیا۔ اس اجلاس کی صدارت مرزا سیف الدین نے کی اور اظہار تشکر مولانا عاشق القادری ماہر ادیب نے پیش کیا۔ سمینار کے دوسرے اجلاس میں کل پانچ مقالے پڑھے گئے۔ اس اجلاس کا پہلا مقالہ اڑیسہ کے صوفیائے کرام کی اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ کے عنوان پر ایس طاہر شمسی، چھتیس گڑھ نے پیش کیا۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 12 اپریل 2019

امن عالم کے فروغ میں اردو اور عربی زبان کا کردار

کشن گنج: توحید ایجوکیشنل ٹرسٹ کے زیر اہتمام اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے زیر اشتراک ایک روزہ قومی سمینار بعنوان 'امن عالم کے فروغ میں اردو اور عربی زبان کا کردار' منعقد ہوا۔ اس میں عالمی امن کے فروغ میں اردو اور عربی زبان کے کردار پر تحقیقی مقالے پیش کیے گئے۔ ٹرسٹ کے چیئرمین مولانا مطیع الرحمٰن عبدالمتین نے کلیدی خطبہ میں کہا کہ جب جب امن کے خلاف ظلم وبربریت اور جنگ وجدال کی فضا پیدا ہوئی تو اس وقت کے امن پسند ادیبوں، قلم کاروں، مصنفین، ماہرین انشاپرداز اور شعرا حضرات نے اردو اور عربی زبانوں کے ذریعے امن وسکون، باہمی اتحاد، قومی یکجہتی کو فروغ دینے میں حد درجہ کوشش کی ہے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے پروفیسر جنید حارث نے مقالہ 'فروغ امن عالم میں سرسید احمد کا کردار' پیش کیا۔ مولانا آزاد نیشنل اردو لکھنؤ کیمپس کے انچارج ڈاکٹر عبدالقدوس نے امن عالم کے فروغ میں اسکول ومدارس کے کردار پر، ڈاکٹر عبداللہ صابر اسسٹنٹ ٹیچر اٹلکچول

اسکول جونپور نے فروغ امن عالم میں مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریری وتقریری خدمات پر، فیروز ہارونی پی ایچ ڈی اسکالر دہلی یونیورسٹی نے فروغ امن عالم میں اردو تصانیف کے کردار پر، اسسٹنٹ پروفیسر آف مالدہ کالج محفوظ الرحمٰن نے فروغ امن عالم میں سمینار اور کانفرنس کے کردار پر، محمد شاہنواز ندوی نے فروغ امن عالم میں اردو شعرا کے کردار پر، عبدالرقیب مدنی نے فروغ امن عالم میں عربی شعرا کے کردار پر، عبدالوحید مدنی، نورالاسلام مدنی نے فروغ امن عالم میں عربی تصانیف کے کردار پر اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔ سمینار دو نشستوں پر مشتمل تھا۔ پہلی نشست میں مطیع الرحمٰن عبدالمتین چیئرمین توحید ٹرسٹ اور دوسری نشست میں پروفیسر جنید حارث نے صدارت اور تنویر ذکی مدنی، محمد شاہنواز ندوی اور عبدالوحید مدنی نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔ انیس الرحمٰن اور فخرالاسلام نے کلام الٰہی تلاوت کی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 27 مارچ 2019

اردو صحافت کا موجودہ منظر نامہ

میرٹھ: شعبۂ اردو، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی، میرٹھ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے، شعبہ کے پریم چند سمینار ہال میں مولانا اسماعیل میرٹھی یادگاری خطبہ بعنوان 'اردو صحافت کا موجودہ منظر نامہ' کا انعقاد کیا گیا۔ پروگرام کی صدارت صدر شعبہ اردو پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کی۔ خصوصی مقرر کی حیثیت سے معروف فکشن نگار، اسٹوری رائٹر اور فلم ساز مشرف عالم ذوقی (گروپ ایڈیٹر روزنامہ راشٹریہ سہارا)، مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر وائی وملا (پرووائس چانسلر، چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی) اور مہمانان ذی وقار کے بطور ڈاکٹر سراج الدین احمد (منیجر، اسماعیل انٹر کالج، میرٹھ، ڈاکٹر نیلما گپتا) پرنسل اسماعیل گرلز نیشنل پی جی کالج) اور ڈاکٹر مرولا شرما (پرنسپل اسماعیل گرلز نیشنل انٹر کالج، شاستری نگر، میرٹھ) شریک ہوئیں۔ نظامت کے فرائض شعبہ کے استاد ڈاکٹر آصف علی نے انجام دیے۔ تقریب کا آغاز مولانا جبرائیل نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ ہدیہ نعت صبا نے پیش کیا۔ استقبالیہ کلمات اور مولانا اسماعیل میرٹھی کا مختصر تعارف ڈاکٹر شاداب علیم نے اور اظہار تشکر تابش فرید نے کیا۔ مہمانوں نے مل کر شمع روشن کی اور گلوں کے ذریعے مہمانوں کا استقبال کیا گیا۔ شوبی زہرا نقوی اور حمیرا خاتون نے اسماعیل میرٹھی کی نظمیں سنا کر سامعین کو محظوظ کیا۔ اس کے بعد خصوصی مقرر کی حیثیت سے معروف فکشن نگار مشرف عالم ذوقی نے مذکورہ موضوع پر ایک تفصیلی اور جامع خطبہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اسماعیل میرٹھی کے تعلق سے مدلل گفتگو کی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو صحافت میں آنے والے 89 فیصد لوگ مدارس سے تعلق رکھتے ہیں جو بہت ایمان دار اور محنتی ہیں۔ آج کا اردو صحافی سائنس اور ٹیکنالوجی سے لیس ہے۔ اردو میڈیا کی تعریف ہونا اس لیے بھی ضروری ہے کہ ان کے پاس کم ذرائع اور پونجی میں بھی بہتر کوششیں کر رہے ہیں۔ اس موقعے پر پرووائس چانسلر وائی وملا نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو گنگا جمنی تہذیب کی ضامن ہے۔ شعبۂ اردو آئے دن قومی وبین الاقوامی سطح کے پروگرام انعقاد کرکے اردو زبان کی خوشبو سے پورے ملک کو امن اور بھائی چارے کا پیغام دیتی رہی ہے جو اس دور میں ملک کی فضا کے لیے بے حد ضروری ہے۔ ڈاکٹر نیلما گپتا نے بھی اپنے تاثرات پیش کیے۔ آخر میں اپنا صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ اسماعیل میرٹھی نے بھی اپنی تخلیقات سے نہ صرف قوم کی اصلاح کا کام اور اتحاد واتفاق کی فضا قائم کرنے کی کوشش کی بلکہ قوم کے نونہالوں کے مستقبل کو سنوارنے والا ادب پیش کرکے انسانیت کے تن مردہ کی جڑوں کو سینچنے کا فریضہ انجام دیا اور یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 29 مارچ 2019

اقبال کی فکری جہات

نئی دھلی: سماجی، تعلیمی اور فلاحی تنظیم فیتھ فاؤنڈیشن اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے مالی تعاون اور اردو اکادمی دہلی کے اشتراک سے دوروزہ قومی سمینار

بعنوان 'اقبال کی فکری جہات' کا انعقاد اقبال اکیڈمی جنگ پورہ میں کیا گیا۔ سمینار کا افتتاح کرتے ہوئے سابق آئی پی ایس اور محبت اقبال ڈاکٹر سید ظفر محمود نے کہا کہ کسی چیز کو حاصل کرنے کے لیے پیہم کوشش شرط ہے اور اللہ نے انسان کی روح کو مختلف خصوصیات سے مزین کیا ہے۔ روح کی سطح جسم کی سطح سے بلند ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ روح میں پاکیزگی ہونا ضروری ہے۔ اگر پاکیزگی نہ ہو تو ناپید ہے۔ اقبال کی فکری جہات پر اظہار خیال کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اقبال کے تصور موج، جہد وعمل، تصور زن کے علاوہ خودی پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ مہمان ذی وقار ڈاکٹر نریندر سنگھ رانا نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان کی پہلی زبان ہے۔ مجھے اس زبان پر فخر ہے مگر ہم اسے وہ موقع نہ دے سکے جس کی وہ حق دار ہے تاکہ اس کا مزید فروغ ہو سکے۔ سابق صدر شعبۂ اردو پروفیسر توقیر احمد خاں نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اقبال کی اہمیت وافادیت ان کے افکار کی بنیاد پر ہے۔ اقبال کے فن اور فکر کے امتزاج نے نیا جہان معنی پیدا کیا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ کائنات عالم کا کوئی ایسا موضوع نہیں جو اقبال کی گرفت سے باہر ہو۔ اقبال کے افکار آفاقی ہیں اور اسے کسی ایک خطے میں قید نہیں کیا جا سکتا ہے۔ افتتاحی اجلاس کی صدارت ماہر اقبالیات پروفیسر عبدالحق نے کرتے ہوئے کہا کہ دنیا میں کسی نے بھی ایسا تصور پیش نہیں کیا جو اقبال نے کیا ہے۔ اس اجلاس کی نظامت ڈاکٹر شاذیہ عمیر نے نہایت عمدگی سے کی۔

سمینار کے دوسرے اجلاس کی صدارت فارسی کے مشہور استاد پروفیسر سید اختر حسین کاظمی نے کی اور نظامت کے فرائض ڈاکٹر شاذیہ عمر نے ادا کیے۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر شاذیہ عمیر، شمیم احمد، اشتیاق احمد قاسمی، ڈاکٹر مسعود عالم اور عظمت النسا نے نہایت وقیع مقالے پیش کیے۔ دوسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر کوثر مظہری اور پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کی۔ پروفیسر کوثر مظہری نے صدارتی خطبے میں کہا کہ اقبال کو سمجھنے کے لیے عمیق مشاہدے کا ہونا ضروری ہے۔ مشاہدے کے بعد مطالعے کا راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ اس اجلاس میں پروفیسر طارق سعید، ڈاکٹر علاء الدین خاں، ڈاکٹر سرفراز جاوید، ڈاکٹر افسانہ حیات اور ڈاکٹر محمد انصار نے مقالے پیش کیے۔ تیسرے اجلاس کی صدارت پروفیسر طارق سعید نے کی۔ اس اجلاس میں سات مقالے پڑھے گئے جن میں پروفیسر کوثر مظہری، ڈاکٹر ندیم احمد، ڈاکٹر علی عمران عثمانی، ڈاکٹر ریاض عامر، ڈاکٹر محمد شاہد خان، جناب محمد یٰسین قریشی اور جناب محمد شفیق کے نام شامل ہیں۔ پروفیسر طارق سعید نے صدارتی کلمات ادا کرتے ہوئے نئی نسل کو مشورہ دیا کہ اپنے مطالعے کو وسیع کریں تاکہ اقبال کو حقیقی معنوں میں سمجھا جا سکے۔ دوروزہ قومی سمینار کے چوتھے اور آخری اجلاس کی صدارت پروفیسر عبدالحق اور پروفیسر غضنفر علی نے

کی۔ پروفیسر عبدالحق صدارتی خطبے میں کہا کہ مقالہ نگاروں نے نادر اور حیرت انگیز پہلوؤں پر مقالے رقم کیے۔ اس اجلاس میں پروفیسر سید اختر حسین کاظمی، ڈاکٹر علی احمد ادریسی، ڈاکٹر عبدالسلام، ڈاکٹر شکیل اختر نے اپنے مقالے پیش کیے۔ آخر میں سمینار کے کنوینر ڈاکٹر محمد مرتضیٰ نے تمام صدور، مقالہ نگار اور سامعین کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 31 اپریل 2019

گنگا جمنی تہذیب میں اردو کا کردار

نئی دھلی: میکس ملر مارگ واقع انڈیا انٹرنیشنل سینٹر ایکسی کے لیکچر ہال 1 میں جشن ادب تنظیم اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے اشتراک سے ایک روزہ سمینار بعنوان 'گنگا جمنی تہذیب میں اردو زبان کا کردار' منعقد کیا گیا جس میں مہمان خصوصی کے طور پر معروف روسی ادیبہ لڈمیلا وسیلیوا نے شرکت کی۔ پروگرام کا آغاز مہمانان کے استقبال سے کیا گیا۔ بعدازاں جشن ادب تنظیم کے صدر قیصر خالد نے افتتاحی تقریر پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان کی قدیمی زبان ہے اور ہمیشہ سے اس زبان کا تعلق ہندوستان کی گنگا جمنی تہذیب سے ضرور رہا ہے اور اس سمینار کو منعقد کرنے کا اصل مقصد یہی ہے کہ لوگ گنگا جمنی تہذیب میں اردو کے کردار کو بخوبی جان سکیں۔ اس موقعے پر معروف اسکالر اور پدم شری پروفیسر اخترالواسع نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے اردو کی تاریخ پر روشنی ڈالی اور کہا کہ اردو کی پیدائش حضرت نظام الدین اولیا کی خانقاہ میں ہندی کے ساتھ ہوئی اور ان دونوں زبانوں کے جنک حضرت طوطی ہند حضرت امیر خسرو تھے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اردو زبان خانقاہ میں جنمی اور جب اردو بازار میں پہنچی تو اس زبان کی مقبولیت اتنی ہوئی کہ جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ مغلیہ دور میں فارسی کے بعد میں اردو سرکاری زبان بن گئی۔ پروفیسر اخترالواسع نے کہا کہ موجودہ دور میں یہ بات عام ہوگئی ہے کہ اردو مسلمانوں کی زبان ہے اور مسلمانوں نے اس کو سچ مان لیا ہے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں کہ اردو کے سب نمائندہ مشاعرے جو اس کی تہذیب کی آبرومندی کی علامت ہیں وہ مسلمان نہیں کرتے وہ شنکر شاد، جشن بہار، جشن ادب اور ریختہ، جشن والے کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کا تعلق اسلام سے اس طرح نہیں ہے جس طرح ہمارا ہے۔ یہ کام ان لوگوں کو کرنا چاہیے جو کہتے ہیں کہ اردو ان کی تہذیب ان کے مذہب اور ثقافت کی زبان ہے۔ روسی ادیبہ لڈمیلا وسیلیوا نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اردو گنگا جمنی تہذیب کا وہ دھاگا ہے جو اس تہذیب کے موتیوں کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ ہندوستان کی تہذیب سے روسیوں کو بھی کافی دلچسپی ہے اور ہم اس تہذیب سے ادب کا سلیقہ سیکھتے ہیں۔ برصغیر کی تہذیب کی کوئی مثال نہیں ہے یہ تہذیب محبت کا پیغام ہے۔ جشن ادب کے بانی و جنرل سکریٹری کنور رنجیت چوہان نے اظہار تشکر کیا۔ اس موقعے پر تین اجلاس منعقد کیے گئے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 1 اپریل 2019

اردو صحافت کا عصری منظر نامہ

نئی دھلی: شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے ٹیگور ہال، دیار میر تقی میر میں 'اردو صحافت کا عصری منظر نامہ' کے موضوع پر پروفیسر شافع قدوائی نے فراق یادگاری

خطبہ پیش کیا جس کی صدارت پروفیسر شہناز انجم نے اور نظامت پروفیسر کوثر مظہری نے کی۔ صدر، شعبۂ اردو پروفیسر شہزاد انجم نے تمام شرکا اور مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے کہا کہ میڈیا کی عصری معنویت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ میڈیا ہی وہ ذریعہ ہے جو وقت اور حالات کے منفی دھارے کو بدل سکتا ہے۔ پروفیسر کوثر مظہری نے فراق گورکھپوری کی شخصیت، شاعری اور ان کی تنقید کے حوالے سے سیر حاصل گفتگو کی اور پروفیسر شافع قدوائی کا تعارف کراتے ہوئے ان کے علمی کارناموں پر روشنی ڈالی۔ پروفیسر شافع قدوائی نے اپنے خطبے کے آغاز میں عالمی صحافت کے مزاج و منہاج کے تعلق سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ صحافت کا بنیادی مقصد سچ کو سامنے لانا ہے مگر پوری دنیا آج ٹی وی مباحثے پر چل رہی ہے اور میڈیا نے ہمارے بنیادی تصورات کو چھین لیا ہے۔ صحافت اب ایک مشن نہیں بلکہ کاروبار اور تجارت بن کر رہ گیا ہے۔ پروفیسر قدوائی نے موجودہ صحافت سے عدم اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے مشن اور مقصد سے منحرف ہوگئی ہے۔ انھوں نے اردو صحافت کی تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ اردو اخبارات کا ماضی انتہائی تابناک تھا جو اطلاعات کے ساتھ ساتھ معلومات میں بھی اضافہ کررہے تھے اور عوامی تفریح کا خیال بھی کرتے تھے۔ اردو صحافت میں اب جذباتی اشتعال انگیزی نہیں ہے، اردو کے اخبارات نئی ٹیکنالوجی کی طرف گامزن ہیں مگر زبان کی سطح پر ضرور گراوٹ آئی ہے۔ اردو صحافت ہمیشہ سے احتجاج کی صحافت رہی ہے۔ پروفیسر قدوائی نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ موجودہ اردو صحافت میں زبان اور ترجمے کی سطح پر کافی گراوٹ آئی ہے جسے اردو صحافت کے لیے فال نیک نہیں کہا جاسکتا۔ اس موقعے پر معروف نقاد دانشور پروفیسر شمیم حنفی نے بھی اظہار خیال کیا اور کہا کہ ادب اور صحافت میں اب اتنا فاصلہ نہیں ہے۔ دنیا میں بہت سے ایسے صحافی گزرے ہیں جن کا ادب میں بڑا مقام ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد، انتظار حسین اور سلیم احمد اس کی مثال ہیں۔ پروفیسر شافع قدوائی کا خطبہ بڑا پرمغز اور عمدہ تھا۔ انھوں نے معنی خیز گفتگو کی۔ میں انھیں اس اعلیٰ خطبے کے لیے مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ پروگرام کی صدارت کرتے ہوئے پروفیسر شہناز انجم نے کہا کہ موجودہ صحافت نے تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو پامال کرکے رکھ دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ موجودہ میڈیا نے زندگی کے معنی ہی بدل دیے ہیں۔ اب پرنٹ یا الیکٹرانک میڈیا میں خرید و فروخت کی خبروں کو زیادہ اہمیت دی جارہی ہے۔ پروفیسر شہناز انجم نے اردو اخبارات کی زبان پر تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ اس پر توجہ نہیں دی گئی تو نسل ایک بہت بڑی دولت سے محروم ہوجائے گی۔ اس یادگاری خطبے کے کنوینر، فیکلٹی آف ہیومنٹیز اور لینگویجز کے ڈین، پروفیسر وہاج الدین علوی نے آخر میں شکریے کی ادائیگی کے ساتھ موضوع کی اہمیت پر زیادہ زور دیا اور پروفیسر شافع قدوائی کے بصیرت افروز خطبے کو انتہائی مفید اور کارآمد بتایا۔ پروگرام کا آغاز ڈاکٹر شاہنواز فیاض کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 7 مارچ 2019

اردو ادب اور ماحولیات

میرٹھ: شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ کے پریم چند سمینار ہال میں 5 مارچ کو یک روزہ سمینار سوسائٹی فار سوشل ویلفیئر اینڈ ڈیولپمنٹ کے زیر اہتمام قومی کونسل

برائے فروغ اردو زبان کے تعاون سے بعنوان 'اردو ادب اور ماحولیات' کا انعقاد ہوا۔

اجلاس کی صدارت پروفیسر اسلم جمشید پوری شعبۂ اردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ نے اور نظامت ڈاکٹر آصف علی نے کی۔ پروگرام کا آغاز محمد شاکر نے قرآن پاک کی تلاوت سے کیا۔ شعبۂ اردو کے طالب علم اسرار احمد نے نبیؐ کی شان میں ایک خوبصورت نعت پیش کی، اس کے بعد مہمانان نے شمع روشن کی۔ مہمانان کی خدمت میں پھولوں کے گلدستے اور مومنٹو پیش کیے گئے۔ اس موقعے پر پروفیسر خواجہ اکرام الدین نے کہا کہ ماحول ہمارے آس پاس کی فضا ہوتی ہے۔ ہم جہاں بیٹھے ہیں یہاں بھی ماحول ہے۔ ماحول کو سمجھنے کے لیے بہت سے مناظر کو سامنے رکھا جاتا ہے۔ مٹی، ہوا پانی، چرند پرند سب ماحول کا حصہ ہیں۔ ماحولیات اور قدرت کے سبھی مناظر ادب میں کل بھی موجود تھے اور آج بھی موجود ہیں۔ درختوں کا کاٹنا اور ماحول کا زہر آلود ہونا وغیرہ اردو ادب میں ماحول کے سبھی عناصر کو فلسفیانہ طور پر پیش کیا گیا ہے۔ انھوں نے متعدد نظموں اور اشعار سے اردو ادب میں ماحولیات کی موجودگی کو ثابت کیا۔ پروفیسر اسلم جمشید پوری نے کہا کہ ادب اور زندگی سب ہمارے لیے بے معنی ہیں اگر ہمارا ماحول زہر آلود اور گندہ ہے۔ پروفیسر وائی وملا نے کہا کہ ہمیں اپنے ماضی سے مستقبل تک اپنے ماحول کو سنبھال کر رکھنا چاہیے۔ ہم جس زمین پر پیدا ہوئے ہیں اس زمین کا قرض ہے کہ ہم اس کو صاف ستھرا رکھیں۔ پروفیسر حسن احمد نظامی نے کہا کہ ادب کا تعلق جیسے زندگی سے ہے ویسے ہی ماحول سے بھی ہے۔ ادب دلوں کی دنیا کے ساتھ ماحول کا بھی آئینہ ہے۔ اس تعلق سے سمینار منعقد کیے جانے چاہئیں۔ اس قومی سمینار میں دہلی، میرٹھ، بجنور، امروہہ، سنبھل، اتراکھنڈ، پریانہ اور پنجاب سے متعدد اسکالرز نے شرکت کی۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 6 مارچ 2019

ہندوستانی تہذیب وثقافت اور علوم و فنون کے فروغ میں مدارس کا حصہ

حیدرآباد: دینی مدارس زبان، ادب وثقافت کے امین ومحافظ ہوتے ہیں۔ مدارس کے باعث سارے ملک میں علوم کو فروغ ملا۔ مدارس میں دینی علوم وفنون یعنی فقہ، عربی وفارسی قواعد کے علاوہ علم ہندسہ، اخلاقیات و دیگر علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر حسن عباس، ڈائرکٹر رضا لائبریری رامپور، اترپردیش نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں شعبۂ فارسی اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی کے اشتراک سے 2 روزہ قومی سمینار کے افتتاحی اجلاس میں کلیدی خطبہ دیتے ہوئے کیا۔ سمینار کا عنوان 'ہندوستانی تہذیب و ثقافت اور علوم وفنون کے فروغ میں مدارس کا حصہ' (فارسی، عربی اور اردو ادبیات کے تناظر میں) تھا۔ پروفیسر عباس نے بتایا کہ مدارس کے زیر اثر محض دینی کتب کا ہی نہیں بلکہ کئی اہم کتب کا فارسی میں ترجمہ ہوا ہے۔ اخلاقیات پر مبنی کئی کتابوں کے سنسکرت اور ہندی سے فارسی تراجم ہوئے۔ انھوں نے اردو یونیورسٹی کو مولانا ابوالکلام آزاد کے خوابوں کی تعبیر قرار دیا۔ وائس چانسلر ڈاکٹر محمد اسلم پرویز نے صدارتی خطاب میں کہا کہ انھوں نے اردو ذریعے سے اپنی اسکولی تعلیم پوری کی۔ وہ سائنس پڑھنا چاہتے تھے لیکن اردو میں مواد دستیاب نہ تھا۔ اس لیے انھوں نے خود ماہنامہ 'سائنس' شروع کیا۔ سائنس لکھتے لکھتے انھیں قرآن کو ترجمہ سے پڑھنے کا موقع ملا اور انھیں محسوس ہوا کہ یہی مقصد حیات ہے۔ قرآن میں اس کے فرض ہونے کا حکم ہے لیکن لوگ اس کو نظرانداز کر دیتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سائنس کے میدان میں مسلمانوں کا اہم کارنامہ تجربات کا آغاز ہے۔ اس سے قبل سائنس محض فلسفہ کی حد تک تھی۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، شیخ الجامعہ، المعہد العالی حیدرآباد نے کہا کہ جہاں مولانا حالی کو اردو شاعری محض شراب و کباب کی نظر آئی، وہیں علامہ اقبال نے بھی شعرا و ادبا کے ذہنی دیوالیہ پن کی شکایت کی۔ پھر جب کمیونزم کا غلبہ ہوا تو شاعری میں روزگار کے مسائل نظر آئے۔ اگر کہیں اخلاقیات کی شاعری نظر آ بھی جاتی تو اسے مذہبی قرار دے کر ادب سے خارج کر دیا جاتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اچھے انداز میں کسی بات کو پیش کرنا تعمیری ادب ہے۔ اس کے علاوہ مولانا رحیم الدین انصاری، ڈاکٹر سید نثار حسین، ڈاکٹر رضوانہ زرین نے بھی خطاب کیا۔ ڈاکٹر رضوان احمد نے ابتدا میں خیر مقدم کیا۔ پروفیسر شاہد نوخیز اعظمی نے نظامت کی۔ ڈاکٹر جنید احمد اسسٹنٹ پروفیسر فارسی نے شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 7 مارچ 2019

'زبیر رضوی۔فن اور شخصیت' کے موضوع پر منعقدہ سمینار کا منظر

زبیر رضوی فن اور شخصیت

چاندپور: چاندپور شہر کے محلہ مفتی سرائے واقع اسکائی لائن انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر کے کانفرنس ہال میں قومی اردو کونسل کے مالی تعاون سے مشہور شاعر زبیر رضوی 'فن اور شخصیت' کے عنوان سے ایک قومی سمینار کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقعے پر مہمان خصوصی کے طور پر قومی اردو کونسل کے اسسٹنٹ ایڈیٹر ڈاکٹر عبدالحی نے شرکت کی اور 'زبیر رضوی: فن اور شخصیت' پر تحقیقی مقالہ پڑھا۔ زبیر رضوی پر کتاب لکھنے والے ڈاکٹر مہتاب امروہوی نے کلیدی خطبہ پیش کیا۔ مشہور شاعرہ محترمہ رئیسہ خمار آرزو (ناسک، مہاراشٹر) نے زبیر رضوی کو قومی شاعر بتاتے ہوئے کہا کہ ان کی خدمات دوردرشن اور آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر جنرل کے طور پر واضح ہوئیں۔ زبیر رضوی کے چھوٹے بھائی پروفیسر ڈاکٹر آفتاب رضوی نے زبیر رضوی کے بچپن سمیت ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیل سے گفتگو کی۔ بدایوں سے تشریف لائے زبیر خان سعیدی نے کہا کہ زبیر رضوی کی شاعری کی دس کتابیں شائع ہوئیں اور ان کا ناقابل فراموش کام رسالہ 'ذہن جدید' کی اشاعت ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ثمینہ خان (آر بی ڈی کالج بجنور) نے کہا کہ زبیر رضوی امروہہ میں پیدا ہوئے اور ان کی تعلیم حیدرآباد اور دہلی میں ہوئی اور وہ مشاعروں کی دنیا کے بادشاہ رہے۔ بریلی سے تشریف لائیں ڈاکٹر شگفتہ غزل نے زبیر رضوی کو محبتوں کا شاعر قرار دیا۔ مشہور مفکر انجینئر محمد سمیع نے بھی ان کے حالات زندگی پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سمینار کے کوآرڈی نیٹر آتش انجم نے ملک کے مختلف حصوں سے تشریف لائے مہمانوں کو خوبصورت مومنٹو اور سرٹیفکیٹ پیش کیے۔ بڑی تعداد میں سمینار میں لوگوں نے شرکت کی۔ سمینار کی صدارت ممبئی سے تشریف لائیں محترمہ ریکھا روشنی ایڈوکیٹ ممبئی ہائی کورٹ نے کی اور نظامت کے فرائض سماجی کارکن الیاس انجم اور ندیم رائی مرادآبادی نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 13 مارچ 2019

اردو اور تعلیم سے متعلق قومی اور علاقائی خبریں

قومی:

مادری زبان کے فروغ کے لیے قومی تحریک ضروری

نئی دہلی: نائب صدر جمہوریہ ہند مسٹر ایم وینکیا نائیڈو نے کہا ہے کہ قدیم ہندوستانی زبانوں کا فروغ اور ان کا

تحفظ وقت کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ہماری قدیم تہذیبی قدروں، معلومات اور دانشمندی کی راہ دکھاتی ہیں۔ انھوں نے زبانوں کے تحفظ کے لیے ٹیکنالوجی کا استعمال کرنے کی بات کی، وہیں مادری زبان کی ترقی کے لیے قومی تحریک کی اپیل کی۔ انھوں نے کلاسیکل زبانوں میں اسکالروں کو تقریباً سو پریزیڈینٹس سرٹیفکیٹ آف آنرز اور مہارشی بدریان ویاس سمان ایوارڈ عطا کرنے کے بعد ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے مسٹر وینکیا نائیڈو نے کہا کہ جب ایک زبان ختم ہوجاتی ہے تو پوری ثقافت ختم ہوجاتی ہے۔ انھوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ ہم ایسا نہیں ہونے دے سکتے۔ زبانوں سمیت اپنی ثقافتی وراثت کا تحفظ ہماری آئینی ذمے داری بھی ہے۔ انھوں نے کہا کہ ماہرین کے ذریعے مطالعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ تقریباً 600 زبانیں ختم ہونے کے دہانے پر ہیں اور گذشتہ 60 برس میں 250 سے زیادہ زبانیں گم ہوگئی ہیں۔ نائب صدر نے کہا کہ جدید ہندوستانی زبانوں کی قدیم جڑیں ہیں اور وہ کسی حد تک کلاسیکل زبانوں سے مشتق ہیں۔ انھوں نے اس بات پر زور دیتے ہوئے کہا کہ زبان کا تحفظ اور ترقی کو کثیر رخی اپروچ کی ضرورت ہے۔ جناب نائیڈو نے کہا کہ یہ پرائمری اسکول سطح پر شروع ہونی چاہیے اور تعلیم کی اعلیٰ سطحوں تک جاری رہنی چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ کم ازکم ایک زبان میں فنکشنل لٹریسی (ادب) کو یقینی بنایا جانا چاہیے۔ انھوں نے لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اپنے گھر، اپنی برادری میٹنگوں میں اور انتظامیہ میں اپنی آبائی زبانوں کا استعمال شروع کریں۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 5 اپریل 2019

بیادِ رفتگاں

نئی دہلی: اردو اکادمی، دہلی کے زیراہتمام سہ روزہ قومی سمینار بیاد رفتگاں (ڈاکٹر تنویر احمد علوی، پروفیسر عنوان چشتی، ڈاکٹر خلیق انجم، زبیر رضوی، ڈاکٹر اسلم پرویز اور مخمور سعیدی) کا انعقاد آڈیٹوریم، اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول میں ہوا۔ سمینار کا پہلا اجلاس 'بیاد ڈاکٹر تنویر احمد علوی' منعقد ہوا جس کی صدارت پروفیسر محمد ذاکر اور پروفیسر معین الدین جینابڑے نے کی اور نظامت کے

فرائض ڈاکٹر نوشاد عالم نے ادا کیے۔ سمینار کے پہلے اجلاس میں اپنی استقبالیہ تقریر کے دوران اردو اکادمی کے وائس چیئرمین پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ میں آپ سب کا صمیم قلب کے ساتھ استقبال کرتا ہوں۔ دہلی کی شخصیات بہت ہیں، جن پر سمینار ہونا چاہیے۔ اس وقت ہم نے چھ اہم شخصیات پر سمینار کے انعقاد کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سمینار دہلی کے تاریخی ہال میں منعقد کیا گیا، اینگلو عربک سینئر سیکنڈری اسکول سے دہلی کی زیادہ تر شخصیات وابستہ رہی ہیں اور علم و ادب کے میدان میں تاریخ رقم کرتی رہی ہیں۔ سمینار کے پہلے اجلاس کا پہلا مقالہ ڈاکٹر مظہر احمد نے تنویر احمد علوی کی تدریسی خدمات سے متعلق پیش کیا، دوسرا مقالہ پروفیسر سراج اجملی نے تنویر احمد علوی اور مطالعۂ ذوق نے عنوان سے پیش کیا۔ ڈاکٹر خالد علوی نے تنویر احمد علوی کی تنقید نگاری، ڈاکٹر شمس بدایونی نے تنویر احمد علوی بحیثیت محقق اور ڈاکٹر فیروز دہلوی نے تنویر احمد علوی: سوانح اور شخصیت کے عناوین پر مقالے پیش کیے۔ اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر معین الدین جینابڑے نے کہا کہ ہمارے زمانے میں مرحوم اکلوتے تھے، جو کلاسک کے حوالے سے علوم متداولہ پر دسترس رکھتے تھے۔ جن شخصیت پر سمینار کا انعقاد ہو رہا ہے قرار واقعی وہ اس کے مستحق ہیں۔ دوسرا اجلاس پروفیسر عنوان چشتی کی یاد میں منعقد کیا گیا، جس کی صدارت پروفیسر قاضی عبیدالرحمٰن ہاشمی اور پروفیسر وہاج الدین علوی نے کی اور نظامت کے فرائض نورین علی حق نے ادا کیے۔ جبکہ اس اجلاس میں پانچ مقالے پیش کیے گئے جن میں عمران عظیم، ڈاکٹر رشید اشرف خان، ڈاکٹر صفدر امام قادری، پروفیسر شہناز انجم اور پروفیسر احمد محفوظ شامل ہیں۔ دوسرے اجلاس کی صدارتی تقریر میں پروفیسر وہاج الدین علوی نے کہا کہ گفتگو اسی پر ہوتی ہے، جس کی کوئی حیثیت ہوتی ہے اور جس شخصیت کی اتنی جہات ہوں، ان پر اگر کسی طرح کی کوئی تنقید ہو تب بھی اس کی حیثیت مسلم ہوتی ہے، جب کوئی شخصیت بن جاتا ہے وہ پبلک پراپرٹی ہوجاتا ہے، عنوان صاحب جہاں ناقد ہیں وہیں وہ عروض داں بھی ہیں۔ اس موقعے پر دوسرے صدور نے بھی اپنے مقالات پیش کیے۔

دوسرے روز کے پہلے اجلاس کی صدارت دہلی یونیورسٹی کے سابق استاد پروفیسر علی جاوید نے اور نظامت ڈاکٹر شفیع ایوب نے کی۔ اس موقعے پر ڈاکٹر خلیق انجم کی اہلیہ پروفیسر مونی انجم نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ خیال رہے کہ سمینار کے دوسرے روز کا پہلا اجلاس ڈاکٹر خلیق انجم کی یاد میں منعقد کیا گیا۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر خلیق انجم کی شخصیت اور خدمات پر پانچ مقالے

پڑھے گئے۔ مہمان خصوصی کی حیثیت سے پروفیسر موہنی انجم نے کہا کہ ڈاکٹر خلیق انجم کی زندگی میں میری جگہ اردو، دہلی اور انجمن ترقی اردو ہند کے بعد کی تھی۔ مجھے تمام مقالات پسند آئے تمام مقالہ نگاروں نے محنت سے مقالے لکھے ہیں۔ پروفیسر علی جاوید نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ آخر میں جس بات کی طرف پروفیسر موہنی انجم نے اشارہ کیا ہے، وہ اہم ہے۔ ڈاکٹر خلیق انجم کی یاد میں منعقد اس اجلاس میں خصوصی طور پر ان کی صاحبزادی سیما انجم، استاذ ڈی پی ایس، متھرا روڈ بھی شریک تھیں۔ پروفیسر شہپر رسول نے کہا کہ جتنے مقالے پڑھے گئے خلیق انجم اس سے بھی زیادہ کے مستحق ہیں۔ دوسرے روز کے دوسرے اجلاس (بیادِ زبیر رضوی) میں اپنی صدارتی تقریر کے دوران پروفیسر صادق نے کہا کہ آج کے اس پروگرام میں میری شرکت صرف زبیر رضوی سے ذاتی مراسم کی وجہ سے ہوسکی ہے۔ زبیر رضوی کی شخصیت جاذب نظر اور باوقار تھی۔ انتظار حسین نے جو کام نثر میں کیا وہی کام زبیر صاحب نے نظم میں کیا۔ اور اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ زبیر رضوی نے نثری نظم میں بھی کامیاب شاعری کی ہے۔ خیال رہے کہ دونوں اجلاس کے مہمانان خصوصی اور صدور کو اردو اکادمی کے وائس چیئرمین معروف شاعر پروفیسر شہپر رسول نے گلدستے پیش کیے۔ دوسرے روز کے دوسرے اجلاس کی نظامت ڈاکٹر ثاقب عمران نے کی۔

تیسرے اور آخری روز کے پہلے اجلاس میں ڈاکٹر اسلم پرویز کی ادبی خدمات پر مقالات پیش کیے گئے۔ اس سمینار کی صدارت پروفیسر ابن کنول اور پروفیسر انور پاشا نے کی اور نظامت خان محمد رضوان نے کی۔ اس اجلاس میں زبیر خان سعیدی نے 'اسلم پرویز اور مطالعۂ بہادر شاہ ظفر'، ڈاکٹر عمیر منظر نے 'اسلم پرویز کی خاکہ نگاری'، ڈاکٹر شمیم احمد نے 'اسلم پرویز کی ادبی صحافت' جیسے عناوین پر مقالے پیش کیے۔ اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر انور پاشا نے کہا کہ یادرفتگاں کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ دبستان دلی کے اجڑنے کے بعد آزادی کے بعد جو دبستان وجود میں آیا، اس کے بنیادگزاروں میں یہ شخصیات تھیں۔ آزادی کے بعد اردو کے حالات پر اسلم پرویز کی حیثیت بہت مستحکم تھی۔ اسلم پرویز کی شاعری کا مجموعہ 'چندن کا پیڑ' سنجیدہ شاعری کا عمدہ نمونہ ہے۔ انھوں نے کہا کہ اردو ادب کو اسلم پرویز نے ایک معیار عطا کیا۔ وہ بے حد سلیقہ مند مدیر تھے۔ وہ زندگی کے تمام کام سلیقے سے کرتے تھے۔ انھوں نے جے این یو میں ایک مثالی استاد کی شناخت قائم کی تھی۔ پروفیسر ابن کنول نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ اسلم پرویز کی کتاب کو پڑھے بغیر بہادر شاہ ظفر کو سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ بہت سے گوشے ایسے ہوتے ہیں، جو شخصیت کے گزرنے کے بعد نظر انداز ہوجاتے ہیں۔ اسلم پرویز تخلیقی نثر لکھنے پر بھی قادر تھے۔ بہت مشکل ہوتا ہے مدیر ہونا اور ادارت کا حق ادا کرنا اور اسلم پرویز نے یہ کرکے دکھایا۔ ان کے اداریے بہت پسند کیے جاتے تھے۔ یہ شخصیت دہلی کی ایسی شخصیات ہیں، جنھوں نے آزادی کے بعد دہلی کی ادبی فضا کو بہت متاثر کیا ہے۔ سمینار کے آخری روز کے دوسرے اجلاس کی صدارت جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے کی اور نظامت ڈاکٹر خالد مبشر نے کی۔ اس اجلاس میں ڈاکٹر کلیم اصغر، حقانی القاسمی، ڈاکٹر نجمہ رحمانی، پروفیسر کوثر مظہری، ڈاکٹر ذکی طارق نے اپنے مقالے پیش کیے۔ سید شاہد مہدی نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ اس موضوع پر سمینار کا انعقاد ایک مستحسن قدم ہے، ان تمام شخصیات سے میں ذاتی طور پر واقف ہوں، جن پر سمینار کا انعقاد ہوا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 30 مارچ تا 1 اپریل 2019

شعبۂ فارسی جامعہ کی جانب سے توسیعی خطبات کا انعقاد

نئی دهلی: جامعہ ملیہ اسلامیہ میں شعبۂ فارسی میں پروفیسر عزیز الدین حسین سابق ڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹیز اینڈ لینگویجز نے سمینار میں خطبہ پیش کیا جبکہ دوسرے خطبے کے مقرر محمد رضا صالح، نمائندہ جامعۃ المصطفیٰ ایران در ہندوستان تھے اور صدارت کے فرائض پروفیسر عبدالحلیم صدر شعبۂ فارسی نے انجام دیے۔ ہندوستان میں تاریخ نویسی کی بنیاد مسلمانوں نے ڈالی، منہاج سراج کی 'طبقات ناصری' ہندوستان کی سب سے پہلی تاریخ کی کتاب مانی جاتی ہے، لیکن اس کے اندر بھی ہندوستان کی تاریخ کم، اسلامی تاریخ زیادہ ہے۔ ان خیالات کا اظہار شعبہ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سابق صدر پروفیسر عزیز الدین حسین ہمدانی نے شعبہ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کے چوتھے توسیعی خطبہ بعنوان 'عہد وسطیٰ میں فارسی تاریخ نویسی' کے دوران کیا۔ انھوں نے کہا کہ ضیاء الدین برنی کی 'تاریخ فیروز شاہی' میں جو دیباچہ رقم ہے وہ بہت جامع ہے۔ انھوں نے کہا کہ خواجہ نظام الدین اولیا کی خانقاہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ ان کے فیض یافتگان میں امیر خسرو جیسا شاعر، حسن سجزی جیسا شاعر و ادیب اور ضیاء الدین برنی جیسا نامور مورخ پیدا ہوا۔ ضیاء الدین برنی کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی تاریخ کو اسلامی اور مذہبی حدود میں محصور میں نہ رکھ کر سماجیات اور معاشیات پر بھی گہرا نقش چھوڑا ہے۔ حسن سجزی نے ملفوظات میں 'فوائد الفواد' کے نام سے خواجہ نظام الدین اولیا کے ملفوظات کو جس ڈھنگ سے ترتیب دیا ہے وہ کسی اور کے ملفوظات میں خال خال ہی ملتا ہے۔ پروفیسر موصوف نے کہا کہ بابر نے 'تزک بابری' لکھی، ہمایوں پراگندہ حالات کا شکار رہا جس کے سبب اسے لکھنے کا موقع نہ مل سکا۔ سولہویں صدی عیسوی میں ابوالفضل جیسا گزیٹر ہمیں مشرق و مغرب میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ 'آئینۂ اکبری' کو ہم اس عہد کی جامع و مانع اور منفرد گزیٹر کے طور پر یاد کرسکتے ہیں۔ پانچویں توسیعی خطبہ کے خطیب المصطفیٰ انٹرنیشنل یونیورسٹی ایران کے ہندوستان میں نمائندہ آقائی محمد رضا صالح نے عرفان و تصوف پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ کسی بھی صوفی کے لیے چار چیزیں لازم ہیں قرآن کے موافق ہو، سنت نبوی کے مطابق ہو، اس کے عمل میں بدعت نہ ہو اور اسے عقل بھی قبول کرے۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر سید کلیم اصغر نے کی جبکہ ڈاکٹر یاسر عباس نے قرآن کی تلاوت اور اعجاز صادق نے نعت پاک کا نذرانہ پیش کیا۔ آخر میں شعبہ فارسی کے پروفیسر عراق رضا زیدی نے منظوم شکریہ پیش کرکے حاضرین کو محظوظ کیا۔

روزنامہ 'میرا وطن' دہلی، 13 مارچ 2019

اردو اسکولوں میں تدریس کے مسائل اور حل

نئی دهلی: ''اردو اسکولوں میں تدریس کے مسائل اور حل'' کے موضوع پر آج اردو گھر میں یک روزہ سمینار کا انعقاد کیا

گیا۔ حق ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیئر سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد سمینار میں مہمان خصوصی کے طور پر نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اوپن اسکولنگ کے ڈپٹی ڈائرکٹر شعیب رضا خاں وارثی نے جبکہ مہمانان معظم کی حیثیت سے انجمن ترقی ہندو کے جنرل سکریٹری اطہر فاروقی، سابق میونسپل کونسلر عشرت جہاں پنکی اور فتح پوری سینئر سیکنڈری اسکول کے منیجر خلیل احمد نے شرکت کی۔ شعیب رضا خاں وارثی نے کہا کہ مشاعروں اور سمیناروں کے اہتمام سے اردو زبان

اور اردو اسکولوں میں تدریس کے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکادمی اور قومی اردو کونسل کے پاس سرکار کی طرف سے کروڑوں روپے کا فنڈ آتا ہے، ہمیں ان اداروں کے سربراہان کے ساتھ بیٹھ کر بات چیت کرنی چاہیے اور اردو اسکولوں کے مسائل کے سدباب کے لیے خاکہ تیار کرنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو زبان کی تنزلی کے لیے ہم خود سب سے زیادہ ذمے دار ہیں ہم اپنے بچوں کو اسکولوں میں اردو پڑھانا نہیں چاہتے، گھروں میں اردو سیکھنے اور سکھانے کا رواج نہیں رہا، یہ بنیادی باتیں ہیں جن پر ہمیں توجہ دینی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ جنوبی ہندوستان میں اردو زبان کافی ترقی کر رہی ہے، وہاں ہزاروں اردو میڈیم اسکول چل رہے ہیں جب کہ دلی اور اترپردیش میں اردو زبان اور اردو اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اپنے صدارتی خطبے میں اطہر فاروقی نے کہا کہ محض سمینار کرنے سے اردو اسکولوں میں تدریس کے مسائل حل نہیں ہوں گے، خاص کر دلی حکومت سے مطالبہ کے ذریعے مسائل کے حل کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ انھوں نے کہا کہ اس کے لیے ایک لمبی لڑائی لڑنی ہوگی۔ اس موقعے پر فتح پوری سینئر سیکنڈری اسکول کے منیجر خلیل احمد اور سابق میونسپل کونسلر عشرت جہاں پنکی نے بھی اظہار خیال کیا۔ بعدازاں مظہرالاسلام سیکنڈری اسکول کے استاد ڈاکٹر صغیر اختر، ایم سی ڈی اسکول کے پرنسپل فرید وارثی اور ایم سی ڈی اسکول کے استاد محمد الام الدین نے 'اردو اسکولوں میں تدریس کے مسائل اور حل' کے موضوع پر اپنے اپنے مقالے پیش کیے۔ سمینار کی نظامت کے فرائض کنوینر محمد ساجد نے بحسن خوبی انجام دیے جب کہ سمینار کے آغاز میں حق ایجوکیشنل اینڈ سوشل ویلفیئر سوسائٹی کے صدر محمد شاداب نے معزز مہمانان کا استقبال کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 31 اپریل 2019

اردو غزلوں کی مقبولیت میں اضافہ

نئی دهلی: انٹرنیٹ کی وجہ سے اردو غزلیں دنیا میں خوب مقبول ہو رہی ہیں اور اب انگریزی سمیت کئی زبانوں میں غزلیں لکھی جا رہی ہیں۔ پوری دنیا میں ریختہ فاؤنڈیشن پر اردو ادب پڑھنے والوں کی روزانہ تعداد ایک لاکھ تک پہنچ گئی ہے۔ یہ کہنا ہے جامعہ ملیہ کے سبکدوش انگریزی پروفیسر اور مشہور مترجم شاعر ڈاکٹر انیس الرحمٰن کا جنھوں نے گذشتہ 500 سالوں کی اردو غزل کا ایک مجموعہ نکالا جس میں 500 شاعروں کی غزلوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے جامعہ کے سابق رجسٹرار ڈاکٹر رحمان کی کتاب 'ہزاروں خواہشیں ایسی' کی گذشتہ روز یہاں رسم رونمائی کی گئی جس میں مشہور غزل گلوکارہ ریشمی اگروال نے چنندہ غزلیں بھی گائیں۔ ڈاکٹر رحمٰن نے یو این آئی کو بتایا کہ ہندوستان میں سولہویں صدی میں اردو کے پہلے غزل شاعر قلی قطب شاہ ہوئے۔ اس کے بعد سے 500 سال تک غزلیں لکھی جاتی رہیں۔ اب تو بنگلہ، گجراتی، مراٹھی، کشمیری میں بھی غزلیں لکھی جا رہی ہیں، ہندی میں بھارتیندو ہریش چندر نے پہلی غزل لکھی، شمشیر اور ترلوچن نے بھی غزلیں لکھیں لیکن دشینت کمار سے ہندی غزلیں خوب مقبول ہوئیں۔ انٹرنیٹ فیس بک وہاٹس ایپ سے اردو غزل کافی مقبول ہوئی اور امریکہ، کینیڈا، اسپین، آسٹریلیا، آسٹریا اور یورپ کے کئی ممالک میں غزلیں لکھی جا رہی ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ انگریزی میں بھی غزلیں لکھی جا رہی ہیں اور آج سے دس سال قبل آغا شاہد علی نے 100 انگریزی غزلوں کی کتاب نکالی جو امریکہ میں شائع ہوئی تب میں نے اس کی تجزیہ نگاری بھی کی۔ انھوں نے بتایا کہ ریختہ فاؤنڈیشن کی ویب سائٹ نے دنیا میں اردو کو مقبول بنایا ہے جس پر روزانہ تقریباً ایک لاکھ ہٹس آتے ہیں۔ دنیا کے 40 زائد ممالک سے یہ ویب سائٹ دیکھی جاتی ہے۔ جہاں جہاں غیر ملکی ہندوستانی اور غیر ملکی پاکستانی وہاں اردو کا نشان ہے۔ ہندی فلموں نے بھی اردو کو مقبول بنایا ہے۔ انھوں نے بتایا کہ اردو کی 500 سال پرانی تخلیق کو دنیا کے سامنے انگریزی میں پیش کیا جائے گا جس سے دنیا کو پتہ چلے گا کہ زبان کتنی شیریں ہے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 30 مارچ 2019

دهلی:

مشترکہ ثقافت کے احیا میں تصوف کا کردار

نئی دهلی: قومی سطح پر تنظیم 'ایس ویژن' کے زیراہتمام مورخہ 23 فروری 2019 کو قومی سمینار بعنوان 'مشترکہ ثقافت کی احیا میں تصوف کا کردار' کا انعقاد انڈیا ہیبی ٹیٹ سینٹر، نئی دہلی میں کیا گیا۔ خیرمقدمی اور تعارفی تقریر میں سمینار کی کنوینر محترمہ ڈاکٹر مہر فاطمہ حسین، صدر 'ایس ویژن' نے اپنی تقریر میں تصوف پر اظہار خیال کرتے ہوئے اس کی معنویت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ ڈاکٹر مہر نے کہا کہ ہماری سماجی و تہذیبی زندگی کو مربوط رکھنے میں اس کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ رواداری و بردباری، انسانی ہمدردی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے فروغ اور انسانیت کے احترام کی جو مثالیں صوفیا کی تعلیم میں دیکھنے کو ملتی ہیں، بے نظیر ہیں۔ سمینار کے افتتاحی اجلاس کی صدارت اردو کے مشہور ناقد و محقق پروفیسر شافع قدوائی نے فرمائی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبے میں ادب پاروں میں موجود فرقہ وارانہ ہم آہنگی، اخوت، رواداری اور مساوات جیسے تصورات و اصطلاحات کو تفصیل سے بیان کیا۔ پروفیسر ایس۔ ایم۔ عزیزالدین حسین جامعہ ملیہ اسلامیہ، نے پرمغز کلیدی خطبہ پیش کیا۔ انھوں نے کشمیری سماج کی وحدت، صلح کل اور ہندوستان کے مختلف علاقوں اور خطوں میں صوفیا کے مختلف سلسلوں کے حوالے سے بصیرت افروز تقریر کی۔ انھوں نے عصر حاضر کے پس منظر میں تعلیمات صوفیہ کی اہم جہات سے ملک و قوم کو استفادہ کرنے کا بھی مشورہ دیا۔ افتتاحی اجلاس کے مہمان خصوصی پدم شری پروفیسر اخترالواسع نے کہا کہ ڈاکٹر مہر فاطمہ نے جو شمع جلائی ہے اس کی روشنی دور تک پھیلے گی اور ہمیں چاہیے کہ اس شمع سے اور بھی شمعیں فروزاں کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ انھوں نے کہا کہ ہندوستان کی روح فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور رواداری کی روایات میں بستی ہے اور جب تک رواداری کی یہ روایت برقرار رہے گی ہندوستان کا مستقبل روشن و تابناک رہے گا اور یہاں کی فضا میں قومی یکجہتی کی خوشبو پھیلتی رہے گی۔ افتتاحی اجلاس کے دوسرے مہمان اعزازی شاعر اور ناول نگار ڈاکٹر ترنم ریاض نے اپنی گفتگو میں خاص طور پر کشمیر اور پنجاب میں صوفیا کی تعلیمات اور ان کے فیضان سے معاشرے میں آئے انقلاب کا ذکر کیا۔ آخر میں پروفیسر اخلاق آہن،

شعبۂ فارسی، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، نئی دہلی نے تمام مہمانوں، شرکا اور سامعین کا شکریہ ادا کیا۔ پہلے تکنیکی سیشن کی صدارت پروفیسر رضوان قیصر شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی اور پروفیسر نشاط منظر، شعبۂ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے فرمائی۔ اس سیشن میں پانچ مقالات پڑھے گئے۔ پروفیسر رضوان قیصر نے اپنے صدارتی خطبے میں تعلیمات صوفیہ کے زیر اثر وجود میں آنے والی مشترکہ تہذیب کی اہمیت وافادیت پر روشنی ڈالی۔

پروفیسر نشاط منظر نے اپنے صدارتی کلمات میں مختلف صوفی سلسلوں میں باہمی نظریاتی اختلافات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ صوفیا کی ذات کو انسانی کمزوریوں سے یکسر پاک نہیں سمجھنا چاہیے۔ ظاہر ہے وہ بھی بشری تقاضوں سے پاک نہیں ہیں۔ دوسرے تکنیکی سیشن کی صدارت کے فرائض پروفیسر ایس ایم عزیز الدین حسین اور پروفیسر صبیحہ حسن، ڈائرکٹر سروجنی نائیڈو سینٹر فار وومین اسٹڈیز، جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی نے مشترکہ طور پر انجام دیے۔ اس سیشن میں کل پانچ مقالات پڑھے گئے۔ پروفیسر ایس ایم عزیز الدین حسین نے تمام مقالات کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ مقالے محنت اور خلوص سے لکھے گئے ہیں۔ انھوں نے تمام مقالات پر اجمالی رائے بھی پیش کی۔ پروفیسر صبیحہ حسین نے اپنے صدارتی خطبے میں مقالہ نگاروں کو اور سیمینار کے منتظمین کو اس اہم موضوع پر سیمینار منعقد کرانے کے لیے مبارک باد پیش کی۔ تیسرے تکنیکی سیشن کی صدارت پروفیسر رامیشور پی بہوگنا، شعبۂ تاریخ، جامعہ ملیہ اسلامیہ اور پروفیسر علیم اشرف صدر، شعبۂ فارسی دہلی یونیورسٹی نے فرمائی۔ اس میں کل چھ مقالات پیش کیے گئے۔

پروفیسر رامیشور پی بہوگنا نے اپنی صدارتی تقریر میں مقالہ نگاروں اور سیمینار کے منتظمین کی تعریف کی۔ پروفیسر علیم اشرف نے تمام مقالہ نگاروں کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتے ہوئے تعلیمات صوفیہ اور ہندوستان کی مشترکہ تہذیب کی اہمیت پر روشنی ڈالی اور مشترکہ تہذیب کی پاسداری اور اس کے تحفظ کو اقتضائے وقت قرار دیا۔ آخر میں سیمینار کنوینر، ڈاکٹر مہر فاطمہ حسین نے تمام مہمانان، شرکا اور سامعین اجلاس کا شکریہ ادا کیا۔

پریس ریلیز: مہر فاطمہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی، 24 فروری 2019

ایس سی شکلا یادگاری خطبہ

نئی دھلی: جامعہ ملیہ اسلامیہ کے شعبۂ تعلیمی مطالعات میں سے 70 واں ایس سی شکلا یادگاری خطبہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جج جسٹس آفتاب عالم نے کہا

کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ نے آزادی کے لیے ہونے والی قومی جدوجہد کی کوکھ سے جنم لیا ہے اور آزادی کی جدوجہد کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ جامعہ کا فلسفہ، مشن اور ویژن انگریزی حکومت کے خلاف قومی جذبے سے سرشار قومی رہنماؤں کی آزادی کی جدوجہد کی ایک عظیم کڑی ہے۔ جسٹس آفتاب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ کے ارتقا اور اس کے پس منظر پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے موجودہ نظامِ تعلیم پر بھی اپنی تشویش کا اظہار کیا جس میں تعلیم کا مقصد انسانیت سازی سے ہوکر مادیت پرستی ہوگیا۔ تعلیمی اداروں کے اقلیتی کردار اور عدلیہ کے ذریعے تصفیہ کردہ کیسوں پر دہلی یونیورسٹی کے سینٹ اسٹیفن کالج کے علاوہ دیگر تعلیمی اداروں کے حوالے سے بات کرتے ہوئے جسٹس آفتاب عالم نے کہا کہ گزشتہ دہائیوں میں عدالت اور تعلیمی اداروں میں کافی نزدیکیاں بڑھی ہیں۔ تقریب کی صدارت جامعہ کے سابق وائس چانسلر سید شاہد مہدی نے کی۔ اس موقعے پر شعبہ تعلیمی مطالعات کے براؤشر Infologue کی رسم اجرا بھی کی گئی۔ پروفیسر ہرجیت کور بھاٹیا نے آخر میں اظہارِ تشکر پیش کیا۔ ڈاکٹر ارشد اکرام نے نظامت کی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 10 مارچ 2019

اردو ادب میں ہندو دیومالائی عناصر

نئی دھلی: شعبۂ اردو دہلی یونیورسٹی، دہلی کے زیر اہتمام یک روزہ قومی ریسرچ اسکالرز سیمینار بعنوان 'اردو ادب میں ہندو دیومالائی عناصر' کے موضوع پر منعقد کیا گیا جس میں دہلی یونیورسٹی، جواہر لال نہرو یونیورسٹی جامعہ ملیہ اسلامیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، الہ آباد یونیورسٹی، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی اور میرٹھ یونیورسٹی کے ریسرچ اسکالرز نے شرکت کی۔ یہ سیمینار دو سیشن پر مشتمل رہا۔ پہلے اجلاس میں چھ مقالہ نگاروں نے اپنے مقالات پڑھے۔ اس اجلاس کی صدارت پروفیسر ابن کنول، ڈاکٹر نجمہ رحمانی اور ڈاکٹر ابوبکر عباد، ڈاکٹر محمد کاظم نے کی۔ استقبالیہ خطبہ میں صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی پروفیسر ارتضیٰ کریم نے اساطیر، دیومالائی عناصر پر سیر حاصل گفتگو کی۔ اس موقعے پر کلکتہ سے تشریف لائے پروفیسر دبیر احمد مہمان خصوصی رہے۔ انھوں نے افتتاحی اجلاس میں موضوع سے متعلق اہم گفتگو کی اور کہا کہ اس طرح کے سیمینار کے انعقاد کی بہت ضرورت ہے تاکہ ہم طلبا کو تربیت دے سکیں۔ پروفیسر دبیر احمد نے اپنے صدارتی خطبے میں فرمایا کہ ادب کی تفہیم کے لیے تاریخ کا مطالعہ ضروری ہے۔ انھوں نے کامیاب سیمینار کے انعقاد پر شعبۂ اردو کو مبارک باد پیش کی۔ دوسرے سیشن میں 11 مقالے پیش کیے گئے جن میں علیم اللہ، محمد رضوان خان، مہر فاطمہ، عرفان خان، حدیثہ افضل (ڈی یو)، تفسیر حسین (جے این یو)، سلامہ، اثنا سحر (الہ آباد)، صبا انجم (جامعہ ملیہ اسلامیہ)، معراج احمد، تاجور بانو ہیں۔ اس سیشن کی صدارت ڈاکٹر ارشاد نیازی، ڈاکٹر متھن کمار، ڈاکٹر سرفراز جاوید اور ڈاکٹر دانش خان نے کی۔ اس سیمینار میں نظامت کے فرائض شاہد اقبال اور محمد رضا نے انجام دیے۔ رسم تشکر اکرم حسین نے ادا کی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 29 مارچ 2019

مثنوی مولانا روم اور اپنشد میں مماثلت ومطابقت

نئی دھلی: شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے اٹھارہواں پروفیسر ہادی حسن یادگاری خطبہ بعنوان 'مثنوی مولانا روم اور اپنشد میں مماثلت ومطابقت' دیار میر تقی میر کے میر انیس ہال میں منعقد ہوا۔ اس خطبے کی مقرر خاص پروفیسر فاطمہ بیگم پروین، سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد تھیں۔ مہمان خصوصی کی ذمے داری پروفیسر صادق سابق صدر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی نے انجام دی۔ پروگرام کی صدارت پروفیسر عبدالحلیم صدر شعبۂ فارسی جامعہ ملیہ اسلامیہ نے کی۔ جبکہ خطبے کی نظامت کے فرائض پروفیسر عراق رضا زیدی نے بحسن وخوبی انجام دیے۔ خطبے کا آغاز بی اے سال اول کے طالب علم محمد اعجاز صوفی نے تلاوت کلام پاک سے کیا گیا۔ پروفیسر عراق رضا زیدی نے استقبالیہ کلمات کے دوران مولانا جلال الدین رومی کی مشہور مثنوی معنوی پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فارسی زبان میں یہ واحد عرفانی مثنوی ہے جس کی ابتدا بسم اللہ سے نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مثنوی معنوی سورہ توبہ کی تاسی میں بغیر بسم اللہ کے ہے۔ پروفیسر فاطمہ بیگم پروین نے اپنے خطاب میں کہا کہ فارسی تہذیب ہزاروں سال پر مشتمل ہے جس میں اخلاقی اقدار اپنی تمام تر خصوصیات کے ساتھ موجود ہیں۔ پروفیسر صادق نے اپنشد ومولانا رومی کی مثنوی پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ جو مفاہیم اپنشد میں پائے جاتے ہیں وہی سب مثنوی معنوی میں موجود ہیں۔ 20 ویں صدی کے بڑے شاعر علامہ اقبال نے رومی کے

فلسفہ کو پڑھا۔ پروفیسر عبدالحلیم نے اپنے صدارتی خطبے میں کہا کہ پروفیسر ہادی حسن صاحب کا 125واں یوم ولادت ہے پروفیسر ہادی حسن کا تعلق دکن سے تھا اور آج کی مقررہ خاص کا تعلق بھی دکن ہی سے ہے۔

روزنامہ 'انقلاب' دہلی، 6 مارچ 2019

جامعہ ہمدرد میں بیسواں توسیعی خطبہ کا انعقاد

نئی دہلی: جامعہ ہمدرد میں خصوصی لیکچر سیریز کی بیسویں قسط کا انعقاد بعنوان 'دق کی دواؤں کی ایجادات' کیا گیا جس کی صدارت جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر پروفیسر سید احتشام حسنین نے کی اور اس موقعے پر مہمان خصوصی کے طور پر معروف سائنسداں کیمبرج یونیورسٹی یو کے کے ریسرچ ڈائرکٹر سر ٹام بلنڈیل نے شرکت کی، جنھوں نے ایک معروف سائنسداں ہونے کے ساتھ ساتھ انسولین اور کینسر پر بیش بہا خدمات انجام دیں۔ اس تقریب میں مہمانوں کا استقبال جامعہ ہمدرد کے پرووائس چانسلر پروفیسر احمد کمال نے کی۔ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے سر ٹام بلنڈیل نے ٹی بی اور دنیا بھر میں مستقبل میں اس سے پیدا ہونے والے خطرات سے آگاہ کیا۔ صدارتی خطبہ میں جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر پروفیسر سید احتشام حسنین نے مہمان محترم کا استقبال کرتے ہوئے جامعہ ہمدرد کے اس توسیعی لیکچر سیریز کی اہمیت اور موضوع کی مناسبت پر خصوصی طور سے روشنی ڈالی۔ پروگرام کی نظامت ڈاکٹر زینت اقبال نے کی۔ اخیر میں پروفیسر شاہد حسین انصاری ڈائرکٹر فاصلاتی نظام تعلیم جامعہ ہمدرد نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 21 مارچ 2019

غالب اردو تحقیق وتنقید کا معیار

نئی دہلی: غالب اس معاملے میں نہایت خوش نصیب تھے کہ ان کے تعلق سے نہ صرف کثرت سے مطالعے سامنے آئے بلکہ غالب کی زندگی اور شخصیت کے بہت سے گوشوں پر اردو کے بڑے بڑے محققین نے غیر معمولی تحقیقی کارنامے انجام دیے۔ ان خیالات کا اظہار ممتاز نقاد پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی نے شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ کے زیر اہتمام منعقدہ منشی نول کشور یادگاری خطبے کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا۔ انھوں نے کہا کہ ایسا نہیں ہے کہ اردو کی کلاسیکی روایت میں غالب تنہا شاعر ہے بلکہ دیگر بہت سے شعرا ہیں جن پر اعلیٰ درجے کی تحقیقی وتنقیدی کاموں کی ضرورت ہے لیکن اسے غالب کی خوش قسمتی کہا جائے گا کہ زیادہ تر توجہ غالب پر کی گئی ہے۔ اس موقعے پر صدر شعبۂ اردو پروفیسر شہزاد انجم نے تمام مہمانان کا خیر مقدم کیا اور اپنے استقبالیہ کلمات میں فرمایا کہ شعبہ اردو کی خوش بختی ہے کہ اردو دنیا کے بڑے عالم، نقاد، محقق، شاعر، ناول نگار پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی صاحب اور اردو کے بلند پایہ محقق اور غالب شناس پروفیسر ظفر احمد صدیقی صاحب کی شعبہ میں تشریف آوری ہوئی ہے، ہم ان کا صمیم قلب سے استقبال کرتے ہیں۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے 'غالب اردو تحقیق وتنقید کا معیار' کے عنوان سے اپنا گراں قدر خطبہ پیش کیا۔ اس یادگاری خطبے کے کنوینر پروفیسر احمد محفوظ نے نظامت کرتے ہوئے فرمایا کہ مہمان مقرر پروفیسر ظفر احمد صدیقی اردو دنیا کی ان معدودے چند شخصیات میں ہیں جن کی علمیت اور غیر معمولی بصیرت کو حقیقی معنی میں اعتبار حاصل ہے۔ انھوں نے مزید فرمایا کہ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کو دیکھنا اور سننا بالخصوص نئے طالب علموں کے لیے تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ شعبۂ اردو کے سینئر استاد اور ممتاز شاعر پروفیسر شہپر رسول نے مہمانان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ پروفیسر شمس الرحمٰن فاروقی کی سرپرستی شعبۂ اردو، جامعہ کو ہمیشہ حاصل رہی ہے۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 12 مارچ 2019

دورِ حاضر کے ہندوستان میں عربی زبان و ادب کی افادیت

نئی دہلی: عربی زبان دنیا کی قدیم ترین زبانوں میں سے ایک عالمی زبان ہے، اس زبان کی اہمیت ہر دور میں رہی ہے اور ہے، معاصر دور میں اس کی اہمیت روز افزوں ہے۔ ان خیالات کا اظہار پروفیسر ولی اختر استاد شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی نے کیا۔ وہ شعبۂ عربی و فارسی ذاکر حسین دہلی کالج دہلی یونیورسٹی کے سیمنار ہال میں دور حاضر کے ہندوستان میں عربی زبان و ادب کی افادیت کے موضوع پر توسیعی خطبہ پیش کر رہے تھے۔ انھوں نے کہا کہ کسی بھی زبان پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے جو بھی چاہے محنت کر کے اس میں مہارت حاصل کر سکتا ہے۔ یہی وہ زبان ہے جو پہلے بھی جاتی ہے پھر بولی جاتی ہے۔ اگر اس میں مہارت حاصل ہو جائے تو دین کے ساتھ معاش بھی اچھی ہو جائے گی۔ توسیعی خطبے کی صدارت شعبۂ عربی دہلی یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر سید حسنین اختر نے کی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ آج بین الاقوامی سطح پر عربی زبان کی مقبولیت کے ساتھ ضرورت بھی بڑھتی جا رہی ہے۔ اس زبان میں روزگار کے مواقع بھی بڑھتے جا رہے ہیں۔ آج ملٹی نیشنل کمپنیاں عربی مترجمین کو ہائر کر رہی ہیں، اس لیے یہ صرف مذہبی زبان نہیں ہے، بلکہ اس کا روزگار سے بھی گہرا رشتہ ہے۔ تقریب کی نظامت شعبۂ عربی و فارسی ذاکر حسین دہلی کالج (شبینہ) کے استاد ڈاکٹر محمود فیاض ہاشمی نے کی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 8 مارچ 2019

عربی زبان میں ریسرچ کی مہارت

نئی دہلی: علمی تحقیق میں مصادر اصلیہ کی طرف مراجعت بے حد ضروری ہے۔ مصادر و مراجع سے استفادے کے بغیر معیاری تحقیق ممکن نہیں ہے۔ ان خیالات کا اظہار امام محمد بن سعود یونیورسٹی مکہ مکرمہ میں شعبۂ نحو صرف اور فقہ اللغہ کے استاد پروفیسر ڈاکٹر خالد بن ابراہیم بن احمد النملہ نے کیا۔ وہ شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز بین الاقوامی مرکز برائے عربی زبان کے زیر اہتمام سعودی کلچرل اتاشی، نئی دہلی اور جواہر لال نہرو یونیورسٹی کے تعاون سے 'عربی زبان میں ریسرچ کی مہارت' کے موضوع پر جے این یو کے کانفرنس ہال میں منعقدہ بین الاقوامی سمینار میں مقالہ خوانی کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنے مقالے میں کہا کہ ہر زبان کے لیے اصول وضوابط ہیں کسی زبان میں ریسرچ کے وقت اس کا لحاظ بہت ضروری ہے۔ سمینار کے دوسرے مقالہ نگار پروفیسر ڈاکٹر ظافر العمری نے اپنے مقالے میں کہا کہ بحوث سابقہ کی قرأت میں املا کی غلطیوں سے بچنا ناگزیر ہے، ورنہ غلط نص کو پڑھ کر اپنی تحقیق کو صحیح سمت میں نہیں لے جا سکتے، جبکہ تحقیق کا مقصد ہی ہوتا ہے صحت کے ساتھ نئی معلومات کا انکشاف۔ سمینار میں تیسرے مقالہ نگار ڈاکٹر عبداللہ السکویت نے کہا کہ ریسرچ میں صبر وتحمل ضروری ہے، صحیح نتیجے تک رسائی کے لیے عجلت پسندی تحقیق میں معیوب ہے۔ سمینار کی صدارت پروفیسر زبیر احمد فاروقی سابق صدر شعبۂ عربی جامعہ ملیہ اسلامیہ نے کی، جبکہ نظامت کا فریضہ ڈاکٹر قطب الدین نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ سمینار میں صدارتی کلمات پیش کرتے ہوئے پروفیسر زبیر احمد فاروقی نے فاضل مقالہ نگاران، شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز بین الاقوامی مرکز برائے عربی زبان، سعودی کلچرل اتاشی اور جے این یو کے شعبہ عربی کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہا کہ سمینار کا موضوع نہایت اہم تھا اور اس سے ریسرچ کرنے والوں کو اچھی رہنمائی ہوئی۔ قبل ازیں افتتاحی نشست کی نظامت پروفیسر رضوان الرحمٰن نے کی، صدارت جے این یو کے ریکٹر پروفیسر چنتامنی مہاپاترا نے کی اور اسکول

آف لینگویج کے ڈین پروفیسر راجندر ڈینگلے نے عرب مہمانان کا استقبال کرتے ہوئے ہند-عرب تعلقات پر روشنی ڈالی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 10 مارچ 2019

اردو فکشن: نئے موضوعات، نئے رجحانات

نئی دہلی: جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے ہندوستانی زبانوں کے مرکز میں سالانہ کبیر میموریل لکچر کا انعقاد ہوا۔

'اردو فکشن: نئے موضوعات، نئے رجحانات' کے موضوع پر مشہور فکشن رائٹر اور گروپ ایڈیٹر راشٹریہ سہارا مشرف عالم ذوقی نے پر مغز لکچر دیا۔ ہندوستانی زبانوں کے مرکز کے چیئر پرسن، ہندی کے مشہور نقاد پروفیسر اوم پرکاش سنگھ نے استقبالیہ کلمات ادا کرتے ہوئے ہندی اردو کے رشتوں کی بات کی۔ اس موقعے پر پروفیسر اوم پرکاش سنگھ نے کہا کہ ہم ایک زمانے سے مشرف عالم ذوقی کو پڑھتے رہے ہیں۔ وہ اردو کے ساتھ ساتھ ہندی حلقے میں بھی مقبول ہیں۔ ہندوستانی زبانوں کے مرکز کے سابق چیئر پرسن، ممتاز نقاد اور مفکر پروفیسر انور پاشا نے تعارفی کلمات ادا کرتے ہوئے کبیر میموریہ لکچر کی افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ کبیر کے نام سے یہ میموریل لکچر بلا وجہ نہیں ہے۔ کبیر کے نام سے اس میموریل لکچر کا قیام ہمارے سینٹر کی نوعیت کے ساتھ پوری طرح ہم آہنگ ہے کیونکہ کبیر ہماری مشترکہ تہذیب کے بڑے علمبردار ہیں۔ کبیر نہ صرف ایک شاعر تھے بلکہ وہ ایک سماج سدھارک تھے، ریفارمر تھے۔ کبیر میموریل لکچر کے کنوینر پروفیسر انور پاشا نے مشرف عالم ذوقی کے علاوہ صدر شعبۂ اردو جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر شہزاد انجم، بچوں کا مقبول رسالہ 'ماہنامہ گل بوٹے' ممبئی کے ایڈیٹر فاروق سید، روزنامہ انقلاب پٹنہ کے ریزیڈنٹ ایڈیٹر، مشہور ادیب و کالم نگار احمد جاوید، ناول نگار احمد صغیر، بچوں کے ادیب سراج عظیم اور 'دربھنگہ ٹائمز' کے مدیر منصور خوشتر کا بھی استقبال کیا۔ اس موقعے پر مشرف عالم ذوقی نے اپنے ایک گھنٹے کے خطاب میں نہ صرف اردو فکشن کی بات کی بلکہ ہندی اور انگریزی فکشن کی موجودہ صورت حال پر بھی بے حد دلچسپ گفتگو کی۔ ذوقی نہ صرف ایک ممتاز ناول نگار اور افسانہ نگار ہیں۔ وہ فکشن کے بڑے نقاد بھی ہیں۔ وہ اردو فکشن کو مغربی پیمانہ نقد پر پرکھنے کے بجائے ہندوستانی پیمانے پر پرکھنے اور قدر و قیمت کے تعین کا مزاج رکھتے ہیں۔ یہی بات انھیں دیگر سکہ بند نقادوں سے الگ شناخت عطا کرتی ہے۔ صدر شعبۂ اردو، جامعہ ملیہ اسلامیہ پروفیسر شہزاد انجم نے اپنی صدارتی تقریر میں کبیر میموریل لکچر نے اس شاندار انعقاد کے لیے پروفیسر انور پاشا، پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین اور چیئر پرسن پروفیسر اوم پرکاش سنگھ کا شکریہ ادا کیا۔ اپنی مختصر مگر جامع صدارتی تقریر میں پروفیسر شہزاد انجم نے کہا کہ تعلیمی اداروں کی پہچان بلند و بالا عمارتوں سے نہیں ہوتی ہے، بلکہ ان کی پہچان وہاں کے اساتذہ اور ریسرچ اسکالرس سے ہوتی ہے اور جے این یو کو اس معاملے میں ایک افتخار حاصل ہے۔ پروفیسر شہزاد انجم نے کہا کہ ذوقی ان کے پسندیدہ فکشن رائٹر ہیں۔ اسی لیے انھوں نے ذوقی پر ایک بھرپور کتاب لکھی ہے۔ صدر جلسہ پروفیسر شہزاد انجم کے صدارتی خطبے کے بعد ناظم جلسہ نے قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کے سابق ڈائرکٹر، ورلڈ اردو ایسوی ایشن کے سربراہ، عالمی سطح پر اردو کے فروغ کے لیے کوشاں پروفیسر خواجہ محمد اکرام الدین کو دعوت دی۔ پروفیسر خواجہ اکرام نے فرداً فرداً تمام مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 23 مارچ 2019

اتر پردیش:

پروفیسر محمود الحسن رضوی کی شخصیت اور خدمات

لکھنؤ: دور جدید میں اردو ادب بالخصوص اردو نثر کے گیسو سنوارنے والی اہم شخصیات کا اگر شمار کیا جائے تو اس میں پروفیسر سید محمود الحسن رضوی کا نام یقینی طور پر شامل ہوگا۔ وہ انکساری اور سادگی کا مجسمہ تھے۔ باصلاحیت اور شفیق استاد ہونے کے ساتھ ہی ایک ادیب، محقق اور نقاد کی حیثیت سے ان کی قابل قدر خدمات کے اعتراف کے سلسلے میں آج آل انڈیا کیفی اعظمی اکیڈمی کے تحت اکیڈمی کے آڈیٹوریم میں 'پروفیسر محمود الحسن رضوی کی شخصیت اور خدمات' کے عنوان سے ایک سیمینار کا انعقاد کیا گیا۔ معروف اردو اسکالر اور سابق صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی پروفیسر فضل امام کی صدارت میں ہونے والے اس سیمینار میں بطور مہمان خصوصی کمانڈر تابش محمود نے شرکت کی۔ نظامت پروفیسر صابرہ حبیب نے کی۔ اس موقعے پر مقررین نے پروفیسر محمود الحسن رضوی کی شخصیت و خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے شکوہ کیا کہ پروفیسر محمود احسن کو وہ مقام نہیں ملا جس کے وہ مستحق تھے۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی اردو کی خدمت میں گزاری۔ ان کے اندر انکساری اور سادگی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ پروفیسر شارب ردولوی نے کہا کہ ان کی زندگی اردو کے لیے وقف تھی لیکن ان کے ساتھ اردو والوں نے اچھا سلوک نہیں کیا۔ ایک ایسی شخصیت جس نے اردو کی خدمت کی اسے آخر وقت تک نہ کوئی اعزاز ملا اور نہ ہی کوئی انعام۔ ڈاکٹر حمایت حسین جائسی نے اپنے خطاب میں کہا کہ پروفیسر محمود الحسن اپنے پیشہ تدریس میں حد درجہ ایماندار تھے۔ ایک باصلاحیت اور رفیق استاد ہونے کے سبب طلبا میں بے حد مقبول تھے۔ پروفیسر محمود الحسن کا اہم کارنامہ تنقید کے شعبہ میں ان کی تصنیف 'اردو تنقید میں نفسیاتی عناصر' ہے جس میں جدید تنقیدی رجحانات کی روشنی میں نفسیاتی تنقید سے بحث کی گئی ہے۔ معروف شاعرہ ڈاکٹر نسیم نکہت نے پروفیسر محمود الحسن کی شخصیت اور خدمات پر پر مغز مقالہ پیش کیا۔ کمانڈر تابش محمود نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی کے شعبۂ اردو کے صدر پروفیسر شفیق احمد اشرفی نے اپنے استاد کی شخصیت اور اپنی قربت کا ذکر کیا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 26 مارچ 2019

قاضی عبدالستار اور ان کا عہد

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (اے ایم یو) کے سینٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈی، شعبۂ اردو کے زیر اہتمام دو روزہ قومی سیمینار 'قاضی عبدالستار اور ان کا عہد' کی افتتاحی تقریب کا انعقاد ریسرچ ڈویژن ہال شعبۂ اردو میں کیا گیا جس میں مقررین نے قاضی عبدالستار اور ان کے عہد پر روشنی ڈالتے ہوئے اس بات پر تشویش کا اظہار کیا کہ نئی نسل فکشن سے سنجیدگی کے ساتھ وابستہ نہیں ہو پا رہی ہے۔ افتتاحی تقریب کا آغاز قاری محمد اعظم کی تلاوت سے ہوا۔ CAS-II کے کوآرڈینیٹر پروفیسر سید محمد ہاشم نے

استقبالیہ خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ قاضی عبدالستار اپنی ذات میں انجمن اور فکشن کی بے نظیر آواز تھے۔ انھوں نے جو تخلیقی انقلاب برپا کیا وہ ان سے وابستہ عہد اور نئی نسل کے لیے روشن باب ہے۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر طارق چھتاری نے موضوع کا تعارف پیش کرتے ہوئے کہا کہ قاضی عبدالستار اپنے زمانے کے سب سے مشکل افسانہ نگار ہیں۔ انھوں نے ترقی پسند تحریک کے دائرے کو وسیع کیا اور اس کو صارفیت کے عہد تک لے گئے۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے پرووائس چانسلر پروفیسر محمد حنیف بیگ نے شعبے کی علمی سرگرمیوں کی تحسین کرتے ہوئے کہا کہ ان سے طلبا کو استفادے کا موقع میسر آتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ قاضی عبدالستار اردو زبان و ادب کے درخشاں ستارہ تھے۔ کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے الٰہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر علی احمد فاطمی نے کہا کہ قاضی عبدالستار کے فکشن کی طرح ان کا عہد بھی زریں عہد ہے جس میں رتن سنگھ، اقبال مجید، اقبال متین، عابد سہیل وغیرہ اہم فکشن نگار شامل کیے جاسکتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ قاضی عبدالستار کے افسانے ترقی پسندی کے ساتھ صارفیت کے بے رحم رویے، بے روزگاری، تناؤ وغیرہ کو پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ نئی نسل میں تجربہ و مشاہدہ کا فقدان باعث تشویش ہے۔ اے ایم یو کے ٹریژرار پدم شری پروفیسر حکیم ظل الرحمٰن نے کہا کہ قاضی عبدالستار افسانہ نگاری میں اس طرح رچے بسے تھے کہ ان کی ہر بات افسانہ تھی۔ انھوں نے کبھی اپنے غم اور دکھ کو دوسروں پر ظاہر نہیں کیا اور صبر وضبط کا پیکر بنے رہے۔ پروفیسر مسعود انور علوی نے کہا کہ قاضی عبدالستار صاحب طرز ادیب تھے اور اردو و ہندی دونوں حلقوں میں مشہور تھے۔ پیتل کا گھنٹہ جیسی کہانی ہم سبھی کے لیے ایک چیلنج کی طرح ہے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 28 مارچ 2019

رام لعل حیات وفکر وفن

لکھنؤ: رام لعل نے افسانوں کے علاوہ ناول بھی لکھے اور سفر نامے بھی۔ تنقیدی مضامین بھی لکھے اور خاکے بھی، ریڈیو ڈرامے بھی لکھے اور ادبی و ذاتی ڈائری بھی۔ رام لعل نے جو کچھ بھی لکھا وہ ذاتی تسکین یا ادب برائے نظریے کے تحت نہیں بلکہ اپنے ملک کی عوام کے لیے لکھا۔ مذکورہ خیالات کا اظہار رام لعل کے بیٹے اور مہمان خصوصی ونود چھابڑا نے مسیحا اردو سوسائٹی کے زیراہتمام واتر پردیش اردو اکادمی کے اشتراک سے منعقد سیمینار 'رام لعل حیات وفکر وفن' بمقام اسلامیہ کالج میں کیا۔ احمد ابراہیم علوی نے سیمینار کی صدارت کرتے ہوئے کہا کہ رام لعل ترقی پسند ادبی تحریک سے وابستہ رہے۔ جدیدیتی میلان سے بھی متاثر رہے لیکن بے معنویت کی طرف کبھی گامزن نہیں ہوئے۔ ان کی ساری تخلیقات گہری معنویت رکھتی ہیں۔

سیمینار میں استقبالیہ کلمات ڈاکٹر مسیح الدین خان کنوینر سیمینار نے ادا کیے اور سیمینار کی کامیاب نظامت اپنے مخصوص انداز میں صحافی غفران نسیم نے کی۔ سیمینار کا آغاز قاری محمود الحسن کی تلاوت کلام سے ہوا۔ اس کے بعد نذرانہ عقیدت نعت ومنقبت عبدالنعیم قریشی نے پیش کی۔

رام لعل کی کہانی 'جلن' ایک خاص تہذیب کی عکاس ہے جس میں نچلے متوسط مسلم معاشرے میں شادی اور لڑکیوں کی آپس میں چھیڑ چھاڑ اور حسد کی ایک دھیمی آنچ ملتی ہے۔ ان کی دیگر کہانیوں میں جو اس مجموعے میں شامل ہیں جیسے 'بے روزگاری'، 'مفلسی' میں سماجی سطح پر نابرابری اور جنسی آسودگی کی پرچھائیاں ملتی ہیں۔ مہمانان گرامی اور مقررین کی حیثیت سے سید اطہر نبی، پروفیسر عارف ایوبی (چیرمین فخرالدین علی احمد کمیٹی)، ڈاکٹر انیس انصاری (سابق وائس چانسلر اردو عربی فارسی یونیورسٹی) پروفیسر آصف نعیم (علی گڑھ مسلم یونیورسٹی)، صہبا علی، شکیل احمد خان سابق ریاستی وزیر، نگہت مصرا، سہیل کاکوری پرویز ملک زادہ وغیرہ نے شرکت کی اور اظہار خیال فرماتے ہوئے کہا کہ رام لعل کا شمار اردو ادب کے مقبول عام افسانہ نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ کرشن چندر اور اے حمید کی صف کے ادیب ہیں۔ رام لعل نے اپنا پہلا افسانہ 1943 میں 'تھوک' لکھا۔ ان کے بیشتر افسانے مارکسی فکر و فلسفے سے متاثر وملو نظر آتے ہیں۔ پروگرام کے کنوینر ڈاکٹر مسیح الدین خان نے مہمانوں کا استقبال کرتے ہوئے سوسائٹی کے اغراض ومقاصد پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس موقع پر مختلف میدانوں میں خدمات انجام دینے والی چار اہم شخصیات کو ایوارڈ واعزاز سے نوازا گیا جن میں (1) ڈاکٹر عمار نگرامی (2) ڈاکٹر احتشام احمد خان (3) مسعود جیلانی (4) روہت کمار میت شامل ہیں۔ یہ اعزاز وایوارڈ شال، سند اور مومینٹو پر مشتمل تھا۔

پریس ریلیز: مسیح الدین خان، لکھنؤ، یوپی، 3 مارچ 2019

عربی وفارسی قصیدہ نگاری

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے سینٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈی، شعبۂ اردو کے زیراہتمام 'عربی وفارسی قصیدہ نگاری' کے موضوع پر دو روزہ قومی سیمینار کی افتتاحی تقریب کا انعقاد آرٹس فیکلٹی لاؤنج میں کیا گیا، جس میں مقررین نے عربی وفارسی قصیدہ نگاری کے آغاز وارتقا پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کی اہمیت پر بھی گفتگو کی۔ صدر شعبۂ اردو پروفیسر طارق چھتاری نے مہمانان اور حاضرین کا استقبال کیا۔ صدارتی خطبہ پیش کرتے ہوئے پرووائس چانسلر پروفیسر محمد حنیف بیگ نے کہا کہ عربی فارسی زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی قصیدے کا بڑا ادبی سرمایہ موجود ہے۔ مرزا سودا اور دیگر اردو شعرا نے قصیدہ نگاری کے فن میں مہارت حاصل کی تھی اور انھیں خوب شہرت بھی حاصل ہوئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہر انسان خواہ وہ بادشاہ ہو یا عام انسان اسے تعریف بہت پسند ہوتی ہے اس لیے مدح کو قصیدہ نگاری کے میدان میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ سینٹر آف ایڈوانسڈ اسٹڈی کے کوآرڈی نیٹر پروفیسر سید محمد ہاشم نے استقبالیہ خطبے میں کہا کہ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں قصیدہ نگاری کی وقیع روایت رہی ہے۔ یہ سیمینار قصیدہ نگاری کے بنیادی مباحث اور عہد حاضر میں اس عظیم ادب سرائی کی وقعت اور قدر و قیمت کے تسلسل کی دریافت اور پیشکش کی کوشش پر مبنی ہے۔ انھوں نے کہا کہ قصیدہ ایسی شعری صنف ہے جس میں ایک جہان معنی پوشیدہ ہے۔ اچھے اور اعلیٰ قصیدوں کی گرہیں کھولی جائیں تو علوم ومعارف کے دریا بہتے نظر آتے ہیں اور علم نفسیات کی باریکیوں اور پیچیدگیوں کے کتنے ہی سربستہ رازوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ پروفیسر ظفر احمد صدیقی نے کہا کہ اردو کے قصیدہ نگار عرفی، خاقانی، نظیری وغیرہ کا اتباع کرتے نظر آتے ہیں۔ فارسی کی قصیدہ نگاری عربی کے عہد عباس

کی معاصر ہے۔ ڈپارٹمنٹ آف انگلش اینڈ ماڈرن لینگویجز، سنٹرل یونیورسٹی حیدرآباد کے سربراہ پروفیسر سید جہانگیر نے کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان میں چاشنی، فصاحت و بلاغت کا تصور عربی فارسی زبانوں پر منحصر ہے۔

روزنامہ خبریں دہلی، 9 مارچ 2019

عہد غالب کا لکھنؤ

لکھنؤ: غالب انسٹی ٹیوٹ کے زیر اہتمام، شعبۂ اردو لکھنؤ یونیورسٹی اور اردو رائٹرس فورم کے اشتراک سے دو روزہ قومی سمینار بعنوان 'عہد غالب کا لکھنؤ' نہایت کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔ سمینار کے تمام اجلاس لکھنؤ یونیورسٹی کے مالویہ ہال میں منعقد ہوئے۔ ملک کے معروف دانشور اور ریسرچ اسکالرس کی شرکت اور ان کے بصیرت افروز خیالات نے اس سمینار کو غالبیات کے سلسلے میں یادگار بنا دیا۔ سمینار کے اختتامی اجلاس کو خطاب کرتے ہوئے گورنر اتر دیش رام نائک نے کہا کہ مجھے خوشی ہے کہ میں غالب کے تعلق سے اس تاریخی سمینار میں شریک ہوسکا۔ اردو والوں کے درمیان غالب پر کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے میں بنارس جاکر وہاں کے لوگوں کو بنارس کے تعلق سے کچھ بتاؤں۔ غالب کی وفات کو 150 سال مکمل ہوگئے ہیں لیکن آج بھی دانشور حضرات ان کے کلام کے نئے نئے پہلو بیان کرتے ہیں۔ مجھے اردو سے بہت پیار ہے میں جب راج بھون آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ اردو یوپی کی دوسری سرکاری زبان ہے۔ میں نے دیکھا کہ دروازوں پر دیگر زبانوں میں تو لکھا ہوا ہے لیکن اردو کہیں نظر نہیں آتی لہٰذا میں نے تمام گیٹوں پر اردو میں لکھنے کا حکم صادر کیا اور آج آپ کو وہاں ہندی کے ساتھ اردو بھی نظر آئے گی۔ میری نظر میں زبان کا سب سے بڑا کردار یہ ہے کہ وہ لوگوں کو جوڑتی ہے۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر سریندر پرتاپ سنگھ نے کہا کہ زندہ قومیں اپنی تہذیب اور اپنی علمی روایت کی حفاظت میں کوئی کوتاہی نہیں کرتیں۔ غالب ہماری تہذیب اور علمی روایت کے مضبوط ستون کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اپنی صدارتی تقریر کے دوران غالب انسٹی ٹیوٹ کے سکریٹری پروفیسر صدیق الرحمٰن قدوائی نے کہا کہ غالب ہمارا ایسا شاعر ہے جس کی گفتگو ہمیں آج کے مسائل سے وابستہ نظر آتی ہے۔ زندگی کے مختلف موقعوں پر ہمیں ان کے اشعار یاد آجاتے ہیں اور وہ ہمیں اپنے تجربے کا حصہ معلوم ہوتے ہیں۔ غالب انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر سید رضا حیدر نے اپنے استقبالیہ کلمات میں کہا کہ ہم نے ملک کے مختلف گوشوں میں سمینار کا انعقاد کیا ہے لیکن وفات غالب کی 150 ویں برسی کے موقعے پر لکھنؤ یونیورسٹی میں منعقد یہ سمینار کئی اعتبار سے یادگار رہے گا۔

روزنامہ خبریں دہلی، 8 مارچ 2019

میر تقی میر اور لکھنؤ

لکھنؤ: میر تقی میر اور لکھنؤ کے عنوان سے ایک قومی سمینار 16 مارچ 2019 کو بمقام ایکسپو مارٹ بھون قیصر باغ لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ سمینار میں مقالہ نگاران و مقررین نے خدائے سخن کہے جانے والے میر تقی میر پر روشنی ڈالی اور ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا۔ لکھنؤ قیصر باغ میں ڈاکٹر خورشید جہاں سوسائٹی لکھنؤ کی سرپرستی میں اور انجینئر عتیق الرحمٰن کی قیادت میں منعقد پروگرام تلاوت قرآن پاک سے ہوا۔ اس طرح لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر خان محمد عاطف نے صدارت کے فرائض انجام دیے۔ میر تقی میر کی شاعری وغزل گوئی پر اپنے تاثرات کا اظہار بڑی گہرائی اور پرخلوص انداز میں کیا۔ مہمان خصوصی احمد ابراہیم علوی رہے۔ مہمان اعزازی کی حیثیت سے ڈاکٹر صہبا علی، فیاض رفعت، نواب سیر جعفر عبداللہ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا اور میر تقی میر جیسے بڑے شاعر عظیم شخصیت وخوداری کو واضح کیا۔ ڈاکٹر خورشید جہاں نے آئے ہوئے مہمانوں کا استقبال کیا۔ مقالہ نگاران میں ڈاکٹر رخسانہ لاری، ڈاکٹر میر منظر، عرفان علیگ، روہت میت نے بھی اپنے تاثریت کو واضح کیا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ہارون رشید نے انجام دیے اور کلمات تشکر انجینئر عتیق الرحمٰن نے ادا کیے۔

رپورٹ: ڈاکٹر خورشید جہاں، سکریٹری گرلس اینڈ بوائز انٹر کالج کمیٹی، لکھنؤ، 17 مارچ 2019

خلیق انجم شخصیت اور فن

لکھنؤ: ڈاکٹر خلیق انجم شخصیت اور فن کے حوالے سے ایک سمینار 12 مارچ 2019 کو یوپی پریس کلب لکھنؤ میں منعقد کیا گیا جس میں تمام دانشوران ادب اور اردو دوستوں نے شرکت کی۔ لکھنؤ ہمیشہ سے علم و ادب کا گہوارہ رہا ہے، جہاں بڑے بڑے ادیب، شاعر، مصنف، نقاد، انشا نگار افسانہ، ناول نگاروں نے جنم لیا ہے۔ اسی سرزمین لکھنؤ کو بھی یہ اعزاز حاصل ہے کہ ڈاکٹر خلیق انجم جیسی شخصیت نے بھی لکھنؤ میں ایک ادیب نقاد ترقی پسند تحریک، انجمن ترقی اردو بیورو، اردو گھر جیسے تمام چیزوں کو لکھنؤ سے سرفراز کیا۔ لکھنؤ ہمیشہ اس کی آماجگاہ رہی ہے لکھنؤ میں یہ پہلا بلکہ ہندوستان میں پہلا ایک ایسا سمینار ہے جس نے ڈاکٹر خلیق انجم کو یاد کیا۔ اسی موقعے پر پروفیسر شارب ردولوی، بحیثیت مہمان خصوصی کے طور پر موجود ہے۔ اس کے علاوہ سرپرست کی حیثیت سے جناب چودھری شرف الدین صاحب تشریف فرما تھے۔ جن شرکا نے اپنے خیالات پیش کیے ان میں ڈاکٹر خورشید جہاں، قمر جہاں، پروفیسر خان محمد عاطف، جناب احمد ابراہیم علوی کے نام قابل ذکر ہیں۔ احمد عرفان علیگ اور عصمت ملیح آبادی، وغفران نسیم نے اپنے مقالے پیش کیے۔ استقبالیہ ڈاکٹر خورشید جہاں نے پیش کیا۔ نظامت کے فرائض عاطف حنیف نے انجام دیے۔ جناب نواب جعفر میر عبداللہ نے کلمات تشکر ادا کیے۔

رپورٹ: قمر جہاں، سکریٹری منشی نول کشور اسمارک سمیتی، لکھنؤ، 17 مارچ 2019

اردو کے فروغ وارتقا میں مدارس عربیہ کا کردار

سیتاپور: قاسمیہ ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر سوسائٹی و یوپی اردو اکادمی کے اشتراک سے تمبور، ضلع سیتاپور میں ایک کانفرنس کا انعقاد مفتی عبدالعزیز مظاہری کی صدارت میں منعقد کیا گیا جس میں ندوۃ العلما، لکھنؤ کے فاضل استاد مولانا انیس احمد ندوی نے بہت ہی جامع اور پرمغز خطاب میں اردو زبان وادب کے فروغ میں مدارس کے کردار کو بیان کرتے ہوئے کہا کہ اس وقت اردو کے فروغ اور اس کی نشو ونما میں مدارس کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ دہلی سے آئے ہوئے مہمان ڈاکٹر مظفر حسین سید نے اپنے مقالہ میں اردو کی ترقی و بقا کا دار و مدار ماضی تا حال صرف دینی مدارس و مکاتب کو بتایا۔ انھوں نے کہا کہ سرسید احمد خاں نے مدرسۃ العلوم کی بنیاد جن مقاصد کے تحت رکھی تھی، ان میں ایک اہم مقصد اردو زبان کے فروغ و ارتقا کا بھی تھا۔ مولانا فیروز خان ندوی نے کانفرنس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ علما ندوہ نے خالص دینی و مذہبی کتابوں میں زبان وادب کا جو انداز بیان اختیار کیا ہے جس کے مطالعے سے قاری نہ صرف یہ کہ دینی و مذہبی معلومات حاصل کرسکتا ہے بلکہ مولانا عبدالحی حسنی کی گل رعنا علامہ شبلی و علامہ سید سلیمان ندوی کی سیرت النبی اور مولانا علی میاں ندوی کی معرکۃ الآرا تصنیف نبی رحمت کے مطالعے سے زبان و بیان کی لطافت اور فصاحت و بلاغت سے محظوظ ہوسکتا ہے۔ رضوان احمد فاروقی نے علماء کی اردو خدمات کو خراج عقیدت

پیش کرتے ہوئے اردو زبان کے حوالے سے ان کی ناقابل فراموش خدمات کا تذکرہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ مولانا اشرف علی تھانوی نے اردو زبان میں تقریباً ایک ہزار کتابیں تصنیف کیں جن سے آج ایک بہت بڑا طبقہ مستفید ہو رہا ہے۔ رحمت لکھنوی نے ماضی و حال کے مدارس کے علما کی اردو خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ مدارس کے علما و فارغین نے اردو زبان کے فروغ میں اہم خدمات انجام دی ہیں جس کی بنیاد پر آج پورے ملک میں اردو کا بول بالا ہے۔ مولانا حسرت موہانی، مولانا حسین آزاد، مولانا ابوالکلام آزاد جیسے اردو زبان و ادب کے اہل قلم کی خدمات کا انھوں نے مفصل ذکر کیا۔ صدارت فرمارہے کانفرنس کے مفتی عبدالعزیز مظاہری نے کہا کہ ہم اپنے مدارس میں ابتدائی دور ہی سے طلبا میں اردو کی تعلیم کا آغاز کر دیتے ہیں۔ اس لیے کہ جو بچے ابتدائی درجات ہی میں اردو سے واقف ہو جاتے ہیں وہی اعلیٰ درجات میں پہنچنے کے بعد اپنا امتیاز و اختصاص قائم کر لیتے ہیں۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 13 مارچ 2019

طاہر تلہری حیات اور خدمات

شاہجہانپور: پروگرام کے کنوینر سید راشد حامدی نے طاہر تلہری کے فن اور شخصیت پر ابتدائی گفتگو کرتے ہوئے طاہر تلہری کو شاعر حیات کے لقب سے یاد کیا اور کہا کہ ان کی شاعری کو بجا طور پر عرفان ذات، عرفان حیات اور عرفان کائنات کہا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ہمیشہ انسان، انسانیت اور انسانی مسائل کو اپنا موضوع سخن بنایا۔ سیمنار کی صدارت یوم پرکاش ساہو تلہری نے کی جبکہ نظامت مظفر حسین غزالی نے کی۔ مہمانانِ خصوصی کی حیثیت سے طاہر تلہری کے صاحب زادے منصور طاہری تلہری، ثاقب حسین فلاحی اور ڈاکٹر شکیل احمد خان نے شرکت کی۔ ڈاکٹر تابش مہدی نے اپنے کلیدی خطبے میں طاہر تلہری کے فن اور شخصیت پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ اس کے علاوہ صغیر اشرف، سرفراز بزمی، تہذیب صدیقی، مظہر عالم، مظفر حسین غزالی، رضوان خان، اوم پرکاش ساہو نے خیالات کا اظہار کیا۔ پروگرام کے آخر میں کنوینر سید راشد حامدی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 27 مارچ 2019

غزل کی ایک شام

چاند پور: 13 مارچ، اسکائی لائن انسٹی ٹیوٹ آف کمپیوٹر کے کانفرنس ہال میں الیاس انجم چیریٹیبل ٹرسٹ کے زیر اہتمام غزل کی ایک شام کا اہتمام کیا گیا۔ یہ شعری نشست زبیر شمسی (رام پور) کی صدارت و ندیم راعی (مراد آباد) کی نظامت میں منعقد ہوئی جس کے مہمان خصوصی ڈاکٹر مہتاب امروہوی تھے۔ اس شعری نشست میں مشہور شاعرہ رئیسہ خمار آرزو نے یوم خواتین کے حوالے سے بہترین اشعار پیش کیے۔ ممبئی ہائی کورٹ کی معروف ایڈوکیٹ اور اردو زبان و ادب کی بہترین شاعرہ محترمہ ریکھا روشنی، جناب ندیم راعی، ڈاکٹر شگفتہ غزل، ڈاکٹر مہتاب امروہوی، امیر نہٹوری، الیاس انجم، و شاداب انجم نے بھی اپنے کلام پیش کیے۔ شعری نشست کا اختتام فہد انجم کے شکریے پر ہوا۔ اس موقعے پر رئیسہ خمار آرزو کے مجموعہ کلام 'خواب جاگتی آنکھوں کے' کا اجرا بھی کیا گیا۔

پریس ریلیز: فہد انجم سکریٹری 'الیاس انجم چیریٹیبل ٹرسٹ، چاند پور، بجنور، اتر پردیش

بہار

سارن میں اردو زبان و ادب

چھپرہ: جے پرکاش یونیورسٹی، چھپرہ کے شعبۂ اردو کے ذریعے سارن میں اردو زبان و ادب کے موضوع پر ایک دو روزہ قومی سیمنار کا انعقاد کیا گیا۔ افتتاحی اجلاس کے مدعوئین میں پروفیسر سید رفیق اعظم بحیثیت مہمان خصوصی، پروفیسر شہناز نبی، بحیثیت مہمان اعزازی اور پروفیسر مولا بخش بحیثیت مہمان مقرر شامل تھے۔ جبکہ صدر اجلاس پروفیسر حسین الحق تھے۔ پروفیسر ارشد مسعود ہاشمی نے سیمنار کے مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ بہار کا سارن ڈویژن اردو زبان و ادب کا گہوارہ رہا ہے۔ اس نے اردو دنیا کو کئی ایسے نامور ادیب و شاعر دیے جن کے ذکر کے بغیر بیسویں صدی کے اردو شعر و ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ یہاں کے ادیبوں میں قومی رہنماؤں کے ساتھ ہی بلند پایہ معماران قوم بھی شامل ہیں لیکن ان کے سلسلے میں ایسی کوئی مربوط اور منظم تصنیف یا تالیف کا فقدان ہے جو ان کی متنوع لسانی، ادبی نیز معاشرتی خدمات کا جائزہ پیش کرتی ہو۔ اس سیمنار کے انعقاد کا بنیادی مقصد معلوم کے ساتھ ہی گمنام گوشوں کی تلاش و جستجو ہے کہ جن کی وجہ سے یہاں کی ادبی وراثت کو مرتب کیا جا سکے۔ پروفیسر ہاشمی کے استقبالیے کے بعد شمع افروزی کے ذریعے یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر ہری کیش سنگھ نے سیمنار کا افتتاح کیا اور اپنے افتتاحی کلمات میں اردو کو مشترکہ قومی وراثت قرار دیتے ہوئے کہا کہ سارن کمشنری ہر دور میں اردو زبان و ادب کے فروغ کے معاملے میں زرخیز رہی ہے۔ یہاں بھی اس نے قومی تحریکوں میں اپنی بھرپور نمائندگی کی اور ایسے ادب کو بھی جنم دیا جو علاقائی اثرات کے باوجود ہمہ گیر اپیل رکھتا ہے۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ مقامی زبان بھوجپوری پر اردو کے بے پناہ اثرات ہیں اور بھوجپوری ادب میں اردو کے اثرات پر تحقیق کی ضرورت بھی ہے۔ انھوں نے اظہار خیال کیا کہ اردو ہندوؤں اور مسلمانوں کی ساجھی وراثت ہے۔ اس اجلاس کی نظامت کے فرائض شعبۂ اردو کے استاد ڈاکٹر مظہر کبریا نے بحسن و خوبی ادا کیے۔ اردو اسٹڈیز کے اجرا کے بعد پروفیسر رفیق اعظم نے سارن کمشنری سے اپنے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے وہاں کے ادبی اور علمی ماحول پر سیر حاصل روشنی ڈالی جبکہ پروفیسر شہناز نبی نے علاقائی ادب کی اہمیت اور اس کی آفاقیت کے عناصر کو اپنا موضوع گفتگو بنایا۔ کلیدی خطبے کے دوران پروفیسر مولیٰ بخش نے سارن کی ادبی وراثت کی تصویر کشی کرتے ہوئے اس سرزمین سے کسی نہ کسی صورت میں وابستہ موجودہ دور کے شاعروں، فکشن نگاروں اور تنقید نگاروں کی ادبی قدر و قیمت پر روشنی ڈالی اور اس حقیقت کی نشاندہی بھی کی کہ اردو ادب کو صرف اردو زبان کے دائرے میں محدود کرتے ہوئے نہیں پرکھا جا سکتا بلکہ اس کے لیے ان تمام علاقائی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ بھی ضروری ہے جن کے شانہ بہ شانہ اردو ادب کی تخلیق ہوتی رہی ہے۔ پروفیسر حسین الحق نے اس امر پر زور دیا کہ اردو زبان و ادب کا مطالعہ مقامی ادبی و لسانی سرگرمیوں سے قطع تعلق کر کے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کے فروغ میں وہ سبھی عوامل مدد و معاون ثابت ہوتے ہیں جو کسی علاقے کی پہچان ہیں۔ سیمنار کا اختتامی اجلاس پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی صدارت میں منعقد ہوا۔

روزنامہ 'میرا وطن' دہلی، 8 مارچ 2019

راجستھان:

'پنڈت دیا شنکر نسیم' یادگاری خطبے کا انعقاد

اجمیر: بھگونت یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں 11 فروری 2019 'پنڈت دیا شنکر نسیم' یادگاری خطبہ کا اہتمام کیا گیا۔

یہ شعبۂ اردو کا پہلا یادگاری خطبہ تھا۔ صدر شعبہ ڈاکٹر شاکر علی صدیقی نے اپنے استقبالیہ کلمات میں یادگاری خطبہ کی اہمیت و افادیت اور اغراض و مقاصد پر گفتگو کرتے ہوئے

کہا کہ ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کو اس لیے یاد کرتے ہیں تاکہ اسلاف کی طرح ہم بھی اپنے اندر صلاحیت پیدا کرکے نمایاں کارنامے انجام دیں اور نئی نسلوں کے لیے نشان راہ قائم کریں۔ انھوں نے کہا جو قوم اپنے اسلاف کے کارناموں کو بھلا دیتی ہے وہ اپنی عظمتوں سے گرجایا کرتی ہے۔ آج نئی نسل کے پاس تحرک امکانی کے اَن گنت وسائل ہیں لیکن زندگی کا نظام شعور نہیں، تجسس ہے لیکن منزل کی نشاندہی نہیں، تحرک ہے لیکن تربیت نہیں، علم ہے لیکن عمل نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ اپنے اسلاف کے کارہائے نمایاں سے ناواقفیت ہے۔

'پنڈت دیا شنکر نسیم: فن اور شخصیت' کے عنوان سے ڈاکٹر فرخندہ ضمیر، ایسوسی ایٹ پروفیسر، سمراٹ پرتھوی راج چوہان کالج، اجمیر نے اپنا پر مغز اور معلوماتی خطبہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ادبی سرگرمیوں کے ذریعے طالب علموں میں جذبہ، حوصلہ اور تحریک پیدا ہوتی ہے اور انھیں سیکھنے کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ انھوں نے مثنوی گلزار نسیم کے تاریخی، سیاسی اور سماجی پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ پنڈت دیا شنکر نسیم نے سمندر کو کوزے میں بھر دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ غالب جیسے عظیم شاعر بھی مثنوی گلزار نسیم سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ انھوں نے گلزار نسیم کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے کہا کہ یہ مثنوی لکھنؤ کی تہذیب و ثقافت کی عمدہ نمائندگی کرتی ہے، اس کی ادبی معنویت پنڈت دیا شنکر نسیم کو ہمیشہ زندہ رکھے گی۔

اس جلسہ کی صدارت بھگونت یونیورسٹی کے وائس چانسلر پروفیسر وی۔ کے شرما نے انجام دی۔ انھوں نے اپنے صدارتی خطبہ میں کہا کہ میری پوری کوشش ہوگی کہ ادبی اور ثقافتی پروگرام کے ذریعے اساتذہ اور طلبہ اپنی سرگرمیوں کو دنیا کے سامنے پیش کریں تاکہ یونیورسٹی کی اچھی چھاپ لوگوں پر پڑے اور ہماری یونیورسٹی دیگر عالمی یونیورسٹیوں میں نمایاں مقام حاصل کرسکے۔ انھوں نے اساتذہ اور طلبا و طالبات کو تلقین کی کہ بھگونت یونیورسٹی کے ذریعے چلائے گئے F.M. میں شرکت کرکے اپنی ادبی اور ثقافتی سرگرمیوں کو پیش کریں۔ آخر میں ڈین اکیڈمک ڈاکٹر راجیو سنگھ کے اپنے تاثرات پیش کرتے ہوئے تمام مہمانان کا شکریہ ادا کیا۔ اس موقع پر رجسٹرار ڈاکٹر دنیش منڈوت، ڈین ڈاکٹر دھرمیندر دوبے، نائب رجسٹرار ڈاکٹر سی۔ ایم راجوریہ، ڈاکٹر اتل تیواری، شوکت احمد ڈار، گلزار احمد، صوفیہ چشتی اور سبھی صدر شعبہ، اساتذہ اور بڑی تعداد میں طلبہ و طالبات نے شرکت کرکے یادگاری خطبہ کو کامیاب بنایا۔ اس تقریب کے انعقاد پر بھگونت گروپ کے چیرمین ڈاکٹر انل سنگھ، وائس چیرمین ڈاکٹر آشا سنگھ، شیخ الجامعہ وی۔ کے شرما نے صدر شعبہ ڈاکٹر شاکر علی اور شعبہ کے دیگر کارکنان کو کامیاب پروگرام کی مبارکباد پیش کی اور امید ظاہر کی کہ مستقبل میں بھی یونیورسٹی میں اس طرح کی تقاریب ہوتی رہیں گی۔

پریس ریلیز: ڈاکٹر شاکر علی صدیقی، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بھگونت یونیورسٹی، اجمیر، 11 فروری 2019

اعزاز و اکرام:

ف س اعجاز کو دوحہ قطر ایوارڈ

نئی دہلی: اس سال تیئیسویں 'عالمی فروغ اردو ایوارڈ، دوحہ قطر 2019' جیوری کی میٹنگ علی گڑھ میں ٹیلی کانفرنسنگ

کے ذریعے منعقد ہوئی جس میں اردو کے ہمہ جہت ادیب و مدیر 'انشا'، شاعر، فکشن نگار و مترجم ف س اعجاز کو یہ ایوارڈ دینے کا اعلان کیا گیا جو ڈیڑھ لاکھ روپے نقد، طلائی تمغہ اور سپاس نامہ پر مشتمل ہے۔ جیوری کے چیئرمین پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ نے اسکائپ پر ایوارڈ کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ ف س اعجاز ہندوستان کے شہرت یافتہ ادبی مدیر و معروف ادیب ہیں۔ وہ کلکتہ جیسے شمال مشرقی ہندوستان سے پچھلے لگ بھگ چار دہائیوں سے اردو کی شمع روشن کیے ہوئے ہیں۔ ان کا ماہنامہ 'انشا' 34 برسوں سے بلاناغہ شائع ہو رہا ہے جو ایک ریکارڈ ہے۔ انھوں نے ٹیگور، گلزار، مہندر سنگھ بیدی سحر، نثار احمد فاروقی، قمر رئیس وغیرہ پر 25 خصوصی شمارے نکالے ہیں اور ہر شمارہ کم و بیش 400-500 صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ ف س اعجاز ہندوستان کے معروف ہمہ جہت ادیب، مدیر، سفرنامہ نگار، فکشن نگار و مترجم ہیں۔ اب تک ان کی 26 کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں جن میں افسانوی مجموعے، شعری مجموعے، تنقید، سفرنامے، تراجم اور ٹیگور کے رابندر سنگیت کے اردو ترجمے پر نادر کتاب بھی شامل ہے۔ 1986 میں انھوں نے کلکتہ سے ماہنامہ 'انشا' نکالنا شروع کیا تھا اور اس وقت سے باقاعدگی سے اسے شائع کر رہے ہیں۔ 'انشا' کے اب تک 25 خاص شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ 'پلوٹو کی موت' ان کا افسانوی مجموعہ ہے جو ملک گیر شہرت رکھتا ہے۔ انھوں نے 14 ممالک کا سفر بھی کیا ہے۔ ف س اعجاز کو مختلف انعامات و اعزازات سے نوازا جاچکا ہے جن میں ساہتیہ اکادمی ترجمہ ایوارڈ، میر ایوارڈ، عبدالرزاق ملیح آبادی ایوارڈ، امداد امام اثر ایوارڈ، نذیر اکبرآبادی ایوارڈ، صحافت کے لیے وزارتِ کلچر، حکومت ہند کا ایوارڈ برائے 2018 شامل ہے۔ عالمی فروغ اردو ادب، دوحہ قطر کا یہ پروقار ادبی ایوارڈ ہر سال ایک ہندوستانی اور ایک پاکستانی ادیب کو دیا جاتا ہے۔ مجلس فروغ اردو ادب، دوحہ قطر کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے پیٹرنس کے سرپرست اعلیٰ اردو کے فعال خدمت گزار محمد عتیق ہیں۔ اس برس ایوارڈ کی تقریب دوحہ قطر میں اکتوبر ماہ میں منعقد ہوگی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 27 مارچ 2019

مولانا فضیل ناصری کو علامہ اقبال ایوارڈ

دیوبند: ممبئی حج ہاؤس میں جامعہ امام محمد انور شاہ، دیوبند کے استاذ حدیث و نائب ناظم تعلیمات مولانا فضیل احمد ناصری کو شعر و ادب کے حوالے سے ان کی قابل رشک خدمات پر علامہ اقبال ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ یہ ایوارڈ ادارہ دعوۃ السنۃ مہاراشٹر کے زیر اہتمام منعقدہ پُر وقار کل ہند مسابقۃ القرآن الکریم

میں علما و ادبا کی موجودگی میں دیا گیا۔ اس ایوارڈ سے علمی و ادبی حلقوں میں خوشی کی لہر ہے اور ملک و بیرون ملک سے مولانا ناصری کے پاس مبارک بادیوں کے پیغامات آرہے ہیں۔ اس موقعے پر دیوبند کی علمی و ادبی فضا بھی خوشی محسوس کر رہی ہے اور مولانا کو مبارکباد دے رہی ہے۔ اسی سلسلے میں مرکز نوائے قلم دیوبند کے بانی اور علم و ادب میں سنگ میل کی حیثیت رکھنے والے مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے کہا کہ علمائے دیوبند نے جہاں علمی موضوعات پر تاریخ ساز کارنامے انجام دیے ہیں، وہیں اردو زبان و ادب میں بھی انھوں نے اپنے نقوش چھوڑے ہیں۔ مولانا فضیل احمد ناصری علمائے دیوبند کا شعری و ادبی سفر علمائے دیوبند کی انھیں تابندہ روایات کا تسلسل ہے۔ وہ اپنے موئے قلم سے اردو زبان و ادب کی ادب کی آبیاری

جس طرح کر رہے ہیں وہ بلاشبہ قابل تحسین ہیں۔ ان کا پہلا مجموعہ کلام 'حدیث عنبر' کے نام سے ڈھائی سو صفحات پر آیا تھا جسے کافی پذیرائی ملی۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 8 مارچ 2019

غلام نبی کمار حافظ محمود شیرانی ایوارڈ سے سرفراز

نئی دهلی: مالیر کوٹلہ، پنجاب کی جانب سے چرار شریف، جموں و کشمیر سے تعلق رکھنے والے دہلی یونیورسٹی کے نوجوان اردو اسکالر غلام نبی کمار کو ان کی تحقیقی و تنقیدی خدمات کے اعتراف میں 'پروفیسر حافظ محمود شیرانی ایوارڈ' سے سرفراز کیا گیا۔ غلام نبی کمار کو یہ ایوارڈ مرکز جماعت اسلامی ہند، مالیر کوٹلہ میں منعقدہ 'ایک شام بشیر چراغ کے نام' منعقد ایک شعری نشست میں مختلف ریاستوں سے آئے ادیبوں اور شاعروں کی موجودگی میں پروفیسر محمود عالم، ڈاکٹر مشتاق قادری، سالک جمیل براڑ، بشیر چراغ، انوار آذر اور مکرم سیفی کے بدست دیا گیا۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 8 مارچ 2019

ڈاکٹر محمد اشرف کو 'فراق گورکھپوری' ایوارڈ

گورکھپور: ترقی پسند ادیب و نقاد ڈاکٹر محمد اشرف کو ان کی ادبی خدمات کے سلسلے میں ان کی کتاب 'اردو ادب کے ارکان اربعہ اور قدر شناسی کے دیگر زاویے' کے لیے راجیہ کرمچاری ساہتیہ سنستھان اتر پردیش حکومت لکھنؤ نے 2018-19 کے 'فراق گورکھپوری ایوارڈ' ایک لاکھ روپے کے لیے منتخب کیا ہے۔ مذکورہ ایوارڈ سنستھان کے سالانہ اجلاس 'جشن ایوارڈ و اعزاز' کی پروقار تقریب کے موقعے پر 17 مارچ کو یشپال میٹنگ ہال ہندی سنستھان لکھنؤ میں تفویض کی گئی۔ ڈاکٹر محمد اشرف شہر گورکھپور کے رہنے والے ہیں اور اس وقت وہ سہکارتا و بھاگ وکاس بھون سلطانپور میں اردو مترجم کے عہدے پر فائز ہیں۔ غور طلب ہے کہ اس سے قبل ڈاکٹر محمد اشرف کو سابق وزیر اعظم ہند آنجہانی اٹل بہاری واجپئی اور بعد ازاں سابق وزیر اعلیٰ اتر پردیش اکھلیش سنگھ یادو، سابق گورنر رومیش بھنڈاری وغیرہ بھی ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں ایوارڈ دے چکے ہیں۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 11 مارچ 2019

ڈاکٹر نسیم نکہت فراق اعزاز سے سرفراز

آگرہ: اردو زبان اور غزل کی خدمت میں مسلسل سرگرم عمل، عالمی شہرت یافتہ شاعرہ ڈاکٹر نسیم نکہت آگرہ کو آگرہ میں منعقدہ ہوئے ایک کل ہند مشاعرے کے دوران چتر اُنشی فراق اعزاز سے سرفراز کیا گیا ہے۔ ہوٹل گرانڈ میں منعقد ہوئے اس کل ہند مشاعرے میں یہ اعزاز ان کو جسٹس مختار احمد و پروفیسر برجیش چندرا کے دست مبارک سے دیا گیا ہے۔ اس دوران اس 37 ویں کل ہند مشاعرے میں ملک کے نامور شعراء کرام نے کلام بھی پیش کیا۔ نہایت ادبی ماحول میں اور ممتاز سامعین کے درمیان منعقد ہوئی اس ثقافتی تقریب میں منتظمین کی جانب سے 51 ہزار روپے کا چیک اور سند محترمہ کو پیش کی گئی۔ بعد میں ان کی شال پوشی بھی کی گئی۔ اعزاز کے حاصل ہونے پر امروہہ کی ادبی و ثقافتی تنظیم اتر پردیش اردو ادب سوسائٹی کی جانب سے کوثر علی عباس نے ڈاکٹر نسیم نکہت کو مبارکباد پیش کی ہے۔ سوسائٹی کے صدر کوثر علی عباسی نے اپنے مبارکباد پیغام میں کہا ہے کہ محترمہ کئی دہائیوں سے اردو زبان اور شاعری کی خدمت کر رہی ہیں اور مسلسل غزل کی زلفیں سنوار رہی ہیں۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس'، 20 مارچ 2019

شہاب ظفر اعظمی کو فروغ تحقیق کے لیے ایوارڈ

پٹنه: شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی کے استاد اور ادیب و ناقد ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کو تحقیق و تنقید کے فروغ میں ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے پٹنہ یونیورسٹی نے اعزاز

سے نوازنے کا اعلان کیا ہے۔ پٹنہ یونیورسٹی کی جانب سے جاری نوٹیفکیشن نمبر 11/DO/2019 مورخہ 23/2/2019 کے مطابق پٹنہ یونیورسٹی کی جانب سے پہلی مرتبہ یونیورسٹی کے سات اساتذہ کو یونیورسٹی میں تحقیقی ماحول کے فروغ اور ان کی تحقیقی خدمات کے اعتراف میں اعزاز کے لیے منتخب کیا گیا ہے۔ جن اساتذہ کو اعزاز کے لیے چنا گیا ہے ان میں اردو شعبے سے ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی کے علاوہ فزکس سے ڈاکٹر امریندر نارائن، ڈاکٹر سنتوش کمار گپتا، ڈاکٹر سنجے کمار، ڈاکٹر سندیپ کمار گرگ، شعبۂ انگریزی سے ڈاکٹر شنکر آشیش دتا اور شعبۂ تعلیم سے ڈاکٹر سدھاکر پرساد سنگھ شامل ہیں۔

واضح ہو کہ ڈاکٹر شہاب ظفر اعظمی شعبۂ اردو پٹنہ یونیورسٹی کے فعال استاد کے علاوہ ہمعصر تنقید و تحقیق کا ایک نمایاں نام ہے۔ ان کے تحقیقی مضامین و مقالات ہند و پاک کے اکثر رسائل و جرائد میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی اب تک چھ کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں اردو ناول کے اسالیب، جہان فکشن، مطالعات فکشن اور اردو کے نثری اسالیب خاص طور پر مقبول و معروف ہیں۔ ان کی ادارت میں ایک جریدہ 'اردو جرنل' کے نام سے بھی شائع ہوتا ہے جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے ہندستان کا منفرد جریدہ ہے۔

پریس ریلیز: اردو جرنل، شعبۂ اردو، پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ 2 مارچ 2019

شمیم مرتضیٰ فاروقی کو بیسٹ تعلیمی ایوارڈ

دیوبند: سماجی اور ادبی تنظیم 'سنگم' کے زیر اہتمام ایک پروگرام لال مسجد پر واقع تنظیم کے دفتر پر کیا گیا جس میں پروگرام کے مہمان خصوصی اسلامیہ انٹر کالج کے پرنسپل شمیم مرتضیٰ فاروقی کو ان کی تعلیمی خدمات کے پیش نظر بیسٹ تعلیمی ایوارڈ 2019 سے نوازا گیا۔ اس موقعے پر شمیم مرتضیٰ فاروقی نے کہا کہ زندگی میں کامیابی صرف تعلیم سے ہی ملتی ہے، زندگی کی ترقی کا راستہ جتنا آسان تعلیم بناتی ہے دوسرا کوئی راستہ نہیں بناتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ اگر کسی بھی انسان کو مہمان بننا ہے تو اسے تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں تعلیم کی اہمیت کو سمجھنا ہوگا، میں نے اپنے دور میں اپنے اسکول یا دیگر اداروں میں جب بھی بات کی ہے تو صرف تعلیم کی اہمیت پر ہی بات شروع کی ہے۔ انھوں نے کہا کہ تعلیم کو تمام چیزوں پر فوقیت حاصل ہے اور تعلیم ہی انسان کے اندر زندگی گزارنے کا سلیقہ اور شعور پیدا کرتی ہے۔ بنا تعلیم کے انسان حیوان کے مانند ہے، چاہے وہ علوم دینیہ ہو یا علوم عصریہ، علم ہی کی خصوصیت کی وجہ سے انسان کو ممتاز مخلوقات پر افضلیت و برتری حاصل ہے۔ پروگرام کی صدارت کر رہے ڈاکٹر شمیم دیوبندی نے کہا کہ شمیم مرتضیٰ فاروقی نے اسلامیہ انٹر کالج کے پرنسپل کے عہدے پر رہتے ہوئے معاشرے، ادب اور تعلیم کے تئیں بڑا کام کیا ہے اور اپنے مشن میں وہ کامیاب بھی رہے ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر شرکا نے بھی اپنے تاثرات پیش کیے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 25 مارچ 2019

'سہارا سمے' چینل کی صحافی حرا عالم کو انعام

نئی دهلی: ملک کے پسندیدہ ہندی نیوز چینل 'سہارا سمے' نے ایک بار پھر ثابت کر دیا ہے کہ صحافت کا مطلب 'سہارا سمے' دہلی میں اتوار کو منعقد انٹرنیشنل ویمنس ڈے ایوارڈ 2019 میں سہارا سمے چینل کی خصوصی نمائندہ حرا عالم کو نکسلی علاقوں

میں خطرناک حالات میں رپورٹنگ کرنے کے لیے بیسٹ رپورٹر کا ایوارڈ دیا گیا ہے۔ واضح رہے کہ گزشتہ سال ستمبر۔ اکتوبر میں چھتیس گڑھ اسمبلی الیکشن کے دوران دنتے واڑہ میں نکسلیوں نے میڈیا ٹیم پر حملہ کر دیا تھا۔ اس میں دوردرشن کے ایک کیمرہ مین سمیت 2 سکیورٹی اہلکاروں کی موت ہوگئی تھی۔ اس کے باوجود حمرا بے خوف ہوکر وہاں 20 دنوں تک ڈٹی رہیں۔ اس دوران انھوں نے سکما، دنتے واڑہ، بستر، جگدل پور اور ابوج بان سے نکسل متاثر علاقوں میں رہ کر زمینی رپورٹنگ کی۔ اس کے لیے حمرا کو گزشتہ 13 مارچ کو قومی راجدھانی میں منعقد ایک تقریب میں میڈیا ایکسی لینسی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ اس پروگرام کا انعقاد یہاں آندھرا پردیش بھون میں میڈیا فیڈریشن آف انڈیا نے کیا تھا۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 20 مارچ 2019

اٹل پتھ

لکھنؤ: لکھنوی تہذیب کے پیروکار موسیقی کار نوشاد کا گھرانہ نوابین میں سے نہیں تھا لیکن وہ نواب شجاع الدولہ کی مشترکہ لکھنوی تہذیب کی پوری تہذیبی روایت کو

سامنے رکھنے والے تھے۔ وہ محض موسیقی کار ہی نہیں عمدہ شاعر اور تخلیق کار بھی تھے۔ مشہور فلم 'دیداز' کی کہانی انھوں نے ہی لکھی تھی۔ موسیقی کار نوشاد کے نام کے ایوارڈ پروگرام میں مذکورہ خیالات کا اظہار سابق وائس چانسلر اردو عربی فارسی یونیورسٹی اور سبکدوش آئی اے ایس ڈاکٹر انیس انصاری نے عظیم فنکاروں کو ایوارڈ دیتے وقت کیا، اس موقعے پر بطور خاص سابق ڈپٹی وزیر اعلیٰ عمار رضوی بھی موجود تھے۔ پروگرام کا انعقاد نوشاد سنگیت ڈیولپمنٹ سوسائٹی کے زیر اہتمام واتر پردیش اردو اکادمی کے اشتراک سے رائے اوماناتھ بلی آڈیٹوریم، قیصر باغ لکھنؤ میں ہوا۔ موسیقی، ڈرامہ، رقص وثقافت کے میدان میں کام کرنے والی تنظیم نوشاد سنگیت ڈیولپمنٹ سوسائٹی کی جانب سے شاعری، رقص وڈرامہ سے سجی ہوئی ملٹی میڈیا پیشکش 'اٹل پتھ' کا اسٹیج شو 12 مارچ کو کیا گیا۔ 'نوشاد سمان 2019' پرکشش پروگرام میں پروفیسر آصفہ زمانی، ولایت جعفری، پنیت استھانہ، شبیہ جعفری، جتیندر متل، چترا موہن، ونے شریواستو، راجویر رتن، ایس۔ این لال، آنند شرما ضیاء اللہ صدیقی اور ایس رضوان نے تھیٹر کے اداکاروں اور فنکاروں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ان گیارہ عظیم ہستیوں کو ایوارڈ وسمان سے نوازا۔ بھارت رتن پنڈت اٹل بہاری باجپئی کی شاعری پر منحصر سوسائٹی کا اسٹیج ڈرامہ ملٹی میڈیا تھیٹر پروڈکشن 'اٹل پتھ' کے شو میں یہاں مہمانوں کے طور پر پدم شری راج بساریہ، سابق ڈپٹی وزیر اعلیٰ عمار رضوی، شاعر و سابق وائس چانسلر انیس انصاری، وائس چانسلر پروفیسر شاہ رخ وغیرہ موجود رہے۔ گرافکس آرٹ سے سجی اٹل پتھ کی پیشکش آنند شرما کے ڈائریکشن وایس این لال کے پروڈیکشن میں اور اسد خان کے ملٹی میڈیا، آدتیہ لیٹن کی موسیقی، اور سنجے ترپاٹھی کی لائٹ اینڈ روشنی میں پیش کش 'اٹل پتھ' مختلف فن اور فنکاروں کا سنگم نظر آیا۔ اٹل جی کی 15 کویتاؤں میں سے کچھ چنندہ کویتاؤں کا انتخاب کیا گیا۔ آدتیہ لیٹن کی آواز ونغموں سے سجے اس ڈیڑھ گھنٹے کے پروگرام میں اٹل بہاری باجپائی کی مکمل زندگی دکھائی گئی کہ لوگ اس سے ترغیب حاصل کریں۔ تکنیکی طور پر لیزر لائٹس سمیت اسپیشل ساؤنڈ کا استعمال کیا گیا۔ ایلم بم کی ٹیسٹنگ وغیرہ کی ریکارڈیڈ پرچھائیاں اور ویڈیو بھی دکھلائے گئے۔ آخر میں مہمانان کا شکریہ پروگرام کے کنوینز اور سوسائٹی کے روح رواں اطہر نبی نے ادا کیا۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 13 مارچ 2019

ڈاکٹر لڈمیلا وسیلیوا کا استقبالیہ

نئی دہلی: ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کی جانب سے ہندوستانی زبانوں کا مرکز جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی میں روس کی مشہور ومعروف اردو کی مصنفہ اور ادیبہ ڈاکٹر لڈمیلا وسیلیوا (Dr. Ludmila Vassiliva) کا استقبال کیا گیا۔ اس موقعے پر ورلڈ اردو ایسوسی ایشن کے چیئرمین پروفیسر خواجہ اکرام نے ڈاکٹر لڈمیلا کا تعارف کراتے ہوئے ان کی خدمات کو سراہا اور جے این یو میں ان کا استقبال کیا۔ ڈاکٹر لڈمیلا نے اپنے خطاب میں ہندوروس کے قدیم ترین تعلقات پر روشنی ڈالتے ہوئے روس میں اردو کی صورت حال پر گفتگو کی۔ انھوں نے اپنے تجربات اور جذبات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اردو زبان کی شیرینی دیکھ کر میں اس پر فدا ہوں۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر لڈمیلا آج سے تقریباً چالیس سال قبل اپنے ریسرچ کے سلسلے میں جے این یو آئی تھیں۔ اس کے بعد یہ دوسرا موقع ہے جب وہ جے این یو آئیں۔ اس پروگرام میں صدر کی حیثیت سے پروفیسر معین الدین جینابڑے، پروفیسر مظہر مہدی، پروفیسر انور پاشا اور ڈاکٹر توحید خان موجود تھے۔ جبکہ ڈاکٹر شفیع ایوب نے نظامت کے فرائض انجام دیے۔

روزنامہ 'ہمارا سماج' دہلی، 29 مارچ 2019

رسم اجرا:

'کچھ درد سوا ہوتا ہے' اور 'بچپن زندہ ہے مجھ میں'

ممبئی: انجمن اسلام ممبئی کی کریمی لائبریری میں محمد قمر سلیم کی کتاب 'کچھ درد سوا ہوتا ہے' کا اجرا عمل میں آیا۔ 'کچھ درد سوا ہوتا ہے' کا اجرا کرتے ہوئے برصغیر کے معروف

افسانہ نگار سلام بن رزاق نے کہا، ''سوشل میڈیا کے سہارے جمالیاتی ذوق وشوق کی آبیاری ممکن نہیں لیکن بدقسمتی سے ادب تخلیق کرنے والوں کی بڑی تعداد سوشل میڈیا کے دام میں گرفتار ہے۔ ایسے میں کتابی شکل میں تخلیق کی افادیت اور معنویت بڑھ جاتی ہے۔ قمر سلیم کے افسانوں کی زبان رواں اور سلیس ہے۔'' انجمن اسلام کے صدر ڈاکٹر ظہیر قاضی نے اپنے صدارتی خطبے میں محمد قمر سلیم کی تخلیقی صلاحیتوں کا اعتراف کرتے ہوئے خراج تحسین پیش کیا۔

پروفیسر حنیف کیفی کی کتاب 'بچپن زندہ ہے مجھ میں' کا اجرا اردو کے شیدائی ڈاکٹر شیخ عبداللہ، نائب صدر انجمن اسلام نے کیا۔ اس موقع پر نوی ممبئی کے انجمن اسلام بورڈ کے چیرمین برہان حارث نے کہا، ''مجھے اس کتاب کے ٹائٹل نے بہت متاثر کیا ہے، لوگ مجھ سے کہتے ہیں تم کب بڑے ہوگے۔'' صاحب کتاب محمد قمر سلیم نے کہا، ''افسانے لکھتے وقت میرے ذہن میں کوئی واضح تصویر نہیں تھی۔ میں نے وہی لکھا جو سماج میں دیکھا اور محسوس کیا۔ میں نے سماج کے درد کو اپنے افسانوں میں سمیٹنے کی کوشش کی۔ میرے افسانے دور حاضر سے مطابقت رکھتے ہیں اور میرے افسانوں میں صنفِ نازک کی بالادستی ہے۔''

اس موقعے پر مسز شرمین سید اور ڈاکٹر ظہیر انصاری، مدیر تحریر نو نے قمر سلیم کی کتابوں کا تجزیہ پیش کیا۔ پروگرام کا آغاز قاری رضوان خان کی تلاوت سے ہوا۔ رسم شکریہ اعجاز عبدالغنی نے ادا کی۔

پریس ریلیز: ڈاکٹر ایم قمر سلیم، مہاراشٹر، 13 مارچ 2019

محاکمۃ الاسلامیہ

علی گڑھ: علی گڑھ مسلم یونیورسٹی (اے ایم یو) کے ایڈمنسٹریٹیو بلاک کانفرنس ہال میں ایک پروقار تقریب میں وائس چانسلر پروفیسر طارق منصور نے دیگر معززین کے ہمراہ راجا سید محمد باقر علی خاں آف پنڈراول کی قدیم کتاب 'محاکمۃ الاسلامیہ' کا اجرا کیا۔ تقریب آل انڈیا سرسید میموریل سوسائٹی کے زیر اہتمام منعقد ہوئی جس کی صدارت سوسائٹی کے صدر راجہ ایس ایم رضا علی خاں آف پنڈراول نے کی۔ پروفیسر طارق منصور نے اس موقعے پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ راجا سید محمد باقر علی خاں، بانی درسگاہ سرسید احمد خاں کے بے حد قریبی رفیق تھے، اور انھوں نے سرسید کی تعلیمی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ وہ ایم اے او کالج کے ٹرسٹی اور مینجمنٹ کمیٹی کے رکن رہے۔ وہ سرسید کے ساتھ مضبوطی سے کھڑے رہے اور انھوں نے کالج کے قیام سمیت سائنٹفک کمیٹی اور تعلیمی تحریک میں بنیادی رول ادا کیا۔ اس کے علاوہ انھوں نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد کا بھی کام کیا۔ پروفیسر منصور نے کہا کہ سبھی مذاہب کے پیروکاروں کو ایک دوسرے کا خیال رکھنا چاہیے۔ سرسید نے ہندو مسلم اتحاد کی وکالت کی، آج بھی اس کی ضرورت ہے کہ ہم ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھیں اور احترام کریں۔ کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے پروفیسر فرحت اللہ خاں نے ایم اے او کالج کے قیام کے حالات اور علی گڑھ تحریک پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ سوسائٹی کے نائب صدر، کمیونٹی میڈیسن شعبہ کے چیئرمین پروفیسر علی امیر نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ انھوں نے ہی 'محاکمۃ الاسلامیہ' کتاب کا انگریزی اور ہندی میں ترجمہ کیا ہے۔ تقریب کی نظامت کرتے ہوئے آل انڈیا سرسید میموریل سوسائٹی کے جنرل سکریٹری مسٹر سید حیدر علی خاں اسد نے بتایا کہ 'محاکمۃ الاسلامیہ' کی پہلی اشاعت 1885 میں خود راجا باقر علی خاں کے زمانے میں ہوئی تھی۔ بعد میں جب ایم اے او کالج کو یونیورسٹی بنانے کی تحریک چل رہی تھی تب ضرورت کا احساس کرتے ہوئے جناب سید محمد حسین تعلقدار ریاست ترکی پورہ باس نے اسے دوسری بار 1912 میں شائع کیا۔ رسم اجرا تقریب سے پروفیسر تصدق حسین اور دیگر نے بھی خطاب کیا۔

روزنامہ 'اخبار مشرق' دہلی، 21 مارچ 2019

صدائے گوہر

کولکاتا: ماہر تعلیم اور صحافی ڈاکٹر محمد گوہر (چیف ایڈیٹر، روزنامہ 'تاثیر') کی کتاب 'صدائے گوہر' کی رسم رونمائی

ہوٹل فارچون پارک، پنچ وٹی (کونا ایکسپریس وے، ہوڑہ، مغربی بنگال) میں معروف شاعر، ادیب اور صحافی ڈاکٹر امام اعظم کے ہاتھوں انجام پائی۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اجرا کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر محمد گوہر محتاج تعارف نہیں۔ وہ پٹنہ کے باشندے ہیں اور ایجوکیشن میں ڈاکٹریٹ ہیں نیز سائنس و ٹکنالوجی میں مہارت رکھتے ہیں۔ انھوں نے 2012 میں پٹنہ سے ایک اردو اخبار 'تاثیر' کا اجرا کیا، جو اس وقت ملک کی تقریباً 8 ریاستوں سے شائع ہو رہا ہے اور قارئین کے درمیان مقبول بھی ہے۔ 'صدائے گوہر' 304 صفحات پر مشتمل کتاب ہے جس میں مصنف نے روزنامہ 'تاثیر' میں شائع اداریوں اور مضامین کو شامل کیا ہے، جو بے حد معلوماتی اور دستاویزی حیثیت کے حامل ہیں۔ صحافت سے وابستہ حضرات کے لیے یہ کتاب ایک قیمتی سرمایہ ہے۔ ڈاکٹر گوہر نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''مجھے بے حد مسرت ہے کہ اس کتاب کی رونمائی آج اس سرزمین پر ہو رہی ہے جہاں سے اردو صحافت کی داغ بیل پڑی تھی۔ کتاب میں شامل اداریے اور مضامین وقتی حالات سے متاثر ہو کر لکھے گئے ہیں لیکن جن موضوعات، مسائل اور نکات پر روشنی ڈالی گئی ہے، ان کی اہمیت و ضرورت ہر دور میں محسوس کی جاتی رہے گی۔

پریس ریلیز: ریجنل ڈائرکٹر، مانو، کولکاتا، 13 مارچ 2019

نقوش کہکشاں

مظفر نگر: ایچ ایچ پلے اکادمی میں عوامی ایکتا ویلفیئر ایسوسی ایشن کی جانب سے شائع ہونے والی سالانہ نقوش کہکشاں کا اجرا عمل میں آیا۔ اس پروگرام میں مہمان خصوصی تحسین علی اساروی رہے۔ آغاز عبدالرحمٰن کی تلاوت کلام پاک اور نفیس آزاد کی نعت پاک سے ہوا۔ پروگرام کی نظامت مولانا محمد احمد نے کی جبکہ صدارت قاری شیر محمد نے کی۔ اس موقعے پر حکیم عطاء الرحمٰن اجملی نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا۔ پروگرام میں اردو ڈیولپمنٹ کے کنوینر تحسین علی اساروی، نفیس آزاد، مولانا محمد احمد، مولانا وکیل، قاری نفیس نعمانی، مولانا کامل، قاری شاہد حسینی، شمیم احمد، حکیم شمیم، حافظ لقمان، تصیر وغیرہ موجود رہے۔

روزنامہ 'اخبار مشرق' دہلی، 2 اپریل 2019

'عرفان تصوف'

رامپور: شہر کی معروف علمی شخصیت مرحوم سید درویش احمد قادری المعروف موتی میاں ثروت رامپوری کی تصنیف کردہ کتاب 'عرفان تصوف' کی رسم اجرا خانوادہ قطبیہ کے زیر اہتمام گھیر فرخ شاہ خاں، بیریان واقع سید اسلم میاں قادری قطبی کی رہائش گاہ پر بدست مفتی محمد مقصود فرقانی عمل میں آئی۔ اس پروقار تقریب کی صدارت ڈاکٹر جاوید نسیمی نے کی جبکہ مہمانان خصوصی کی حیثیت سے بین الاقوامی شہرت یافتہ شاعر اظہر عنایتی، ناظم علی خاں ناظم اور مولانا محمد اسلم جاوید القاسمی موجود تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام الٰہی سے کیا گیا۔ بعد ازاں نذرانہ نعت سرور کونینؐ پیش کیا گیا۔ تقریب رسم اجرا کے موقعے پر کلیدی خطبہ پیش کرتے ہوئے مفتی محمد مقصود فرقانی نے کہا کہ تصوف صرف ظاہری شکل و صورت اختیار کرنے کا نام نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ تصوف کی علماء کرام صوفیائے عظام اور دانشوران قوم وملت نے مختلف تعریفات کی ہیں۔ تاہم ان سب میں جو جامع تعریف معلوم ہوتی ہے وہ صوفیا کے قول کے مطابق حدیث سے معلوم ہوتی ہے، ''جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے خدا کو پہچان لیا۔''

روزنامہ 'اخبار مشرق' دہلی، 19 مارچ 2019

جرم و سزا اور تفتیش

نئی دھلی: ماہنامہ 'جرائم' کے دفتر واقع ڈی 190 ابوالفضل میں سالک دھامپوری کی نئی کتاب 'جرم و سزا اور تفتیش' کی تقریب رسم اجرا کی معروف سیاسی رہنما ایڈوکیٹ محمد اصغر خاں کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ واضح ہو کہ سالک دھامپوری کی یہ 23 ویں کتاب ہے۔ معروف صحافی و شاعر ظفر انور شکر پوری نے سالک دھامپوری کی 50 سالہ ادبی و صحافتی زندگی پر روشنی ڈالی اور ان کا مختصر تعارف کرایا۔ معروف صحافی اشرف بستوی نے کہا کہ سالک دھامپوری نے اس کتاب میں جرم کی تفتیش کے پرانے و نئے زمانہ کے فرق کو بڑے موثر انداز میں پیش کیا۔ کتاب میں قتل کی وارداتوں کی 6 عدد کہانیاں ہیں جو تجسس و اسرار سے پر ہیں۔ معین قریشی نے سالک دھامپوری کا شال اوڑھا کا استقبال کیا۔ رسم اجرا کے بعد شعری نشست زیر صدارت بزرگ شاعر ابوالفیض عزم سہریادی منعقد ہوئی۔ نظامت کے فرائض معین قریشی نے انجام دیے۔

روزنامہ 'خبریں' دہلی، 3 اپریل 2019

ہندوستان میں اردو سیرت نگاری

علی گڑھ: شعبۂ اسلامک اسٹڈیز میں منعقدہ دو روزہ قومی سمینار کے موقعے پر وائس چانسلر پروفیسر طارق منصور نے 'ہندوستان میں اردو سیرت نگاری' (مقالات سمینار 11-10 مارچ 2018) کا اجرا کرتے ہوئے اس کی طباعت اور مواد کی تعریف کی۔ اس سمینار میں اردو میں رسول اللہؐ کی سیرت پر اکیسویں صدی کے ادیبوں اور دانشوروں کی خدمات اور افکار کو خاص طور سے موضوع بحث بنایا گیا۔ مذکورہ کتاب میں 43 دانشوروں کے اردو اور انگریزی زبانوں میں مقالات شامل ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد ہندو ارباب علم کی بھی ہے۔ اس دو روزہ قومی سمینار میں ڈاکٹر عبدالمجید خان کی دو کتابوں کا اجرا بھی عمل میں آیا۔ ان کی ایک تصنیف یورپین مسلم مفکر علامہ محمد اسد کی نابغہ روزگار شخصیت سے بحث کرتی ہے جس کا اجرا پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی نے کیا۔ مصنف کی دوسری کتاب 'محمد اسد کی قرآنی خدمات و افکار' کی رونمائی کرتے ہوئے وائس چانسلر پروفیسر طارق منصور نے مصنف کی تحسین کی۔ علامہ محمد اسد نے انگریزی زبان میں قرآن پاک کا سلیس اور رواں ترجمہ کیا اور اس پر مختصر حواشی کا اضافہ بھی کیا۔ ان کی تحریروں پر صوفیانہ اثرات صاف محسوس کیے جاسکتے ہیں مگر ایک نومسلم مفکر کے جذبہ دروں اور ایمان و ایقان نے ان کی تحریروں کو مقبول عام اور انتہائی موثر بنادیا ہے۔ پروفیسر عبیداللہ فہد کی انگریزی میں کتاب رسول اکرمؐ پر یورپ میں خاکہ نگاری اور عالم اسلام کے ردعمل پر ہے۔ ناظم تعلیمات جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ مولانا طاہر مدنی نے اس کتاب کا اجرا کیا۔ پبلی کیشن ڈویژن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے شائع ہونے والی یہ تصنیف امریکہ اور یورپ کی اس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے جس نے رسول رحمتؐ کو بدنام کرنے کے لیے مزاحیہ خاکے اور کارٹون بنائے۔ کتاب کے دو ابواب چارلی ہیڈ و میگزین کے خاکوں پر اور ڈنمارک میں شائع شدہ کارٹون کے تجزیے پر مشتمل ہیں۔ مصنف نے دکھایا ہے کہ ان اہانت آمیز خاکوں کی اشاعت کے باوجود عام طور پر مسلم دنیا نے بے لگام ردعمل کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ عشق رسول کا اظہار کرتے ہوئے انھوں نے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں بڑے منظم اور منضبط طریقے سے اپنا احتجاج درج کرایا۔ مصنف نے یہ پیغام دینے کی بھی کوشش کی ہے کہ رسول رحمتؐ کے پیرو ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کا فریضہ یہ ہے کہ وہ تشدد اور دہشت گردی سے پرہیز کریں اور دوسرے مذاہب کے ماننے والوں کے لیے رحمت بن کر دکھائیں۔

روزنامہ 'ہندوستان ایکسپریس' دہلی، 29 مارچ 2019

پیغام آفاقی کے ناول 'دوست' کا اجرا

دوست

نئی دھلی: پیغام آفاقی نے اپنے فکشن میں دانشوری کا ثبوت دیا ہے۔ اپنی تخلیقات میں انھوں نے فلسفیانہ فکر کو بڑی اہمیت دی ہے۔ جب اردو فکشن میں ماضی پرستی کا زور تھا تو انھوں نے 'مکان' جیسا ناول لکھا، جس سے ناول کی دنیا میں نئی لہر پیدا ہوگئی۔ صدارتی خطبے میں جے این یو سی آئی ایل کے سابق چیئرپرسن پروفیسر انور پاشا نے ناول 'دوست' کے اجرا کے موقعے پر یہ باتیں کیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ فکر سے ہی فن کی تکمیل ہوتی ہے۔ پیغام نے اپنی تحریروں میں فکر وفن کو بڑی عمدگی سے پیش کیا۔ اردو ناول میں 'دوست' کا موضوع کسی حد تک نیا ہے اور موجودہ عہد سے ہم آہنگ بھی۔ اس تقریب میں جے این یو، ڈی یو اور جامعہ ملیہ اسلامیہ کے ریسرچ اسکالروں نے شرکت کی۔ منفرد ناقد حقانی القاسمی نے نہ صرف اس پروگرام کی نظامت کی بلکہ آفاقی کے فکر وفن پر بھی روشنی ڈالی۔ انھوں نے کہا کہ ہم بہت صاف انداز میں تخلیق کاروں کی انفرادیت واضح نہیں کرپاتے، جو شاید اردو تنقید کی کمزوری ہے۔ ناول کے مرتب سلمان عبدالصمد نے اپنے مقالے میں معروضی انداز سے ناول کی فنی باریکیوں اور موضوعاتی سروکار کی طرف اشارے کیے۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 30 مارچ 2019

وفیات:

جمیل جالبی

کراچی: نامور نقاد، ماہر لسانیات کراچی یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر اور سیکڑوں کتابوں کے مصنف ڈاکٹر جمیل جالبی کا 18 اپریل 2019 کو انتقال ہوگیا۔ وہ 12 جون 1938 کو علی گڑھ میں پیدا ہوئے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی۔ تقسیم ہند کے بعد پاکستان آگئے اور وہاں ملازمت کے دوران ہی ایم اے اور ایل ایل بی کے امتحانات پاس کیے۔ انھوں نے قدیم اردو ادب پر تحقیقی مقالہ لکھا اور مثنوی 'کدم راؤ پدم راؤ' پر ڈی لٹ کی ڈگری حاصل کی۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کراچی یونیورسٹی کے وائس چانسلر رہے اور مقتدرہ قومی زبان کے چیئرمین بھی۔ ان کی اہم کتابوں میں 'تاریخ ادب اردو' ہے جو 4 جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کے علاوہ نئی تنقید، محمد تقی میر، ادب کلچر اور مسائل، قلندر بخش جرأت، مثنوی کدم راؤ پدم راؤ، ارسطو سے ایلیٹ تک، ایلیٹ کے مضامین، فرہنگ اصطلاحات وغیرہ اہم ہیں۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں بہت سے اعزازات بھی مل چکے ہیں۔

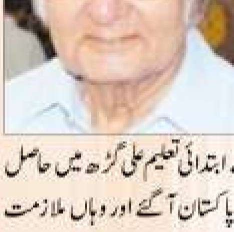

سید خوشحال زیدی

نئی دھلی: ماہرین ادب اطفال میں ممتاز سید خوشحال زیدی کا 23 مارچ کو انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 73 برس تھی۔ وہ کافی دنوں سے علیل چل رہے تھے۔ وہ سید نہال احمد زیدی کے بیٹے تھے، ان کا وطن سری مخدوم پور (ضلع مراد آباد) ہے۔ وہ انتہائی ملنسار، خوش اخلاق اور نیک آدمی تھے۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے۔ انھیں اردو میں بچوں کا ادب، مٹھائی کا بازار، بچوں کے ادب پر مجموعی خدمات ایوارڈ اور لائف ٹائم اچیومنٹ ایوارڈ برائے تحقیق جیسے کئی ایوارڈز سے نوازا گیا۔ ڈاکٹر خوشحال زیدی نے ادارہ بزم خضر راہ کے ذریعے بی اے اور ایم اے کے طلبا کی رہنمائی کے لیے بھی کئی کتابیں تصنیف و تالیف کیں، جو آج بھی مقبول ہیں۔ ان کے پسماندگان میں بیوہ، ایک بیٹی اور ایک بیٹی ہیں۔ ان کی تدفین بعد نماز عشا بٹلہ ہاؤس قبرستان میں ہوئی۔

روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' دہلی، 24 مارچ 2019

سہیل اختر

نئی دہلی: اڑیسہ کے مشہور شاعر اور نقاد سہیل اختر کا 12 مارچ کو صبح چار بجے بھونیشور کے ایک اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ ان کی عمر تقریباً 57 برس تھی۔ پسماندگان میں اہلیہ کے علاوہ دو لڑکیاں ہیں۔ یہ اطلاع شاعر و ادیب قسیم اختر نے دی ہے۔ وہ اڑیسہ میں اردو کا علم بلند کیے ہوئے تھے۔ سہیل اختر کی پیدائش اپنے ننیہال غازی پور، اتر پردیش میں 10 نومبر 1962 کو ہوئی تھی۔ ان کی ابتدائی تعلیم جمشید پور میں ہوئی تھی۔ آئی آئی ٹی کانپور سے انھوں نے سول انجینئرنگ کی ڈگری حاصل کی اور ان کی ملازمت بھونیشور میں آئی ڈی سی او میں تھی اور وہ اس وقت بھونیشور میں ڈپٹی جی ایم سول کے عہدے پر فائز تھے۔ انھوں نے بتایا کہ سہیل اختر ایک کامیاب مترجم رہے ہیں۔ ہندی اور انگریزی پر انھیں عبور حاصل تھا۔ انھوں نے اردو کے علاوہ ہندی میں نظمیں کہی ہیں اور تقریباً چالیس نظمیں انگریزی میں کہی ہیں۔ جاؤں تو کہاں جاؤں انگریزی شاعر وشنو پد سیٹھی کی نظموں کے تراجم پر مشتمل ہے۔ سہیل اختر ہمہ وقتی ادیب اور شاعر تھے۔ ان کی چند مشہور کتابیں کاغذ پر صحرا (غزلوں کا مجموعہ)، مجمد اخلاق کے سائے تلے (نظموں کا مجموعہ)، جاؤں تو جاؤں کہاں (بھونیشور کے آئی اے ایس آفیسر وشنو پد سیٹھی کی انگریزی نظموں کا مجموعہ)، دست زاد (غزلوں کا مجموعہ) غزل کے رنگ (اکرم نقاش کے ساتھ ترتیب شدہ کتاب) کے علاوہ درجنوں مقالات اور مضامین ہیں۔ مشہور نقاد اور صاحب طرز ادیب حقانی القاسمی نے تعزیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ میرے مخلص دوست تھے اور ان کے انتقال کی وجہ سے ملک ایک بہترین نقاد اور شاعر سے محروم ہوگیا۔ وہ اڑیسہ اردو اکادمی کے رسالہ کے مدیر بھی تھے۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 13 مارچ 2019

طارق جمیلی

پورنیہ: سیمانچل کے مشہور و معروف ادیب، دانشور، شاعر، افسانہ، ڈرامہ اور مضمون نگار پروفیسر طارق جمیلی کا 4 اپریل کو رات گیارہ بجے پٹنہ کے ایک اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ وہ سانس کی بیماری میں کئی ماہ سے مبتلا تھے۔ یہ اطلاع خاندانی ذرائع کے حوالے سے سیمانچل کے ادیب قسیم اختر نے دی ہے۔ انھوں نے بتایا کہ ان کے پسماندگان میں اہلیہ نزہت طارق ظہیری کے علاوہ تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ انھیں پورنیہ میں سپرد خاک کیا گیا۔ انھوں نے کہا کہ وہ تقریباً 34 برس تک پورنیہ کالج پورنیہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے اور وہ اپنے شعبے کے صدر بھی رہے۔ ان کا آبائی وطن تھانہ کانٹی ضلع مظفر پور تھا لیکن انھوں نے پورنیا کو ہی اپنا وطن اصلی بنا لیا تھا۔ وہ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں جذب دروں (شعری مجموعہ)، پورنیہ (طویل نظم)، سورہ یٰسین (منظوم ترجمہ)، آگ اور پانی (تمثیل)، شکست کی آواز (ڈرامہ)، آزاد شرارے (انشائیوں کا مجموعہ)، قلم جاگ رہا ہے (افسانوی مجموعہ)، عرش گیاوی (حیات و خدمات)، غیر مطبوعہ میں وادی کی واپسی (ناولٹ)، متفرق مضامین کا مجموعہ) وغیرہ شامل ہیں۔

طارق جمیلی کی ادبی خدمات کے اعتراف میں بہار اردو اکادمی نے انھیں ادبی ایوارڈ سے نوازا تھا۔ اس کے علاوہ انھیں تعلیمی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں اور بھی کئی اعزازات مل چکے ہیں۔

روزنامہ 'صحافت' دہلی، 5 اپریل 2019

Subscription Form "Urdu Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں 'اردو دنیا' کا/کی سالانہ خریدار بننا چاہتا/چاہتی ہوں۔

150 روپے کا ڈرافٹ/ منی آرڈر.................. بتاریخ.................. بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِ تعاون سالانہ -/150 روپے A/C: 90092010045326، IFSC: SYNB0009009 میں جمع کروادیا ہے۔

آپ 'اردو دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159, E-mail.:sales@ncpul.in

دستخط

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی چند مطبوعات

آہنگ اور عروض

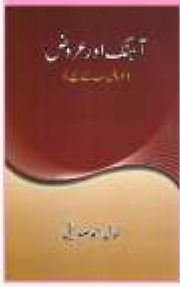

مصنف: کمال احمد صدیقی

صفحات: 257

قیمت: 125 روپے

قدیم ہندوستان کی تاریخ

مصنف: رماشنکر ترپاٹھی، مترجم: سید یحیٰ حسن نقوی

صفحات: 581

قیمت: 345 روپے

نئی اردو قواعد

مصنف: عصمت جاوید

صفحات: 334

قیمت: 140 روپے

اصول طب

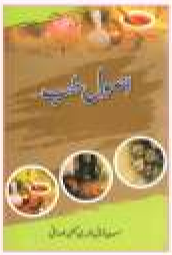

مصنف: سید کمال الدین حسین ہمدانی

صفحات: 508

قیمت: 170 روپے

اوراقِ سائنس

مصنف: عبدالودود انصاری

صفحات: 188

قیمت: 105 روپے

ڈر کے آگے جیت ہے

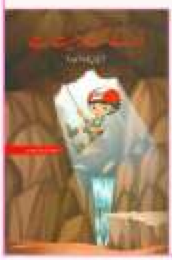

مصنف: محمد فروغ جعفری

صفحات: 72

قیمت: 25 روپے

منی کا تحفہ

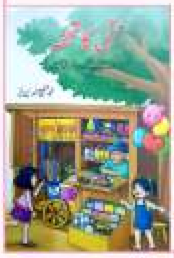

مصنف: شفیع الدین نیر

صفحات: 74

قیمت: 25 روپے

جانے انجانے جاندار

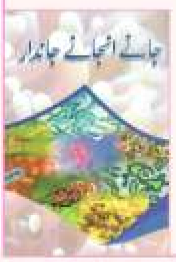

مصنف: شمس الاسلام فاروقی

صفحات: 66

قیمت: 35 روپے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746 فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

URDU DUNIYA Monthly, May-2019, Vol.21, Issue:05
National Council for Promotion of Urdu Language
Department of Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Government of India

RNI NO. 70323/99
DL (S) - 01/3394/2017-19
ISSN 2249 - 0639
Date of Publication:24/04/2019
Date of Dispatch : 25 & 26 of advance month

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

قومی اردو کونسل کی منفرد پیشکش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظرِ عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

منگانے کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066

فون: 011-26109746، فیکس: 011-26108159، E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Aquil Ahmad, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at S.Narayan and sons, B-88 Okhla Indl. Area Phase II. New Delhi-110020
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan FC-33/9 institutional Area Jasola New Delhi-110025